سو بڑے زاہدین
اور ان کے سردار
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے بعض شخصیات اولیاء کرامؒ اور زاہدین کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کے سرخیل اور زاہدین کے سردار نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اُردو ترجمہ:
الزهاد مأة اعظمهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف
محمد صدیق المنشاوی

مترجم
مفتی ثناء اللہ محمود

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۳۵۲۲۸۳-۷

۱۰۰

سو بڑے زاہدین

اور ان کے سردار

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

۱۰۰ سو بڑے زاہدین

اور ان کے سردار

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں انبیاء کرام، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے بعض شخصیات اولیاء کرام اور زاہدین کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کے سرخیل اور زاہدین کے سردار نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

اردو ترجمہ: الزهاد مأة اعظمهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف
محمد صدیق المنشاوی

مترجم
مفتی ثناء اللہ محمود
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

نام کتاب: سو بڑے زاہدین اور ان کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
اردو ترجمہ: الزهاد مائة اعظمهم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مؤلف: محمد صديق المنشاوى
مترجم: مفتی ثناء اللہ محمود (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دار العلوم = جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارۃ القرآن = اردو بازار کراچی
مکتبہ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی

نہ شاہی کی تمنّا ہو نہ فاقہ ہو پریشاں کُن
شبِ تاریک میں رونے کی لذّت گر خُدا دیدے

﴿فہرست﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمہ از مصنف﴾

یہ کتاب ایک معطر مجموعہ کہہ لیجئے یا یہ کہ ایک حیرت انگیز ہمیشہ باقی رہنے والا قصیدہ ہے۔ گتے کی دو جلدوں کے درمیان سو بڑے زاہدین اور صالحین کے تذکرے کو سموئے ہوئے ہے جن کی سیرت کو تاریخ انسانی نے نورانی حروف سے لکھا ہے۔

اس عظیم قافلے کے جھرمٹ میں ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ سب سے مقدم ہیں۔ جو کہ خاتم المرسلین، دو قدموں پر چلنے والی مخلوق میں بطحاء پر چلنے والے حضرات میں سب سے بہتر ہیں۔ شفاعت کرنے والوں اور جن سے شفاعت کروائی جائے گی ان میں اول ترین جن کے ہاتھ میں لواء الحمد نامی جھنڈا ہوگا۔ شفاعت کے مالک، وسیلہ بننے کے اہل، جن کے زہد میں کوئی ان کی مثال نہیں۔ جن کی سخاوت کی کوئی انتہا نہیں۔ جن کی فضیلت کی کوئی حد نہیں۔ عظیم تر اخلاق کے مالک، خوشبودار پاک پسینے کے حامل، جن کی گفتگو موتی اور نور جیسی، جن کی خاموشی فکر و تدبر، جن کی مجلس ذکر الٰہی، جن کی بات چیت دوا، جن کی سرگوشی تسبیح، جن کی بلند آواز تہلیل (لا الہ الا اللہ) ہوتی تھی۔

مخلصین کے سردار، فقراء کے محبوب، جن میں وہ تمام صفات یکسر جمع تھیں جو دوسرے انبیاء کرام علیہ السلام میں متفرق طور پر تھیں۔ عظیم لوگوں کے تواضع کی پہلی درسگاہ جن کی پیدائش انسانیت کی نشأۃ ثانیہ تھی۔ جن کی رسالت نبوت کے اعتبار کی واپسی تھی، جو اخلاق کے دستور کو نئے سرے سے رکھنے تشریف لائے اور لوگوں کو دین اور توحید پہنچانے آئے تھے۔

ان کے بعد ہم نے اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر گفتگو کی ہے۔ پھر خلفاء راشدین پر اور ان کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا

اضافہ کیا ہے۔ پھر بعض صحابہ کرام پر، پھر تابعین اور تبع تابعین پر گفتگو کی ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

یہ حضرات ایسے لوگ ہیں جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتیں دنیا میں لوگوں کے پاس نعمتوں سے زیادہ قابل بھروسہ تھیں۔ ان کے قلوب اللہ تعالیٰ وحدہ کے خوف سے معمور تھے۔ انہوں نے اپنے دلوں کو ذکر الٰہی کے چراغ سے روشن کیا، اپنے شکم ورع وتقویٰ سے پر کئے۔ رات کی تاریکیوں کو تسبیح کی گنگاہٹ سے چیر دیا۔ موت کی یاد نے ان کے لیے کوئی خوشی باقی نہیں چھوڑی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں مال خادم تھا آقا نہیں تھا۔ ان کی صفات زمانے کو بھرتی رہیں۔ ان کی زندگیاں یقین کی گرمی سے ممتاز تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حکمرانوں کا کوڑا انہیں حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتا تھا، ان کے دل آسمان کے تاروں سے ملے ہوئے تھے۔ ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ تاریخ ان کے قصے آنے والے لوگوں کے لئے راہنما کے طور پر لکھے گی۔

ہم ان کی زندگی اور زہد کے قریب اس لئے گئے ہیں تا کہ ان کے نزدیک عظمت کے راز اور ان کے ہاتھوں میں عزت کے اسباب کو پہچان سکیں۔ کہ انہوں نے نفس کا مجاہدہ کیسے کیا؟ اپنی خواہشات کا مقابلہ کس طرح کیا؟ اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو کس طرح عظیم بنایا۔ نرم بستروں کو کیسے چھوڑا، نیند کو کیسے ناپسند کیا۔ اپنی راتوں کو نمازوں سے کس طرح آباد کیا، اپنے دن روزوں میں کس طرح کاٹے اور اپنے شکموں کو کس طرح حرام سے بچایا۔

اخلاص ان کے دل کے تاروں کو چھوتا تھا لہٰذا وہ کسی بیمار کی طرح بے چین رہتے اور درختوں کی طرح تھرتھراتے، اور اس عورت کی طرح روتے جس کا بیٹا اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اقوال والفاظ سے دلوں کو کھینچا، اور اپنے عمل سے عقول کو جکڑ لیا۔ اپنے آنسوؤں سے گناہوں کو دھولیا۔

اے اللہ ہم تجھ سے اپنے قول وعمل میں اخلاص مانگتے ہیں۔ اور یہ دعا

کرتے ہیں کہ تو ہمارا ان حضرات کے زمرے میں حشر فرمانا اس دن جب کہ مال اور اولاد کوئی بھی کام نہ آئیں گے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سلامتی والا دل لے کر جائے۔ اور ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہماری اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما اور اسے بروز قیامت ہماری نیکیوں کے پلڑے میں رکھنا۔ (آمین ثم آمین)

کتبہ
محمد صدیق المنشاوی

﴿عرض مترجم﴾

الحمد للّٰہ و کفی و الصلاۃ والسلام علی سید الزھاد و آلہ و اصحابہ و اتباعھم اجمعین الذین اختار و الزھد قبلۃ قلوبھم و آثروا علی الدنیا الدین

کتاب "الزھاد مائۃ" کا ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ کتاب انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین میں بعض حضرات کے مختصر احوال پر مبنی ہے، جن میں ان کے زہد، تواضع، خشیت الٰہی، خوف آخرت اور عبادت کے احوال کو مختصر انداز سے لکھا گیا ہے۔

ویسے تو زاہدین کی فہرست نا قابل شمار ہے، آسانی سے ان حضرات کے نام بھی نہیں گنے جا سکتے لیکن مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ مشہور اولیاء کرام اور زاہدین کے احوال لکھ دیں۔ چونکہ تعداد صرف سو ذکر کرنی مقصود تھی اس لئے کسی مشہور ولی اور زاہد کا تذکرہ اگر نہ ہو سکا ہو تو وہ مجبوری ہے۔

اس موضوع پر چھوٹی موٹی کتب بے شمار مل جاتی ہیں لیکن خاص جس میں زہد کو موضوع بنا کر زاہدین کا ذکر کیا گیا ہو، ایسی کتاب شاذ و نادر ہی کہیں ہو، بہر حال اپنے موضوع پر ایک اچھی اور اچھوتی کوشش ہے جسے مصنف نے خطیبانہ انداز سے لکھا ہے اور ان اولیاء کرام اور زاہدین کی زندگی کے عبادت و خشیت اور زہد سے متعلق پہلو کو خصوصی انداز سے واقعات، یا دوسرے بزرگوں کے خراج تحسین کی صورت پیش کیا ہے۔

اس کتاب کا مقصد واضح ہے کہ زاہدین کی سیرت اور ان کے زہد کے احوال مسلمانوں کے سامنے آئیں، دنیاداری اور خواہش پرستی کے اس دور میں زہد کے حوالے سے مشہور شخصیات کا تذکرہ یقیناً بہت سے دلوں میں دنیا پرستی اور خواہشات کی بیخ کنی

کرے گا۔

یہ کتاب مال و دولت جمع کرنے، رہن سہن میں آسائشوں کے حصول اور آرام پسندی کی دوڑ میں لگنے والوں کے لئے یقیناً تازیانہ عبرت ثابت ہوگی۔ ظاہر ہے جو دل اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیں گے وہی نصیحت حاصل کرسکیں گے۔ اور اس بات کے لئے خود کو تیار کرسکیں گے کہ دنیا داری میں اپنے پاس موجود مال و دولت میں سے کچھ حصہ غریبوں، یتیموں اور سفید پوش بے کسوں کو دیں گے۔ صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت نہیں بلکہ عطایا اور ھدایا کی صورت بھی۔ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ہماری ذات سے کسی غریب کا بھلا ہو جائے۔ بے سہارا کو سہارا مل جائے، بے گھر کو سر چھپانے کی جگہ میسر ہو جائے، یا کسی غریب کے دکھ درد کم ہوسکیں، اور ان پر جتنا خرچ ہوگا وہ آخرت میں ذخیرہ ہوگا۔

اس کتاب میں خلفاء، گورنر اور عام مالدار زھاد کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنے لئے زندگی میں کچھ نہ کیا بلکہ سب آخرت کے لئے جمع کرلیا۔ بس ایک یہ احساس ہمارے مالدار حضرات میں پیدا ہو جائے تو شاید غریب پروری کا وہ دور دوبارہ لوٹ آئے اور ایسا اگر ایک صاحب نے بھی کرلیا تو انشاء اللہ مصنف، مترجم اور ناشر کی اس کاوش کا سب سے بڑا صلہ یہی ہوگا کہ کتاب کے مقصود پر کوئی ایک بندہ خدا چل پڑا ہے۔

بہرحال ہم نے اس کتاب کا مصنف کے انداز سے ہی ترجمہ کیا ہے کیونکہ عام سوانح کی کتب اور خطیبانہ طرز تحریر میں بڑا فرق ہوتا ہے اور ہم نے ترجمے میں اسی فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔

آیئے ان بندگان خدا کے تذکرے سے اپنی آنکھوں اور دل و دماغ کو معطر کریں، جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دنیاوی آسائشوں اور دنیاوی نعمتوں سے منہ موڑے رکھا۔ خواہش کو دبائے رکھا، نفس کو ذلیل کئے رکھا اور دنیا میں نعمت کا حصول آخرت کی نعمتوں میں کمی سمجھا۔ دنیا میں بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنے، اچھے اور

عمدہ مرغن کھانوں کے بجائے آخرت میں محلات کی تعمیر اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دی۔

اپنی راتوں کو مزے کی نیند کے بجائے عبادت سے جگائے رکھا۔ ٹھنڈے پانی کی رغبت اور بھوک مٹانے کی طلب کو روزوں سے دبائے رکھا اور مال جمع کرنے کی حرص وہوس کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مال لٹانے کے ذریعے فنا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی زھد، عبادت، خشیت، وخوف آخرت کی لذت سے آشنا فرما دے۔ اپنے گناہوں پر رات کی تاریکی میں رونے کی نعمت عطا فرما دے۔ لاپرواہی اور مستی سے ہمیں دور کر کے فکر آخرت اور عبادت میں چستی عطا فرما دے۔ آمین

دعاؤں کا طلب گار
ثناء اللہ محمود
گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج کراچی
ریسرچ اسکالر شعبہ قرآن وسنت کراچی یونیورسٹی

﴿زہد اور زاہدوں کے بارے میں علماء کے اقوال﴾

زہد کی تعریف میں علماء کے مختلف ارشادات

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ ''زہد کے معنی آرزوؤں کا کم کر دینا ہیں۔''

عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ ''زہد، فقر کو پسند کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد کا نام ہے۔''

ابوسلیمان الدارانی کا قول ہے کہ ''زہد، اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے غافل کر دینے والی چیز کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔''

جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ ''زہد، دنیا کو کمتر اور چھوٹا سمجھنے اور دل کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کرنے کا نام ہے۔''

عبدالواحد بن زید کا قول ہے کہ ''زہد، درھم و دینار کے ترک کر دینے کا نام ہے۔''

ابوعثمانؒ کا قول ہے کہ ''زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو چھوڑ دے اور اس سے بے پرواہ ہو جائے اسے کس نے حاصل کر لیا۔''

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ زہد تین قسم پر ہے۔

(۱) حرام کو چھوڑ دینا، یہ مرتبہ عوام کے زہد کا ہے۔

(۲) حلال میں فاضل و زائد اشیاء کا ترک کر دینا، یہ مرتبہ خواص کے زہد کا ہے۔

(۳) بندہ، اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والی اشیاء کو ترک کر دے، یہ مرتبہ عارفین کے زہد کا ہے۔

کسی نے کہا کہ زہد، دنیا کو زوال کی آنکھ سے دیکھنے کا نام ہے۔

ایک قول کے مطابق زہد دل کو ان چیزوں سے خالی کرنے کا نام ہے جن سے

ہاتھ خالی ہیں۔

ایک قول کے مطابق۔ بغیر تکلف کے دنیا سے نفس کو دور کر دینے کا نام ''زہد'' ہے۔

بعض نے یہ فرمایا کہ زاہد وہ شخص ہے جو دنیاوی چیزوں کی موجودگی سے خوش نہ ہو اور جو چیز حاصل نہیں یا ہاتھ سے نکل جائے اس پر افسوس نہ کرے۔

سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی امی)

☆ جو کہ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام پانی اور گیلی مٹی کے درمیان (زیر تخلیق) تھے۔

☆ جب آپ چاہیں کہ اپنے دن کو عید بنائیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو جایئے۔

☆ قلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت لکھنے سے عاجز ہو گئے۔ بہر حال جو لکھا بڑا ہی حیرت انگیز اور بھرپور تھا، لیکن وہ سب کچھ سمندر میں سے ایک قطرے کی مقدار سے زیادہ نہ تھا۔

☆ تاریخ نے مدح وتوصیف کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت نہیں بخشی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر سیرت نے تاریخ کو معزز کر دیا۔

☆ وہ بہترین ساعت جس نے زمین کی ہدایت کے لئے آسمان سے آنے والے پیغام کو وصول کیا۔

☆☆☆

پیروں پر چلنے والی مخلوق (انسانی) میں سب سے بہتر انسان، امتوں کی راہنمائی کے لئے بھیجے جانے والے رسولوں میں اور فیصلہ کرنے اور عدل کرنے والے سب بادشاہوں میں سب سے بہتر رسول اور حکمران جس کے ہاتھوں میں کنکریوں نے باری تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔ جس کو پتھروں نے سلام پیش کیا، اونٹوں نے اس سے شکایت کی۔ لکڑی کا منبر جس کی جدائی پر رویا۔ جس کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے پھوٹے۔ بھیڑیئے نے جس کی رسالت کی گواہی دی۔ کھانا جس کی برکت سے بہت زیادہ ہو گیا۔ جس سے زہر میں بجھی بکری کی ران نے گفتگو کی۔ جسے بادلوں نے سایہ بہم فراہم کیا۔ جس سے پرندوں نے باتیں کیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اصفیاء کے سردار، فقراء کے محبوب، جن کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا، جن کا ذکر بلند فرمایا اور مرتبہ اونچا کر دیا۔

مسکینوں کے ہمنشین، مرسلین کے امام، لوگوں میں سب سے بڑے سخی دل۔ سب سے زیادہ راست گو۔ جو انہیں دیکھے مرعوب ہو جائے، جو ملاقات کرے محبوب مان لے، نرم پہلو والے، جو سخت و درشت نہ تھے، نرم اخلاق کے مالک، مسکراتے چہرے کے مالک، کسی چیز کی برائی نہ کرنے والے، کسی کو عیب نہ لگانے والے، نیکی جن کا شعار اور تقویٰ جن کا ضمیر تھا، دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ ﷺ

جنہیں اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی۔ اور پھر لوگوں میں سب سے اچھی قوم میں سے اور اچھے قبیلہ میں پیدا کیا۔ لوگوں میں سب سے اچھے گھر میں بھیجا، نفس کے اعتبار سے سب سے اچھے لوگوں میں آئے، پھر ساری انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا، سب لوگوں میں عموم کے ساتھ بھیجا، جوامع الکلم کے ہمراہ بھیجا، ان کی غنیمت کو حلال کیا۔ ساری زمین کو مسجد اور مٹی کو طھور (پاک کرنے والی) قرار دیا۔ ایک ماہ کی مسافت سے پڑنے والے رعب کے ذریعے دشمن کے خلاف مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے جن کی امت کی صفوں کو فرشتوں کی صفیں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے گفتگو فرمانا، ان کا معجزہ ٹھہرا۔ ان کا رزق نیزے کی نوک کے نیچے رکھا۔ ان کی مخالفت کرنے والوں پر ذلت لازم کر دی۔ ان کے ہاتھوں میں زمین کے خزانوں کی چابیاں رکھ دیں۔ سبع مثانی عطا فرمائی، انبیاء کا سلسلہ ان پر ختم فرما دیا اور انبیاء و مرسلین ان کی آمد پر مکمل ہو گئے۔ ﷺ

جو قیامت کے دن آدم کی اولاد کے سردار ہوں گے۔ زمین سب سے پہلے ان کے لئے شق ہوگی۔ (سب سے پہلے قبر مبارک سے آپ ﷺ ہی باہر تشریف لائیں گے) جو سب سے پہلے شافع اور سب سے اول مشفع ہوں گے۔ جو سب سے پہلے جنت کی زنجیر کو ہلانے والے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہوں گے۔ جن کے ہاتھ میں ''لواء الحمد'' نامی جھنڈا ہوگا۔ اور سارے انبیاء آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ جب انبیاء علیہم السلام وفد لے کر جائیں گے تو آپ ﷺ ان سے بات کرنے والے ہوں گے۔ جب وہ ناامید ہونے لگیں گے تو آپ ہی

خوشخبری دیں گے۔ سب سے زیادہ امتی آپ ہی کے ہوں گے۔ وہی شفاعت کے مالک ہوں گے۔ وسیلہ بننے کے اہل ہوں گے۔ آپ ﷺ ہی ہوں گے جو عرش کی دائیں جانب ہوں گے۔ ﷺ

اگر تم مجھ سے پوچھو کہ ان کی نماز کیسی تھی؟ جواب ہوگا کہ ان کے پاؤں مبارک پر کثرت نماز سے ورم آجاتا تھا۔ پوچھو کہ زہد کیسا تھا؟ ان کا تو اس میں کوئی مثیل ونظیر ہی نہیں۔ پوچھو کہ ان کی سخاوت کیسی تھی؟ بیش بہا کریم سخاوت تھی۔ اگر پوچھو کہ اخلاق کیسے تھے؟ بڑے عظیم تھے۔ پوچھو کہ ان کا پسینہ کیسا تھا؟ مشک اور خوشبو جیسا تھا اگر پوچھو کہ چہرہ کیسا تھا؟ چودھویں کا چمکتا چاند تھا۔ اگر پوچھو کہ ان کی آنکھیں کیسی تھیں؟ کالی سرمگیں آنکھیں تھیں۔ اگر پوچھو کہ ان کے بال کیسے تھے؟ ریشم کی طرح نرم تھے۔ اگر پوچھو کہ پاؤں کیسے تھے؟ وہ ان کے سہارے راتوں میں طویل قیام کرتے تھے۔ اگر پوچھو کہ ان کی گفتگو کیسی تھی؟ موتی اور نور کی طرح تھی۔ اگر پوچھو کہ ان کی مجلس کیسی تھی؟ مجلس ذکر و تسبیح پر مشتمل تھی۔ اگر پوچھو کہ ان کی خاموشی کیسی تھی؟ تدبر اور تفکر پر مشتمل تھی۔ اگر پوچھو کہ ان کا حلم کیسا تھا؟ وہ انتہائی شفقت والے اور رحم دل تھے۔ اگر پوچھو کہ ان کی بہادری کیسی تھی؟ چیر پھاڑ کرنے والے شیر کی طرح تھے۔ پوچھو کہ ان کا نام نامی کیا تھا؟ وہ محمد اور محمود تھے۔ ﷺ

اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ تمہیں ان کے بارے میں کیا کہنا چاہیئے تو میں کہوں گا کہ ان پر درود پڑھو اور سلام پیش کیا کرو۔

و اکرم منک لم ترقط عینی   و اجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرءا من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: ''اور آپ سے زیادہ معزز میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت عورتوں نے کسی کو نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے مبرأ پیدا کیے گئے گویا کہ آپ کو ایسا بنایا گیا جیسا آپ نے چاہا۔'' ﷺ

☆☆☆

قرآن کریم میں مدح وتوصیف

کبھی یوں ہوتا ہے کہ قلم آپ ﷺ کی عظمت کی شان کے قصیدے لکھنے سے حیران و عاجز ہو جاتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے وہ اب کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔

کیسے نہ ہو؟ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے محبوب ﷺ کی مدح وتوصیف فرمائی ہے۔ چنانچہ

آپ کی عقل کی درستگی کو اعتراضات سے پاک بیان کیا۔ فرمایا کہ

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وما غَوٰی﴾ (النجم: ۲)

''تمہارا یہ دوست نہ گمراہ ہے اور نہ بہکا ہے۔''

آپ ﷺ کی زبان مبارک کا تزکیہ فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النجم: ۳)

''وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔''

آپ کے ہمنشین جبرئیل کا تزکیہ بیان کیا۔ فرمایا

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ (النجم: ۵)

''اس کو ایک زبردست قوت والے نے سکھایا۔''

آپ ﷺ کے دل کا تزکیہ بیان کیا، فرمایا

﴿وَمَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ (النجم: ۱۱)

''اس کے دل نے جھوٹ نہیں ملایا جو (نظر نے) دیکھا۔''

آپ ﷺ کی بصارت کا تزکیہ وتوصیف بیان کی۔ فرمایا

﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾ (النجم: ۱۷)

''نگاہ نہ چندھیائی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔''

آپ ﷺ کے سینہ مبارک کا تزکیہ وتوصیف بیان کرتے ہوئے فرمایا

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾ (الانشراح: ۱)

''کیا ہم نے تیرا سینہ تیرے لئے نہیں کھولا؟۔''

آپ ﷺ کی مکمل تعریف بیان کی۔

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم: ۴)

''بیشک آپ (ﷺ) اخلاق کے عظیم مرتبہ پر ہیں۔''

ع مبرأ القلب من ریب و من دنس و کیف و ھو بماء الخلد مغسول

ترجمہ: ''آپ کا قلب مبارک شک اور گندگی سے مبراء و پاک ہے اور کیسے نہ ہو وہ تو جنت کے پانی سے دھلا ہوا ہے۔''

☆☆☆

نبی کریم ﷺ میں عظمت کے وہ تمام فضائل و خصائص جمع تھے جو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں متفرق طور پر موجود تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت (خلوص) عطا فرمائی۔ شیث علیہ السلام کا مولد۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان، حضرت اسحاق علیہ السلام کی رضا (اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا)، حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لقمان کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت، حضرت یونس علیہ السلام کی تسبیح، حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد، حضرت داؤد علیہ السلام کی نعمت، حضرت سلیمان علیہ السلام کی ھیبت، حضرت الیاس علیہ السلام کا وقار، حضرت خضر علیہ السلام کا علم، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تقوی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد، آپ ﷺ کو عطا فرمائے گئے۔ بلکہ آپ ﷺ کا فضل و فضیلت تمام فضائل سے فائق اور آپ ﷺ کا نور ہر نور سے بلند مرتبہ تھا۔

فاق النبیین فی خلق و فی خُلُق ولم ریدانوہ فی علم ولا کرم

ترجمہ: ''آپ ﷺ تمام انبیاء پر خلقت اور اخلاق میں فائق

تھے۔ اور وہ سب حضرات علم و کرم میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے۔" ﷺ

☆☆☆

یہ ہیں حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ ان کی زندگی کی صبح نے پہلی سانس یتیمی میں لی۔ آپ کا سراپا وجود میں آنے سے پہلے ہی آپ اپنے والد محترم کو کھو چکے تھے۔ لیکن اس یتیمی کے غلاف مستقبل میں کھلنے والے شگوفوں کو روک نہ سکے۔

آپ ﷺ کی پیدائش انسانیت کی نشأۃ ثانیہ تھی۔ جو کہ وہ صبح لے کر آئی جس نے شرک کی تاریک رات کو دور کر دیا۔ آپ ﷺ کا بچپن عفت و پاکیزگی اور عظیم تر حسن اخلاق کا ایک حیرت انگیز قصیدہ ہے۔

آپ ﷺ بت پرستی کے اندھیروں سے دور رہ کر جوان ہوئے، آپ ﷺ کی بعثت تاریخ کے اندھیروں سے نبوت کے اعتبار کو واپس لوٹا لائی اور آپ ﷺ کی رسالت لوگوں اور نیچ رذیل اخلاق کے درمیان آڑ بن کر آئی۔

آپ ﷺ نے اپنی قوم کو وہ خبر سنائی جو ان کی خوش عقیدگیوں کو اڑا کر لے گئی، اور پھر قریش کی بے وقوفیوں نے آپ ﷺ پر سختی کر دی اور احمق لوگ اس وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ آپ ﷺ پر مصائب اور سختیاں بہہ پڑیں لیکن آپ ﷺ نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا اور نبوت کے بوجھ کو لے کر وہاں سے ہجرت فرما گئے۔ ﷺ

☆☆☆

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ گود سے لے کر رحلت تک واضح ہے آپ ﷺ کے فضائل و خصائص ہر دن نئے روپ میں سامنے آتے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک عظیم حکومت قائم فرمائی، تاریخ جس کا واقعہ نقل کرتی ہے۔

آپ ﷺ زہد کے معلم اول اور وہ یکتائے زمانہ شخصیت تھے جس نے وحی کے قلم سے اخلاق کا قانون و دستور لکھا۔ دنیا کی حالت (اور اس کے حصول) میں کمی کا پہلا قانون آپ ﷺ ہی نے بنایا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد دلوں کی تطہیر کرتا اور

عقلوں کو جذب کرتا ہے۔

آپ ﷺ کے ارشاد نے دنیا کے ٹھیک دل کے وسط میں پیوست ہونے والے تیروں میں سے نجات کو ڈھونڈا۔ آپ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری کہ اس میں لوگوں کو دنیا کی حقیقت بیان کرتے رہے اور لوگوں کو اس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ سے منع فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک دن آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی درد میں ڈوبی آواز سے لوگوں کی سماعتوں کو معطر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تم پر اس کا خوف نہیں رکھتا کہ تم شرک کرو گے لیکن تم پر دنیا سے خوف کھاتا ہوں کہ تم اس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔''

☆☆☆

دنیا کے اموال سے بیزاری

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کو بحرین سے آئے ہوئے مال نے بھر دیا جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔ آپ ﷺ کے گرد لوگوں کا ہجوم ہو گیا، آپ ﷺ نے جب لوگوں کو دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا،

''میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا کہ ابوعبیدہ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوشخبری لو اور جو چیز تمہیں خوشی دے اس کی آرزو کرو۔ سو خدا کی قسم میں تم پر فقر کے آنے سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا (مال و دولت) تم پر اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا تھا (یعنی مال کی کثرت ہو جائے) تو تم بھی اس میں ایک دوسرے سے بڑھنے میں مقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا تھا۔ اور تمہیں بھی وہ برباد کر

دے جس طرح ان کو کیا تھا۔'' (بخاری:٦٤٢٦)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا سے نجات کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''دنیا میں ایسے رہو جیسے تم اجنبی ہو یا کوئی راہ گزر ہو۔'' (بخاری:٦٤١٦)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی بڑے مختصر انداز سے زہد اور زندگی میں دنیاوی سامان سے خالی ہاتھ ہونے کی حیرت انگیز مثالیں قائم کرتے گزری۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن کھانا کھاتے تو دوسرے دن بھوکے رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (ایک دن) فرمایا:

''مجھے میرے رب نے یہ پیشکش کی کہ مکہ کی سرزمین کو سونے کی بنا دے میں نے کہا۔ نہیں اے رب بلکہ میں ایک دن پیٹ بھروں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ چنانچہ جب بھوکا ہوں گا تو تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب پیٹ بھروں گا تو تیرا شکر کروں گا اور تیری حمد کروں گا۔'' (بخاری: ٢٣٤٧)

زاہدین کے سردار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے:

''اے اللہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رزق گزارے کا توشہ مقرر کر دے۔
(عربی میں یہاں قُوت کا لفظ ہے جس کے معنی اتنا کھانا جس سے انسان موت سے بچ جائے یا جس سے گزارا ہو جائے۔ پیٹ بھر کر کھانا ''قُوت'' سے آگے کی چیز ہے۔ (بخاری: ٦٤٦٠)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل (گھر والوں) نے کبھی تین دن مسلسل پیٹ بھر کر گندم سے بنا کھانا نہیں کھایا، جب سے مدینہ منورہ آئے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔ (بخاری: ٦٤٥٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل (گھر والوں) نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھایا تو ان میں ایک کھانا ضرور کھجور ہوتی۔

(بخاری: ۶۴۵۶)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بھوک کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ایک دن بھوک سے دہرے ہو رہے تھے اور کوئی کھجور بھی نہ تھی جس سے آپ ﷺ پیٹ بھر لیتے۔ (ابن ماجہ: ۴۱۴۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ کئی راتیں مسلسل بھوکے گزار دیتے تھے اور آپ کے گھر والوں کو بھی رات کا کھانا نصیب نہ ہوتا تھا، عام طور سے ان کی روٹی جَو کی ہوتی تھی۔ (ترمذی: ۲۳۶۰) ﷺ

ایک دن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے گرد حلقہ بنا کر گویا اپنے جھرمٹ میں لیا اور اپنے بھوکے ہونے کا شکوہ کیا اور پیٹ پر سے کپڑا ہٹا کر اپنے پیٹ پر بندھے پتھر دکھائے (جو بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے پیٹ پر باندھے گئے تھے) چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا ہٹایا تو وہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (ترمذی: ۲۳۷۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجے حضرت عروہ کو اس تنگی کے بارے میں بتاتے ہوئے فرما رہی ہیں، جس میں آپ ﷺ نے زندگی گزاری۔ فرمایا کہ ہم چاند کو تین ماہ تک دیکھتی رہتی تھیں مگر رسول اکرم ﷺ کے گھروں میں آگ (اتنے عرصے) تک نہیں جلتی تھی۔ عروہ کہنے لگے تو زندگی کا گزارا کیسے ہوتا تھا؟ فرمایا دو کالی اشیاء، یعنی کھجور اور پانی پر گزارہ تھا۔ (بخاری: ۶۴۶۰)

فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی جس دن وفات ہوئی میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے کوئی جگر والا اپنا پیٹ بھر سکے سوائے آدھی کھجور کے۔ (مسلم: ۲۹۷۱)

فرمایا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوگئی مگر کسی ایک دن ایسا نہ ہوا کہ زیتون کے تیل اور روٹی سے دو وقت کھانا کھایا ہو۔ (مسلم: ۲۹۷۵)

اور آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری: ۴۴۶۷)

چٹائی پر زندگی گزارنے والا شہنشاہ

رسول اکرم ﷺ نے ایک چھوٹی سی پرانی چٹائی پر زندگی گزاری اور دنیا کی کبریائی کو لرزاتے رہے۔ اپنے نفس کو ہر آسائش اور زائل ہونے والی حقیقتاً بے وقعت نعمت سے دور فرما کر جھڑکتے رہے اور فاقہ کے شعلوں کے نیچے بے نیازی سے زندگی گزارتے رہے۔

ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے کمرے میں داخل ہوئے آپ کو ایک پرانی سی چٹائی پر لیٹے دیکھا، چٹائی کے اطراف (کنارے) غربت نے کھا لئے تھے۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ چکے تھے، آپ کے سر کے نیچے پتوں سے بھرا ایک تکیہ تھا۔ آپ کے سر پر گرد اور مٹی تھی۔ اور کمرے کے کونے میں مٹھی بھر جَو رکھے تھے جو تقریباً صاع ہوں گے دیوار کے نیچے قرظ اگی ہوئی تھی (قرظ ایک قسم کی گھاس ہے جس سے کھال کو دباغت دی جاتی ہے) یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رسول اکرم ﷺ کی اس حالت پر رونے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں روتے دیکھا تو پوچھا، ابن خطاب کیوں روتے ہو؟ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں کیوں نہ روؤں؟ اس چٹائی نے آپ کے پہلو پر نشان ڈال دیئے ہیں'' ان الفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو اور حرکت کرتا کندھوں کا گوشت شامل ہو چکا تھا'' آپ کی الماری میں کچھ نہیں سوائے (چند دانوں کے) جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ادھر قیصر و کسریٰ سونے کی چارپائی پر ریشم اور دیباج کے بچھونوں پر ہیں۔ پھلوں اور نہروں میں ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے دوست ہیں۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ اے ابن خطاب۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی اچھی چیزیں نعمتیں بہت پہلے دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور یہ جلد ہی ختم ہو جائیں گی اور ہم وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ان کی نعمتیں آخرت تک کے لئے مؤخر کر دی گئی ہیں۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے

آخرت ہو اور ان کے لئے دنیا ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟

(مستدرک حاکم: ص ۱۰۴، ابن حبان، مسند احمد وغیرہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اس سے کوئی نرم بچھونا لے لیا کریں تو؟ آپ ﷺ نے خشوع اور دلگیری کے ساتھ فرمایا۔ اے عمر! میرا دنیا سے کیا کام؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی گرم دوپہر میں چلتا ہوا سوار کچھ دیر کے لئے درخت کے سائے میں ستا لے اور پھر اس درخت کو چھوڑ کر چلا جائے۔ (ترمذی: ۲۳۷۷)

نبی کریم ﷺ کے اخلاق

آپ ﷺ کے اخلاق آپس میں ایک دوسرے کے برابر تھے لہٰذا آپ کا زہد آپ کی سخاوت کی طرح تھا۔ آپ کا کرم آپ کے صبر کی طرح تھا۔ آپ کا شکر آپ کے حلم کی طرح تھا، آپ کو عنایت الٰہی نے اس طرح مبعوث فرمایا تھا کہ دائمی اخلاق کے سانچوں میں نور ہدایت کے قلم سے رنگ بھر دیئے جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمیں آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتا رہی ہیں، فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق ''قرآن'' تھا۔ (مسلم: ۷۴۶)

اور مزید بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہ تو فحش گو تھے نہ فحش باتوں کو پسند فرماتے تھے نہ ہی بازاروں میں اونچی آواز سے باتیں کرنے والے انسان تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے لیکن آپ عفو و درگزر کرنے والے تھے۔

(ترمذی: ۲۰۱۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ نبی کریم ﷺ کے خادم تھے اس گفتگو میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔ میں خدمت نبوی ﷺ میں دس سال رہا۔ تو آپ ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اخلاق کے مالک تھے۔ میں آپ ﷺ کے ہمراہ سفر و حضر میں رہا۔ واللہ!

آپ ﷺ نے کبھی مجھے کسی کئے ہوئے کام کے لئے یوں نہ کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ ہوئے کام پر یوں کہا کہ تم نے اسے ایسا کیوں نہیں کیا؟ کبھی آپ نے برا بھلا نہیں کہا، اور نہ ہی مجھے مارا نہ ڈانٹا اور نہ کبھی ماتھے پر تیوری چڑھائی۔ آپ ﷺ جب بھی کسی سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے حتی کہ مصافحہ کرنے والا خود ہی چھوڑ دیتا، اگر کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو منہ نہ پھیرتے تاوقتیکہ آنے والا خود ہی چلا جائے۔ اپنے ساتھ بیٹھنے والے کے سامنے کبھی پاؤں پھیلا کر تشریف فرما نہ ہوتے۔ (عاجزی و انکساری کا یہ عالم تھا) کہ اہل مدینہ کی کوئی باندی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کام سے کہیں لے جاسکتی تھی۔ (مسند احمد ۳/۱۷۴۔ بخاری: ۶۰۷۲)

تواضع کی تعلیم و عمل

آپ ﷺ نے بڑوں کے لئے تواضع کا پہلا مدرسہ قائم فرمایا اور نفس کی بڑائی کے جثّے پر کھڑے ہو کر اسے دباتے۔ آپ ﷺ نے تواضع کے ذریعے دلوں سے جنگ کی اور اپنا مقام بے کس اور کمزور لوگوں کے درمیان بنایا۔

رسالت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ آپ ﷺ کی خدمت میں جبرئیل کے ہمراہ بھیجا، جس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ بندے نبی بن جائیں یا فرشتہ نبی بن جائیں؟ آپ ﷺ نے آسمانی ادب کے ساتھ فرمایا کہ بلکہ میں بندہ نبی بنوں گا۔'' (مسند احمد ۲/۲۳۱، البدایۃ: ۶/۵۰)

. چاشت کے وقت ایک شخص آپ ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھا تو رعب کے مارے اس پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی اور خوف کے مارے پیشانی پسینہ سے تر ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر انتہائی شفقت سے فرمایا کہ خود پر نرمی کرو، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو ایک ایسی قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔ (مجمع الزوائد: ۹/۲۰)

آپ ﷺ اپنے جوتے خود جوڑ لیتے، بکری کا دودھ نکال لیتے، اور گھر کے

کام کاج بھی انجام دیتے، اون کا لباس زیب تن فرماتے، دراز گوش پر سواری فرما لیتے اور اس پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھا بھی لیتے تھے۔

آپ ﷺ کا تواضع یہ بھی تھا کہ آپ بچوں سے کھیل کی باتیں فرما لیتے، ان کے احوال پر نظر رکھتے۔ مدینہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا جسے ابوعمیر کہا جاتا تھا اس نے ایک فاختہ پالی ہوئی تھی جسے عربی میں ''نفیر'' کہتے ہیں۔ آپ ﷺ جب اس کے پاس سے گزرتے تو پوچھتے اے ابوعمیر تمہارے نفیر کا کیا حال ہے۔ (مسند احمد: ۳/۲۱۲)

☆☆☆

شفقت و رحمت کے پیکر

نبی کریم ﷺ کے مزاج اقدس میں حمیت کی آگ بجھ چکی تھی، لذتوں کے لئے بدلہ لینے کے جذبات نہ تھے بلکہ ان کی جگہ حلم اور لوگوں پر شفقت نے جگہ پکڑ لی تھی لہٰذا آپ ﷺ برائی کا بدلہ نیکی سے عطا فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا البتہ اگر اللہ تعالیٰ کے محرمات سے تجاوز کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (بخاری: ۳۵۶۰)

جنگ حنین کے بعد آپ ﷺ نے بعض لوگوں کو کسی الٰہی حکمت کے تحت اونٹ عطا کئے تو ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ یہ بات اڑتے اڑتے آپ ﷺ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ اذیتیں دی گئیں۔ (بخاری: ۴۳۳۶)

ایک یہودی عورت نے جب آپ ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا تو گوشت کے اس ٹکڑے نے کہا کہ میں زہریلا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے جواب دیا، میں نے یہ اس لئے کیا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع کر دے گا اور اگر آپ

(نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو لوگوں کو آپ ﷺ کی موت سے راحت مل جائے گی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس عورت سے اعراض کرلیا اور اسے کچھ نہ کہا۔ (بخاری: ۲۶۱۷)

آپ ﷺ نے اس قوم قریش سے جس نے آپ کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ کے قتل کی سازش کی تھی۔ فرمایا: جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔''

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ قبیلہ دوس والوں نے نافرمانی و بدعہدی کی ہے، آپ ﷺ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر بڑی عاجزی سے دعا کی، ''اے اللہ دوس قبیلے کو ہدایت عطا فرما۔''

آپ ﷺ کی شفقت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ آپ ﷺ کا ایسا دل تھا گویا اس کی رگوں میں شفقت اور رحمت کا خون دوڑتا تھا۔

آپ ﷺ ارشاد فرماتے۔ کبھی نماز شروع کرتے وقت میرا خیال ہوتا ہے کہ میں نماز کو طویل کروں گا مگر کبھی کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی والدہ بے چین نہ ہو (یعنی مجھے معلوم ہے کہ اس کی والدہ بچے کے رونے سے غمگین ہوگی اور ماں نماز میں ہے تو نماز میں دل نہ لگے گا)۔

(اگرچہ) تقویٰ نے آپ کا دل پرسکون بنا دیا تھا مگر ایک رات آپ ﷺ کے دل میں ڈھول کی آواز سے زیادہ تیز دھڑکن شروع ہوگئی۔ جس نے آپ ﷺ کی نیند کو بے چین کر دیا۔ ہم چند لمحات آپ ﷺ کے ہمراہ گزارنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ بستر مبارک پر سونے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کو پہلو کے نیچے کھجور ملی وہ آپ ﷺ نے نوش فرمالی تو اب سو نہ سکے آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوگئی، آپ کی زوجہ محترمہ نے یہ حال دیکھا تو پوچھا یارسول اللہ ﷺ! رات میں آپ بڑے بے چین ہیں؟ فرمایا (اس وقت آپ کے چہرے سے غصے کے آثار جھلک رہے تھے) کہ میں نے اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور دیکھی تو وہ کھالی۔ اور ہمارے پاس آج

صدقہ کی کھجوریں آئی تھیں مجھے ڈر ہے کہ وہ کھجور کہیں ان میں سے نہ ہو۔ (مسند احمد:۲/۱۸۳)

ننھے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ صدقہ کی ایک کھجور لے لی اور اسے منہ میں رکھنا ہی چاہتے تھے۔آپ ﷺ نے نہایت زور دار آواز میں ''کخ کخ'' کہا اور فرمایا یہ صدقہ کی کھجور ہے۔''

☆☆☆

اللہ تعالیٰ پر بھرپور یقین کا منظر

اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات رسول اکرم ﷺ کے دل مبارک کا مرکز اور قبلہ تھی، اور آپ ﷺ کے دل کی محراب صرف اس کے ارادے سے ہی پر امن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ پر توکل اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں کی بھرپور توجہ کی وجہ سے ابواب سفر کی چابی ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے آپ ﷺ ایک درخت کے سائے میں آرام فرما ہوئے تو درخت سے تلوار لٹکا دی اور ہلکا سا نیند کا جھونکا آ گیا، اچانک ایک مشرک آن دھمکا اس نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھا کر سونت لی اور زور دار آواز میں بولا۔اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا، رسول اکرم ﷺ نے نہایت اطمینان اور اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد سے فرمایا، ''اللہ''

(یہ لفظ سن کر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ) اس مشرک کے ہاتھ سے تلوار گر گئی جو آپ ﷺ نے اٹھا لی اور فرمایا، تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ مشرک نے کہا۔ اے محمد ﷺ بہترین قابو پانے والے بن جاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو جانے دیا۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا

آپ ﷺ کی عبادت بہت جلد آنسوؤں میں ڈبو دینے والی عبادت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کوئی غمگین منظر دیکھتی یا آپ کی سماعت مبارکہ تک کوئی دردناک نصیحت (یا واقعہ) پہنچتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے۔

ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حیرت سے کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی نازل ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی اور سے بھی سنوں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کر دی پھر جب وہ اس آیت پر پہنچے۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَابِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ۴۱)

ترجمہ: ''تو جب کیسا ہوگا کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ بنا لائیں گے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اتنا کافی ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے نظر گھمائی تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل کر آپ کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

سخاوت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک بڑا ہی کھلا تھا، اللہ کی راہ میں بہت خرچ فرماتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرماتے مگر لیتے نہ تھے، مال خرچ کرنے میں آپ صحراء کی ہوا سے بھی تیز رفتار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی مانند عطا یا دیتے جسے فقر کا ڈر نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے بڑے سخی تھے اور جب رمضان المبارک میں جبرئیل سے ملاقات ہوتی تو اور زیادہ سخاوت فرماتے۔ جبرئیل ماہ رمضان کی ہر رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات فرماتے اور آپ کو قرآن پڑھاتے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسلا دھار بارش والی ہوا سے

بھی زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ (بخاری:۳۵۵۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ''نہیں'' فرمایا ہو۔ (بخاری:۶۰۳۴)

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کے پاس سات دینار تھے جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیئے اور انہیں حکم دے دیا کہ انہیں صدقہ کر دیں، لیکن وہ آپ کی تیمارداری میں ایسی مصروف ہوئیں کہ انہیں اس کا خیال نہیں رہا۔ جب آپ ﷺ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی اس حالت کی وجہ سے میں توجہ نہ کر سکی تھی۔ تو آپ ﷺ نے وہ دینار منگوائے اور انہیں ہاتھ میں لے کر فرمایا، محمد کو کیا سمجھا جائے گا جب اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ یہ دینار اس کے پاس ہوں۔ (دیکھئے المجمع: ۱۰/۲۴۰)

☆☆☆

سخاوت کی حد درجہ پسندیدگی

پرانے کپڑوں میں ملبوس، ننگے پیر ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے اس کو دے دیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر کچھ مانگا تو اسے منع کرنے سے نبی کریم ﷺ کو حیا مانع ہوئی تو آپ ﷺ نے رضا بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس کو فرمایا کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے البتہ تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کچھ ہوگا تو میں اس کا قرض ادا کر دوں گا۔

یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! آپ اسے دے چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جس پر آپ کو قدرت نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا، آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات پسند نہیں آئی۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ آپ خرچ

کریں اور عرش والے کی طرف سے کمی اور فقر سے نہ ڈریں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ آپ ﷺ کو ان صحابی کی بات پسند آئی۔ (ترمذی:۳۴۸)

☆☆☆

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہیں۔ ایک عورت بڑا خوبصورت کپڑا لے کر آئی اور کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ کپڑا میں آپ کے پہننے کے لئے لائی ہوں۔'' نبی کریم ﷺ نے وہ کپڑا اس سے لے لیا آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ ایک صحابی نے وہ کپڑا دیکھا تو عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ'' یہ کپڑا تو بہت خوبصورت ہے، آپ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ''ہاں'' کہہ دی۔ چنانچہ جب آپ اس مجلس سے اٹھ کر جانے لگے تو وہ کپڑا اس شخص کو دے دیا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کو اس کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ (کنز العمال: ۱۸۶۳۸)

ایک اعرابی نے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ چادر کے کونے بڑے موٹے خوبصورت بنے ہوئے تھے اس کی سختی سے آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے، قریب تھا کہ گردن سے خون نکل آتا۔ پھر اس اعرابی نے زور سے کہا، اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال عطا کیا اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے، کیونکہ آپ ﷺ جس مال سے مجھے دیں گے وہ نہ آپ ﷺ کا ہے نہ آپ ﷺ کے والد کا۔ آپ ﷺ مسکرائے اور اسے وہ عطا فرمایا جو وہ چاہتا تھا۔ (بخاری: ۵۸۰۹)

عبادت خاص طور پر نماز نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، آپ اپنا سکون رات کی محراب میں تلاش فرمایا کرتے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی عبادت سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک ورم سے سوج جاتے اور پھٹ جاتے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرما دیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا اور آپ کے چہرے کو شکر کی چمک نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ''تو کیا

میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔" (بخاری: ١١٣٠)

رحلت (دنیا سے کوچ)

نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے پڑوس (اور رفیق اعلیٰ) کو اختیار فرمایا اور آپ ﷺ کی روح مبارک پیر کے دن ابھی ربیع الاول کی دو راتیں گزری تھیں، سن ١١ھ کو دنیا سے کوچ کر کے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ آپ ﷺ کی تدفین بروز منگل اس جگہ (حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) میں ہوئی جہاں آپ کی رحلت ہوئی تھی۔

اس (مختصر تذکرے) کے بعد میں کسی شاعر کا یہ قول بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ولئن مدحت محمدًا بمقالتی　　　فلقد مدحت مقالتی بمحمدٍ

ترجمہ: "اگر میں نے اپنے مقالہ (اپنی بات) میں محمد ﷺ کی مدح کی ہے تو حقیقت میں میں نے محمد ﷺ کے ذریعے اپنے مقالہ کی مدح کی ہے۔"

☆☆☆☆☆

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام

☆ ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور حکومت کو جمع فرما دیا۔
☆ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے والے خطاب عطا فرمائے۔
☆ ایسے نبی جن کے ساتھ پرندوں اور پہاڑوں نے بھی تسبیح پڑھی۔
☆ دنیا میں سب سے اچھی آواز انہیں عطا کی گئی۔

☆☆☆

وہ شخصیت جنہیں اللہ تعالیٰ نے سرکش جالوت کو شکست دینے کے لئے منتخب

فرمایا اور اس کا قتل آپ کے ہاتھ پر ہونا طے کر دیا۔ بڑے بہادر تھے جو لڑائی چھوڑ کر بھاگنے والے نہ تھے اور تلوار کی جھنکار سے خوفزدہ نہیں ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت اور نبوت عطا کی اور زرہیں بنانے کا فن سکھایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو نرم فرما دیا۔ آپ کو عزت عطا کی اور آپ پر زبور نازل فرمائی، آپ کو ایسی خوبصورت اور سریلی آواز عطا فرمائی جو اس سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئی جو بھی ان کی آواز سنتا وہ جھومنے لگتا، آپ علیہ السلام جب زبور تلاوت فرماتے تو تمام جن وانس اور چرند پرند آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

زہد، نماز اور روزہ میں مشغولیت آپ کا طرہ امتیاز تھا۔

عبادت و زہد

آپ بڑے عابد انتہائی متقی اور خوف خدا سے خشوع رکھنے والے انسان تھے۔ زبان کبھی ذکر الٰہی سے خاموش نہ ہوتی تھی آپ کا دہن مبارک مشک و نور سے پر تھا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں لگا رہتا۔ آپ اپنی قوت عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور وفکر و تدبر فرماتے رہتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی میٹھی اور سریلی آواز سے نوازا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہلکی سی آواز میں آپ کی زبان مبارک پر جاری رہتی۔ آپ مختصر سے وقت میں پوری زبور کی تلاوت فرما لیتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک پر ہدایت کو جاری فرما دیا تھا، جب بھی آپ ذکر الٰہی سے زبان کو حرکت دیتے یوں لگتا جیسے دل کے تاروں پر اتر رہا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پہاڑوں کو مسخر فرما دیا تھا جو صبح و شام آپ کے ساتھ خدا کی تسبیح بیان کرتے۔ پرندے آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور آپ کی قرأت کو دہراتے۔ آپ کی عبادت لوگوں کے لئے (آپ کی حیات میں اور) بعد میں بے مثل نمونہ بن گئی، آپ کی نماز افضل نماز اور آپ کا روزہ افضل ترین روزہ قرار پایا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھی

جانے والی نمازوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز سب سے زیادہ پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رکھے جانے والے روزوں میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے سب سے زیادہ پسند ہیں۔ وہ آدھی رات سوتے تہائی حصہ رات کا نماز میں گزارتے اور رات کے بقیہ چھٹے حصہ میں سوتے، اور ایک دن روزہ رکھتے دوسرے دن بغیر روزے کے رہتے۔ (بخاری: ۱۱۳۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی محنت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نماز اور روزے کی تعریف کے باوجود حضرت داؤد علیہ السلام اپنی محنت و ریاضت کو کم سمجھتے اور تنہائی میں انتہائی عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے شکر (اس کی نعمتوں کے بدلے اس کے کرم کے اظہار) کی ادائیگی میں اپنی کوتاہی کا اعتراف فرماتے ہوئے کہتے۔ ''اے اللہ! اگر میرے ہر بال کی جگہ دو زبانیں ہوتیں جو ساری عمر رات دن تیری تسبیح بیان کرتی رہتیں تو بھی میں تیری نعمتوں میں سے ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔

خوف خدا سے معمور دل کے مالک

حضرت داؤد علیہ السلام کا دل غم اور آتش جہنم اور یوم حساب کے خوف سے اس طرح معمور تھا کہ آپ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور پوری زندگی آپ نے (خوف خدا کے باعث) گویا ڈرتے ہوئے گزاری۔ کبھی آپ کے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے خاموشی سے بہتے رہتے حتیٰ کہ آپ کی بینائی ختم ہونے کے قریب ہوگئی کسی نے اس حالت کو دیکھ کر شکوہ کیا کہ (اس قدر) آنسو کس لئے ہیں؟ فرمانے لگے کہ ''ہڈیوں کے جلنے اور رونے کا دن آنے سے پہلے مجھے رونے دو۔''

آپ گڑگڑاتے ہوئے عاجزی کے مارے گر جایا کرتے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر رب تعالیٰ سے یوں دعا فرماتے، ''اے میرے رب تیرے سورج کی گرمی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ تیرے جہنم کی گرمی کیسے برداشت ہوگی۔ میرے رب تیری رحمت

کی آواز (ابر رحمت کی گرج) مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تو تیرے عذاب کی آواز کس طرح برداشت کروں گا۔"

بے مثل تواضع

آپ کے دل پر عظمت کے باوجود کبر کی جھلک بھی آنہ پائی، نبوت نے بھی آپ کے ورع وتقویٰ میں اور حکومت نے آپ کے تواضع میں صرف اضافہ ہی کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا رزق تناول فرماتے۔ آپ کے شکم مبارک میں اس سلطنت کی دولت کا ایک لقمہ بھی نہیں گیا جو آپ کے سامنے پہاڑوں کی طرح آ گئی تھی آپ زر ہیں اور کھجور کے پتوں سے ٹوکریاں اپنے ہاتھ سے بناتے اور ان کو بیچ کر اپنی کمائی سے کھاتے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی مدح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

> "سب سے زیادہ پاکیزہ رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا جائے۔ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔" (بخاری:٢٠٧٢)

آپ اپنے باورچی خانہ سے لوگوں کو سفید روٹی (گندم کی روٹی) کے ستر ڈھیر کھلاتے اور خود جو کی روٹی تناول فرماتے۔

سانحہء وفات

حضرت داؤد علیہ السلام شدید غیرت رکھنے والے انسان تھے۔ جب باہر جاتے تو دروازے بند کر کے جاتے۔ ایک دن وہ باہر نکلے اور زوجہ محترمہ نے دروازے بند کر دیئے پھر ان کی زوجہ محترمہ نے گھر میں اندر جاتے ہوئے وسط دار میں کھڑے ایک شخص کو دیکھا تو خدام وغیرہ کو آواز دے کر پوچھا کہ دروازے بند ہونے کے باوجود یہ شخص اندر

کیسے آ گیا؟ اتنے میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تشریف لے آئے وہ شخص وہیں بیچ میں کھڑا تھا۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جو بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ ہی دربان اسے روک پاتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا، واللہ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ملک الموت ہے۔ اللہ کے حکم کو خوش آمدید۔ پھر وہ شخص آپ کے پاس کچھ دیر رکا حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی۔ پھر جب آپ کو غسل دے کر تکفین کر دی گئی اور ان کاموں سے فراغت ہو گئی تو سورج طلوع ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک پرندے کو حکم دیا کہ وہ ان پر سایہ کرے تو اس نے اپنے پروں سے سایہ کیا حتیٰ کہ جب زمین نے ان پر سایہ کر دیا (یعنی تدفین ہو گئی) تو انہوں نے پرندے کو حکم دیا کہ وہ اپنے پروں کو سمیٹ لے۔ (مسند احمد: ۲/۴۱۹)

﴿سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام﴾

☆ وہ بچہ جو دنیا میں روتے چیختے نہیں آیا۔
☆ وہ نبی جس نے ماں کی گود میں گفتگو کی۔
☆ وہ پہلے نبی جنہیں آسمانوں میں زندہ اٹھا لیا گیا۔

☆☆☆

ایک نبی جو زمین میں زہد کا بیج بوتے اور دلوں میں تقویٰ کی کاشت کرتے رہے اور خیر پھیلاتے رہے۔

یہ ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول علیہ السلام ہیں اور اس کا وہ کلمہ اور وہ روح ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو القاء فرمایا تھا۔ درمیانہ قد تھا جو نہ لمبا اور نہ ٹھگنا تھا، رنگ ایسا لال جیسے کہ ابھی گرم حمام سے نکل کر آئے ہوں۔

ان کی پیدائش کے وقت شیطان آیا تا کہ ان کے پہلو میں کچھ چبھو دے تا کہ یہ بھی عام انسانی بچے کی طرح چلا کر روئیں مگر وہ چبھوتا رہا مگر پردے میں چبھوتا رہا اور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی کا مسکراتے ہوئے استقبال کیا، آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں نکلا (نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام روئے)

اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب، حکمت اور تورات و انجیل سکھائی۔ معجزات سے تائید عطا کی چنانچہ انہوں نے ماں کی گود میں کلام کیا۔ گیلی مٹی سے پرندے بناتے جو اللہ کے حکم سے آسمانوں میں اڑ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر کوڑھی اور برص کے مریضوں کی شفاء رکھ دی۔ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے۔ خود زندہ آسمانوں میں اٹھا لئے گئے، آخری زمانے میں نازل ہوں گے دجال کو قتل کریں گے، مسلمانوں کی صفوں میں نمازیں پڑھیں گے، عدل و ایمان کا بول بالا کریں گے اور پھر ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی۔

آپ کا دل بڑی پاکیزہ طبیعت پر ڈھلا ہوا تھا، بالکل صاف و شفاف۔ ادب نبوت سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ زبان مبارک سے کسی کو ایذاء دینے کا کوئی حرف بھی نہ نکلتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ ''احسان یہ نہیں کہ تم اس پر احسان کرو جس نے تم پر احسان کیا ہو۔ یہ تو نیکی کا نیکی سے بدلہ ہے۔ بلکہ احسان تو یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ بھلائی کرو جس نے تم سے کچھ برا کیا ہو (زیادتی کی ہو)۔''

ایمان کا ادب

ایک دن آپ نے چور کو چوری کرتے دیکھا تو اسے انبیاء علیہم السلام کے انداز سے دھیمے لہجے میں فرمایا۔ کیا تو نے چوری کی ہے؟ حالانکہ معلوم تھا کہ اس نے چوری کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو آپ نے فطرت انبیاء علیہم السلام سے جواب دیا۔ کہ تو نے اللہ تعالیٰ پر ایمان (یقین) رکھا اور عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔

گفتگو کا ادب

دوپہر کے وقت حواریوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک بکری کا بچہ مرا دیکھا جس کی بدبو لوگوں کو تکلیف دے رہی تھی۔ حواریوں نے کہا، اس کی کتنی بدبو ہے۔ کتنا بدمنظر ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے گفتگو کا ادب سکھانے کے لئے فرمایا کہ اسکے دانت کتنے سفید ہیں۔

زہد عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیچھے دنیاوی سامان کچھ نہ چھوڑا اور اپنی زندگی اس طرح گزاری کہ نہ تو کوئی گھر بنایا اور نہ ہی شادی کی۔ اپنے آپ کو تنہا کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی راہ میں چلنے پھرنے کے لئے (اس کی دعوت دینے کے لئے) وقف کر دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ میں دنیا کو اوندھے منہ گرا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا ہوں میرا کوئی بیٹا نہیں کہ وہ مرے اور نہ گھر ہے جو خراب ہو۔ حواریوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے گھر نہ بنا دیں؟ فرمایا کہ میرے لئے سیلاب کی گزرگاہ میں گھر بنا دو۔ حواریوں نے عرض کیا وہ تو قائم نہ رہے گا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کے لئے زوجہ کا انتظام کر دیں؟ فرمایا کہ ایسی بیوی کا میں کیا کروں گا جو مر جائے؟ ایک مرتبہ پھر آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ علیہ السلام کے لئے گھر نہ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑنا چاہتا کہ جس کے ذریعے مجھے یاد کیا جائے۔

آپ علیہ السلام کبھی ایسے گھر کے پاس سے گزرتے جس کے مالکان مر چکے ہوتے تو آپ وہاں کھڑے ہو کر اس گھر کو خطاب کر کے فرماتے،

"افسوس ہے تیرے ان مالکان پر جو تیرے وارث بنے ہیں۔
انہوں نے اپنے پچھلے بھائیوں کے ساتھ تیرے کئے کو معتبر کیوں
نہ سمجھا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں گھومتے پھرتے نقل مکانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہتے۔ آپ نے دنیا اور اس کی رنگینیوں کو چھوڑا اور رزق حلال کے لئے محنت فرمائی۔

ایک مجمع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حواری آئے اور کھانے کے بارے میں سوال کیا۔ پوچھا ہم کھانا کیا کھائیں؟ آپ نے فرمایا جَو کی روٹی۔ پوچھا کہ ہم کیا پئیں؟ فرمایا خالص (سادہ) پانی۔ پوچھا کہ ہم کس پر سوئیں؟ فرمایا، زمین کو بچھونا بنا لو۔ پھر فرمایا کہ جب کوئی آدمی بھوکا ہو تو اسے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی۔ اور جب پیاسا ہو تو پانی سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہوتی۔ اور جب (کھڑا ہونا) قیام طویل ہو جائے تو زمین پر ٹیک لگانے سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی۔

زہد کی ترغیب

ایک دن آپ نے انہیں پکار کر فرمایا۔ تمہیں لازم ہے کہ جَو کی روٹی ہی کھاؤ اور اسے کٹے نمک کے ساتھ کھاؤ بغیر خواہش (بھوک) کے مت کھاؤ اور بالوں کا بنا لباس پہنو اور دنیا سے صحیح سلامت بچ کر نکل جاؤ۔ سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی حلاوت (مٹھاس) آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے۔

ایک دن ایک شخص نصیحت کی طلب میں آپ کے پاس آیا۔ اور کہا مجھے وصیت کیجئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اپنی روٹی کو دیکھ کہ کہاں سے آ رہی ہے؟

آپ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا تم لوگ دنیا کے لئے محنت کرتے ہو حالانکہ تمہیں دنیا میں بغیر عمل (محنت) کے رزق دیا جاتا ہے اور آخرت کے لئے عمل نہیں کرتے حالانکہ آخرت میں تمہیں بغیر عمل کے رزق نہیں ملے گا۔ اور علماء سوء پر افسوس ہے۔

ایک دن اپنے حواریوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ دنیا کی محبت

ہر برائی کی جڑ ہے۔ اور مال میں بہت زیادہ ''بیماریاں'' ہیں۔ حواریوں نے پوچھا کہ اس کی بیماری کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مال والا شخص فخر اور تکبر سے بچ نہیں پاتا۔ کسی نے عرض کیا ''اگر بچ جائے تو؟ آپ نے فرمایا کہ مال کی درستگی (کی کوشش) ہی اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے گی۔

ایک دن آپ گناہوں لغزشوں اور رحمتوں، نعمتوں کے رک جانے، کے اسباب سے ڈرا رہے تھے۔ اور لوگوں کو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کا حکم دیا اور فرمایا اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جو اپنے گناہ کو یاد کر کے روئے۔

آسمان کی طرف اٹھ جانا

آپ کا پاک جسد عنصری ۳۰م کے قریب آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے آپ پھر نازل ہوں گے تا کہ خنزیر اور دجال کو قتل کریں۔ صلیب کو توڑیں اور اسلام کی دعوت دیں۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(وفات ۱۳ھ بمطابق ۶۳۴ء)

☆ نبی کریم ﷺ کے بعد امت کے لئے سب سے زیادہ رحم دل انسان۔
☆ ایسا شخص جس کے لئے تقدیر نے نداء کی۔
☆ جس کی خلافت فارس و روم کے غلبے کی موت کے پیغام کی اولین سطر تھی۔
☆ جن کی شخصیت ایمان کے مدارس میں سے ایک مدرسہ تھی۔

☆☆☆

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

وہ جب آپ سے ملیں گے تو فرشتوں جیسے دل اور نبی جیسی زبان کے ساتھ ملیں گے، جن کے دل میں دنیا کی خواہش مرجھا چکی تھی۔ یہ ہیں عبداللہ بن عثمان القرشی

یعنی ابوبکر بن ابی قحافہ التیمی۔ جو انبیاء علیہم السلام کے متبعین میں سب سے افضل شخص تھے۔

پہلے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں سے ایک، مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے (ابوبکر) جو کہ عام الفیل کے ڈھائی سال کے بعد پیدا ہوئے ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ آنے والی تاریخ انہیں اہم لوگوں میں شمار کر کے ان کی حکایات بھی کہے گی، ان کا ایمان بھرپور و تروتازہ ایمان تھا۔

ان کے ایمان کی تروتازگی میں کبھی ماندگی نہیں آئی نہ ہی کبھی ٹھوکر کھائی۔ آپ کا دل بڑی شدید رغبت اور حسن طبیعت سے معمور تھا۔ جب ان کی پاک روح نے نبوت کے قافلے کو بصیرت سے محسوس کلمہ حق کی صدا لگا دی چنانچہ ان کی فطرت اور سمجھ دونوں ایمان لے آئیں۔ ان کی عزت و شرف کی بناء پر جاھلیت کی خرابیاں بھی دور بھاگ گئیں چنانچہ شراب نے کبھی آپ کے ہونٹوں تک کو نہیں چھوا نہ ہی کبھی آپ کی کمر بتوں کے سامنے جھکی اور آپ کے دل و دماغ منور ہو چکے تھے۔

جب آپ ایمان لائے تو آپ کی فطرت کی سچائی میں دین کی سچائی کا اضافہ بھی ہو گیا اور ان کے روشن دل کی چمک بڑھ گئی۔ آپ کے چہرے کے حسن و جمال کے باعث آپ کو ''عتیق'' کا لقب دیا گیا آپ نے واقعہ اسراء و معراج میں نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی تو آپ کا لقب ہی ''صدیق'' قرار پایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس اور مال کو اس نئے دین کی خدمت کے لئے پیش کر دیا تھا، ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے اور آپ کے ہی ہمراہ ہجرت کی اور غار میں مقیم ہوئے۔ معرکوں میں آپ کے ساتھ حاضر رہے اور جاں نثاری کی حیرت انگیز مثالیں قائم کیں، اکیلے ہزار شہسواروں پر بھاری تھے۔ مرتدین کے سامنے زخمی شیر (بدلہ لینے والے) کی طرح کھڑے ہو گئے۔ ایسی شجاعت اور ایمان کے حامل تھے جس نے زمانے کا چلن ہی بدل کر رکھ دیا لہٰذا آپ مرتدین پر عذاب بن گئے اور ان کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھا کر دم لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خراج تحسین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگوں میں ابوبکر سے زیادہ مجھ پر مال کے ذریعے احسان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اگر میں دنیا میں اپنا خلیل (دوست) کسی کو بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی دوستی زیادہ افضل ہے۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز لگائی کہ میری طرف سے اس مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔''

(بخاری: ۴۶۷)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی بھلائی پر خرچ کر دی اور اپنی نرم روح کو فضائل پر بکھیر دیا چنانچہ ان کی سماعت تک کوئی ایسی خصلت وفضیلت پہنچتی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہوتی تو یہ اسے ضرور حاصل کر لیتے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھنے لگے کہ آج تم میں سے کس کا روزہ ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج میں روزے سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا، آج تم میں سے کون جنازے کے ساتھ چلا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں چلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر سوال فرمایا، آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی عیادت کی؟ پھر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے جواب دیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں نے کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ صفات جس شخص میں جمع ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (مسلم: ۱۰۲۸)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنی زبان مبارک سے موتی بکھیرتے ہوئے اپنی گفتگو سے ساعتوں کو معطر فرمارہے تھے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص نے دو چیزیں (اپنے مال وغیرہ میں سے) اللہ تعالیٰ کے راستے

میں خرچ کیں اسے جنت کے دروازوں سے آواز دی جائے گی کہ اے اللہ کے بندے ...... یہ بھلائی ہے۔ چنانچہ جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے میں سے اور جو مجاہدین میں سے ہوگا اسے جہاد کے دروازے سے۔ جو شخص روزے داروں سے ہوگا اسے صدقہ کے دروازے سے آواز دی جائے گی۔"

ایسے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اپنی خاموشی سے نکلے اور فرمایا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ۔ کیا ضروری ہے کہ ہر ایک کو ان دروازوں میں سے ہی کسی ایک سے آواز دی جائے؟ کیا کسی کو ان تمام دروازوں سے آواز دی جائے گی؟ آپ ﷺ کے مبارک ہونٹ گویا ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ جی ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی ان ہی لوگوں میں سے ہوگے۔" (بخاری: ۱۸۹۷)

خوش رو متواضع صدیق رضی اللہ عنہ

خوش روئی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اہم عناصر میں سے تھی۔ آپ نے اہل مدینہ کے دلوں کو بڑی نرمی اور اپنے تواضع سے فتح کر لیا تھا۔ اپنی ذات کو خادم کی حیثیت میں پیش کیا اور غرور کے مردہ جسم کو اپنے پاؤں تلے روند کر چھوڑا۔

لوگوں کا خادم صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خود کو لوگوں کا خادم بنا دیا تھا محلے کے لوگوں کو ان کی بکریوں کا دودھ دوہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ جب خلیفہ بن گئے تو ایک لڑکی نے کہا کہ "ہائے اب ہمارے گھروں کی بکریوں کا دودھ دوہا نہیں جائے گا۔ یہ بات حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ آپ اس بچی کے پاس گئے اور فرمایا۔ کیوں نہیں؟ میری عمر کی قسم میں تم لوگوں کو دودھ ضرور دوہ کر دوں گا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے ان کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔

ننھے قائد ننھے کمانڈر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے اشہب گھوڑے

کی پیٹھ پر سوار ہوئے، شیر کی طرح نکلے، دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے معمور تھا۔

تازہ تازہ ایمان (کی حلاوتوں) کے گھونٹ پی کر جوان ہوئے تھے۔ ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عظیم لوگوں کے وقار میں دوڑتے آئے اور ایک ایک مجاہد سے مصافحہ کرنے لگے۔ پھر آپ ننھے کمانڈر کے قریب ہوئے اور ان کے گھوڑے کے قریب ٹہلنے لگے، آپ کے پاؤں ریت میں دھنسے جا رہے تھے اور وہ گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہے تھے جو مٹی اور دھول سے اٹا ہوا تھا۔ خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نیچے اور دوسرے سب گھوڑوں پر سوار تھے برداشت نہ ہو سکا تو یہ ننھا شیر خلیفہ مسلمین کی طرف متوجہ ہوا اور اس ادب کے ساتھ جس کی تربیت اس نے اسلام کے سایہ عاطفت میں پائی تھی۔ کہنے لگا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، خدا کی قسم یا تو آپ سوار ہو جائیے یا میں اتر آؤں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بے نظیر تواضع کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ واللہ تم نہیں اترو گے۔ اور خدا کی قسم میں بھی سوار نہ ہوں گا۔ کیا مجھے اتنا حق نہیں ہے کہ ایک گھڑی کو میرے قدم اللہ تعالیٰ کے راستے میں گرد آلود ہو جائیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انفاق کی تلوار سے غلامی کے ہاتھ پر وار کیا اور اسے کاٹ ڈالا اور آزادی کی مسکراہٹیں خرید خرید کر مومن ہونٹوں پر لا کے رکھ دیں۔ آپ مکہ کے ضعیف غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے اور جب بوڑھی عورتیں اور دوسری خواتین مسلمان ہوتیں تو انہیں خرید کر آزادی دلاتے۔

ایک مرتبہ ان کے والد ابوقحافہ ان کے پاس آئے اور فرمایا۔ میرے بیٹے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے ہو۔ اگر تم مضبوط اور طاقتور قسم کے غلاموں کو آزاد کرواؤ تو وہ تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے، تمہاری حفاظت اور دفاع کریں گے۔" یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں سے زیادہ بلند اخلاص سے

بھرا جواب دیا کہ ”ابا جان میں وہ فائدہ چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔“ اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ (سورة الليل)

”اور وہ شخص جو عطیہ کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے۔“

(یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے)

جتنی رحم دلی اور رقت قلبی ان کو عطا ہوئی تھی وہ انہیں ایسی جگہوں پر بھی مال خرچ کرنے کا شوق دلاتی جہاں عموماً نفس کراہت محسوس کرتا ہے، دوسروں سے آگے بڑھ کر خرچ کرتے، ہمیشہ عطا کرتے، کبھی واپس نہ لیتے۔

خرچ کرنے میں صدیق رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے خطاب فرمایا اور انفاق اور صدقہ کی ترغیب دی۔ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل کھل گیا اور ان کے پاس اس وقت مال بھی تھا۔ خوشی سے جی میں کہنے لگے آج تو میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے نکل جاؤں گا چنانچہ ہوا کی رفتار سے بھی تیز گھر گئے اور واپس آئے تو انکے ہاتھوں میں بڑی گٹھری موجود تھی جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دی۔

نبی کریم ﷺ نے سامان اور دیناروں سے بھری گٹھری کی طرف دیکھا، مسکرائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کچھ بچایا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اتنا ہی سامان ان کے لئے بچایا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسول اکرم ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنمودار ہوئے، مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گٹھری سے بڑی گٹھری اٹھائے ہوئے تھے وہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دی۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ابوبکر گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکرؓ نے دھیمی آواز سے عرض کیا کہ ”گھر

والوں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس عظیم قربانی کو دیکھ کر حیرت سے سر ہلایا اور خود سے سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے، "اے ابوبکرؓ میں تم سے کسی چیز میں بازی نہیں لے جا سکتا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خراج تحسین

حضرت علی رضی اللہ عنہ سخاوت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ہم جب بھی کسی نیکی اور بھلائی کی طرف بڑھتے تو ہم سے پہلے ابوبکر پہنچ جاتے۔ ابوبکرؓ کا مال چالیس ہزار دینار تھا جو انہوں نے سارا کا سارا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا اور نبی کریم ﷺ ان کے مال میں اپنے مال کی طرح حصہ دار تھے۔" (یعنی رسول اکرم ﷺ اپنی ضروریات بھی انہی کے مال سے پوری فرماتے تھے)

خود رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا کہ ابوبکرؓ کے مال نے فائدہ پہنچایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زہد

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی دنیا طلب نہیں کی اور نہ ہی دنیا نے انہیں طلب کیا لیکن دنیا انہیں یاد کرتی تھی مگر یہ نبی کریم ﷺ کی طرح اس سے دور بھاگتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے دل کو زہد کے ریگستان میں بٹھا دیا۔

خوف خدا اور تواضع و زہد کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے گفتگو فرما رہے تھے کچھ دیر بعد آپ نے غلام سے پانی لانے کو کہا وہ تھوڑی دیر میں مٹی کے برتن میں پانی لے آیا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ آپؓ نے پیالہ پکڑا اور پینے لگے ہی تھے کہ آپ نے دیکھا کہ پیالہ پانی ملے شہد سے بھرا ہوا ہے، شہد خالص نہ تھا۔ آپ نے یہ دیکھ کر پیالہ رکھ دیا اور بیٹھے آنسو

بہانے لگے حتی کہ آپ کا سینہ اوپر نیچے ہونے لگا اور اس سے دیگچی کھد کھدنے کی آوازیں آنے لگیں حتی کہ آپ بلک بلک کر رونے لگے۔

یہ دیکھ کر لوگ آپ سے رونے کی وجہ پوچھنے لگے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے اور آپ اپنے کپڑے کے کنارے سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے کہ

میں رسول اکرم ﷺ کے مرض وفات میں آپ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کسی چیز کو خود سے دور کر رہے ہیں جو کہ مجھے نظر نہیں آ رہی تھی اور آپ تھکی تھکی کمزور آواز میں فرما رہے تھے کہ اسے مجھ سے دور کرو، اسے مجھ سے دور کرو۔ میں نے دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہ آیا تو میں نے پوچھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کسی چیز کو دور کر رہے ہیں مگر آپ کے قریب کوئی نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میرے سامنے مثالی صورت میں پیش کی گئی تو میں نے کہا کہ اسے مجھ سے دور کرو۔ تو وہ میرے قریب جھک کر کہنے لگی کہ اگر تم مجھ سے بچ گئے ہو تو تمہارے بعد والے مجھ سے نہیں بچ سکیں گے۔"

یہ کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر ہلایا اور افسوس اور حسرت سے فرمانے لگے کہ اس شہد ملے پانی کو دیکھ کر مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ دنیا میرے ساتھ تو نہیں لگ گئی۔ پس اس بات نے مجھے رلا دیا۔

انبیاء علیہم السلام کے رنگ میں رنگی زندگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی انبیاء کرام علیہم السلام کے منہج میں رنگ دی تھی۔ خود ایمان اور تقوے کا ستون تھے، شبہ والی ہر چیز ترک کر دی اور اسے بالکل صاف کر دیا، اور اس سے بالکل کنارہ کش ہو گئے اور منہ پھیر لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو باہر جا کر محنت مزدوری کرتا اور کھانا وغیرہ لے کر آتا تھا، وہ جب بھی کھانا لاتا آپ کھانے سے پہلے اس سے پوچھا کرتے کہ کہاں سے لائے؟ ایک دن وہ کھانا لایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ

کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا۔ شاید بھوک کی شدت نے پوچھ گچھ کرنا بھلا دیا تھا۔ چنانچہ اس غلام نے (یہی یاد دلایا اور) کہا کہ آپ ہمیشہ مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ کھانا کہاں سے لائے؟ مگر آج آپ نے نہیں پوچھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا مجھے بھوک لگی تھی۔ ہاں یہ بتاؤ کہ یہ کھانا کہاں سے لائے؟

اس نے بتایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کو کہانت (علم نجوم) کی باتیں بتائی تھیں، مجھے اچھی طرح یہ فن نہیں آتا تھا مگر میں نے اس سے دھوکا کیا تھا۔ آج وہ شخص مجھ سے ملا اور یہ کھانا مجھے دیا اور کہا کہ تم نے جو پیشنگوئیاں کی تھیں وہ درست ہو گئیں۔ تم نے سچ کہا تھا۔" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور فرمایا کہ تم نے تو مجھے ہلاک ہی کر دیا تھا۔ پھر اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور زبردستی قے کر دی جس سے سب کھایا پیا نکل گیا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے اتنی تکلیف صرف ایک لقمے کے لئے ہی برداشت کی؟ آپ کے چہرے سے اس وقت خوشی کی چمک پھوٹ رہی تھی، فرمانے لگے کہ اگر یہ لقمہ میری روح کے ساتھ بھی نکلتا تو میں اسے ضرور نکالتا۔

خود احتسابی کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

اچھی خود احتسابی اور خود پر سزا جاری کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مثال قائم کر دی اور اس مدرسے کے استاد کا نمونہ بن کر سامنے آئے کہ "اپنے نفس سے ابتداء کرو۔"

ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے دیکھا کہ دیوار کے نیچے بیٹھے ہیں اور اپنی زبان کا کنارہ پکڑے ہوئے گویا اس کو سزا دے رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس فعل پر بڑا تعجب ہوا، فرمانے لگے: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اپنی زبان کو سزا کیوں دے رہے ہیں؟ استغفار میں ڈوبے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، مجھے کئی

بربادیوں و ہلاکت کی جگہوں پر اسی نے ڈالا ہے۔

آپ نے پوری زندگی اپنے حبیب اور معلم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر گزار دی۔ جنہوں نے نفس کی بڑائی کو باغ و بہار کرنے اور حق جہاں بھی ہو اس کا ساتھ دینے کی اولین تلقین فرمائی تھی۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں اونٹوں کے صدقات تقسیم کرنے کا آپ نے اعلان فرمایا، جب لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص بغیر اجازت اندر داخل نہ ہو۔ مگر ایک شخص جس کے ہاتھ میں اونٹ کی گردن میں لپیٹے جانے والی رسی تھی اندر داخل ہوگیا۔ اندر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما صدقات کا حساب اور حصے تیار کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو اس کے ہاتھ سے رسی لے کر اسے ماری اور تیز آواز سے فرمایا کہ تم اندر کیوں داخل ہوئے؟ وہ شخص تو سہم کر باہر نکل گیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہایت افسوس ہوا وہ اس شخص کے پاس گئے اور فرمایا۔ بھائی مجھ سے بدلہ لے لو۔ حضرت عمر بولے واللہ بدلہ نہیں لیا جائے گا۔" مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر خوف خدا کے باعث کپکپی طاری ہوگئی، فرمانے لگے۔ قیامت کے دن مجھے اللہ تعالیٰ سے کون بچائے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس کو راضی کرلو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک سواری ایک چادر اور پانچ دینار دے کر راضی کرلیا وہ شخص خوشی بختی اور رضامندی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوا۔

خوف خدا اور عاجزی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا شدید خوف اور فکر دامن گیر رہتی تھی۔ دل میں بڑا خوف خدا چھپا تھا اور رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک دن کھلی فضا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے، نگاہوں کو آسمان میں دوڑا رہے تھے، اچانک ایک پرندے کو ایک درخت پر دیکھا جو بڑی پیاری اور میٹھی آواز میں چہچہا رہا تھا۔ آپ نے بڑی درد بھری آواز سے فرمایا:

''مبارک ہو تجھے اے طائر، میری تو خواہش ہے کہ میں تجھ جیسا
ہو جاؤں تو درخت پر بیٹھتا ہے، پھل کھاتا ہے اور اڑ جاتا ہے اور
تیرا نہ کوئی حساب ہوگا نہ تجھ پر عذاب ہے۔''

ایک مرتبہ دن ڈھلے حضرت عمر بن خطابؓ، خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں آئے اور فرمایا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان! یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے حیا اور تواضع سے سر جھکا لیا، فرمایا۔ تم تو یہ کہہ رہے ہو۔ حالانکہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''سورج عمر سے بہتر کسی انسان پر طلوع نہیں ہوتا۔'' (ترمذی: ۳۶۱۷)

یہی پہلی عمارت تھی جسے دنیا کو گرانے کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ دنیا کے سمندر میں تیرتے رہے مگر ان کے کپڑے بھی گیلے نہ ہوئے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی چمک دمک کو جھاڑ دیا تھا۔

مرض وفات کے نصیحت آموز واقعات

زمانے کے جلو میں دن گزرتے رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خشیت اور خوف سے کٹے پٹے بدن کے ساتھ بستر مرض سے جا لگے اور افسوس کے ھالے میں حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رکی ہوئی سانس جیسی آواز میں فرمایا، ''اے میری بچی۔ میں قریش کا سب سے بڑا تاجر اور مالدار شخص تھا لیکن جب مجھے امارت کی مصروفیات نے مشغول کر دیا تو میں نے یہ مناسب جانا کہ میں صرف اتنا مال حاصل کروں جو میری مصروفیات کے لئے کافی ہو تو اس مال میں سے (جو امارت کے عہدے کے ضمن میں لیا گیا تھا) صرف یہ عباء، برتن اور یہ غلام باقی ہے۔ لہٰذا جب میں انتقال کر جاؤں تو یہ تینوں چیزیں فوراً عمر بن خطاب (نامزد خلیفہ) کے پاس لے جانا۔

چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ عباء، وہ پیالہ، اور غلام کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے، فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے انہوں نے اپنے بعد آنے والے کو تھکا دیا ہے وہ یہ پسند کرتے تھے کہ کہنے والے کے لئے کوئی بات نہ چھوڑیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اس دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ درہم۔ انہوں نے اپنا مال لیا اور اسے بیت المال میں ڈال دیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریع الدموع اور بڑے نرم دل انسان تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر انتہائی رقیق القلب انسان تھے جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو رونے لگ جاتے اور رونے کے غلبے کے باعث ان کی قرأت سنی نہیں جا سکتی تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنہائی میں عبادت کیسی ہوتی تھی؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یادوں میں کھو سی گئیں پھر جواب دیا کہ جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ کھڑے ہو کر وضو کر کے نماز پڑھنے لگتے پھر نماز میں تلاوت کرتے اور روتے رہتے۔ سجدہ کرتے تو روتے دعا کرتے تو روتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

شرم و حیاء کے پیکر

حیا نے ان کا دل ساکن کر دیا تھا ان کے کان گویا بڑے شہتیر تھے مگر وہ اس وقت چھوٹے ہو جاتے جب تعریف کا گھیرا ان کو ڈھانپتا یا ان کے کانوں تک کوئی تعریفی کلمہ پہنچتا۔ ایسے وقت لگتا کہ ان کا دل حیاء کے مارے نفس کے کنوئیں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔

ان کے بکھرے انفاس سے ایک دعا سمیٹ لیجئے۔

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ خَيْرًا مِّمَّا يَظُنُّوْنَ وَاغْفِرْلِيْ بِمَا لاَ

﴿يَعْلَمُوْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾

ترجمہ: "اے اللہ مجھے ان کے گمان سے بھی اچھا بنا دیجئے، اور جو انہیں نہیں معلوم وہ گناہ (بھی) معاف کر دیجئے اور جو یہ (میرے بارے میں) کہتے ہیں اس پر مجھ سے مؤاخذہ مت کیجئے گا۔"

طبیب نے کہا

حضرت ابوبکر تیز مرض کے شکار جسم کے ساتھ بستر مرگ پر جا پہنچے۔ بستر پر پڑے بھاری محسوس ہوتی ہوئی گردن کے ساتھ آخرت کے خوف سے کپکپاتے ہوئے رات گزاری۔ لوگ جوق در جوق آنا شروع ہوئے۔ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ۔ اے ابوبکر کیا ہم تمہارے لئے طبیب کو بلا دیں؟ ارد گرد کھڑے لوگ پوچھنے لگے۔

کمزور سی مسکراہٹ اور دھیمی آواز کے ساتھ ہونٹ کھلے فرمایا۔ طبیب تو میرے پاس آچکا۔ پوچھا کہ طبیب نے کیا کہا؟ فرمایا، طبیب نے کہا "**انی فعال لما اریــــد**" کہ میں جو چاہتا ہوں کر گزرتا ہوں (رب ذوالجلال کی صفت فعال لما یرید کی طرف اشارہ فرمایا) آپ نے دھنسی ہوئی آنکھیں بند کرتے ہوئے جواب دیا۔ تو قوم نے تاسف سے سر ہلایا اور گہری خاموشی میں کھو گئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اندر داخل ہوئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موت سے لڑ رہے تھے، آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا

لعمرک ما یغنی الثراء عن الفتیٰ اذا حشرجت یوما و ضاق بها الصدور

ترجمہ: "تیری عمر کی قسم دولت بھی اس جوان کو بچا نہیں سکتی جس دن سانس غرغرا جائے اور دل تنگ ہو جائیں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے فرمایا۔ میری بچی اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہو، اور سکرات موت واقعی آ گئی۔ (سورہ ق:۱۹) پھر بڑی مشکل سے آہستہ آواز سے فرمایا کہ

دیکھو میرے یہ دو کپڑے ہیں انہی کو دھو کر مجھے کفن دے دینا۔ کیونکہ نئے

کپڑوں کی زندہ لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے۔

بستر مرگ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دم آخر تھا کہ حضرت سلمان اندر داخل ہوئے اور فرمایا، ''اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ! مجھے وصیت کیجئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا (کی دولت) کے منہ کھول دے گا لیکن تم اس میں سے اپنے گزارے کے بقدر مال کے علاوہ کچھ مت لینا۔''

سانحہ ارتحال

اس کے بعد ان کی روح شوق کے پروں پر سوار ہوگئی جنہیں فرشتے اڑائے لیجا رہے تھے، پورا مدینہ آہ و بکا سے گونج اٹھا، بالکل ایسا منظر تھا جیسا منظر رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ مدت خلافت دو سال تین مہینے آٹھ دن رہی۔ آپ کا جسد طاہر نبی کریم ﷺ کے برابر میں دفن کر دیا گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ جن کا کوڑا بادشاہوں کی تلوار سے زیادہ خوفناک تھا۔
☆ انسانیت نے جن کو معزز بنایا اسلام نے مؤدب بنایا۔
☆ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے زیادہ عادل انسان۔
☆ جب لوگ بھوکے ہوتے تو یہ سب سے پہلے بھوکے ہوتے اور
☆ جب لوگ پیٹ بھرتے تو سب سے آخر میں پیٹ بھرتے۔

☆☆☆

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

تاریخ نے ان کے پاس طویل قیام کیا۔ اور وہ اپنے زمانے کو عدل اور اپنے

زہد ہی سے سیراب کرتے رہے۔ دنیا کو زمانہء وحی میں لا کھڑا کیا۔ یہ تھے حضرت ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو کہ امیر المؤمنین اور دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ عام الفیل کے تیرہ سال کے بعد پیدا ہوئے اور ان کا دل ایمان کے نخلستان میں ہجرت سے پانچ سال پہلے اڑ آیا۔

ان کا اسلام لانا فتح، ان کی ہجرت مدد اور ان کی حکومت رحمت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایمان کی آبیاری اپنے جگر کے ٹکڑوں سے کی۔ آیات کو تیز دھار نفس کے ساتھ قبول کیا۔ آپ کا اسلام لانا وہ طاقتور چنگھاڑ تھی جس نے شرک کے ستونوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسلام کمزور تھا ان کے ایمان لانے سے طاقتور ہو گیا۔ قوت کے ساتھ مدینہ ہجرت کی اور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ بے شمار معرکوں میں حصہ لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی ذمہ داری آپ پر آپڑی تو آپ نے عدل و انصاف کے چراغ روشن کر دیئے، مظلوموں کی خوب داد رسی کی، ان کی موجودگی میں جرم میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ اپنا چہرہ کھولے۔ بشری طاقت سے بڑھ کر انہوں نے کام کیا ان کی زندگی اجتماعی اور لوگوں سے باہم رابطہ میں گزری۔

ان کا زہد زندگی کے مشاغل سے فرار نہ تھا بلکہ ایسا زہد تھا جس کو اعضا میں سرایت کئے ہوئے ایمان نے منور کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی پر (تن آسانی اور) آسائشوں کو عملاً حرام کر لیا تھا کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کر سکیں گے۔

مراد نبی و دعائے نبی ﷺ

ان کا اسلام لانا رسول اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ''عمر نامی ان دو شخصوں میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو عزت و طاقت عطا فرما۔'' (ترمذی: ۵/۶۱۷)

گویا نبی کریم ﷺ نے دعا کی، اللہ جل شانہ نے انتخاب فرمایا۔ اور پھر

رسول اکرم ﷺ نے ان کی مدح میں فرمایا، ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔'' (ترمذی: ۳۶۸۷)

دنیا آپ کے تقوے سے روندے جانے پر چیخ پڑی ہر وہ چیز جس میں تقوی کا عنصر شامل ہو وہ باوجودیکہ اہل سعادت سے نہ ہو مگر سعادت کی طرف دوڑ آتی ہے۔

تقویٰ کی حالت

ایک مرتبہ کسی نے آپ کو دودھ پیش کیا، آپ نے پیا تو وہ دودھ آپ کو کچھ عجیب محسوس ہوا) تو فوراً پلانے والے کو بلوایا، پوچھا کہ تم نے دودھ کہاں سے لیا؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے چشمے پر گیا وہ کچھ لوگ صدقات کی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے، انہوں نے ہمیں یہ دودھ نکال کر پلایا تو میں نے اپنے برتن میں لے لیا تھا۔ یہ الفاظ کیا تھے گویا آگ تھے جس نے ان کے اندر آگ لگا دی، آپ بے چین ہو گئے چنانچہ آپ نے فوراً انگلیاں حلق میں ڈال کر قے فرمائی۔

ایک عامل نے آپ کے پاس تحفے میں حلوہ بھیجا۔ آپ نے لانے والے سے پوچھا کہ وہاں سب لوگ یہی کھاتے ہیں؟ اس نے سر ہلا کر کہا جی نہیں۔ یہ مخلص دوست کا کھانا۔'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زوردار آواز میں تقریباً چیختے ہوئے فرمایا۔ تمہارا اونٹ کہاں ہے؟ اپنا یہ تحفہ لے جاؤ اور اپنے عامل کو واپس کر دو اور اسے کہہ دینا کہ، تمہیں عمر نے حکم دیا ہے کہ کسی بھی کھانے سے اس وقت تک پیٹ نہ بھرے جب تک تم سے پہلے دوسرے سب مسلمان اس سے پیٹ نہ بھر لیں۔

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مستقل رہتے اور ان سے ورع (پرہیز گاری) سیکھتے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، اطباء نے تجویز کیا کہ خالص شہد پلایا جائے۔ اور بیت المال میں ایک چھوٹا سا برتن شہد سے بھرا موجود تھا۔ چنانچہ آپ لاٹھی کے سہارے سے مسجد آئے اور منبر پر چڑھ کر لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم

اجازت دو تو میں اس برتن سے شہد لے لوں ورنہ وہ مجھ پر حرام ہے۔ چنانچہ لوگوں بطیب خاطر اجازت دے دی۔

ایک مرتبہ اپنی زوجہ محترمہ کے پاس آئے اس وقت وہ مشک (خوشبو) کی تقسیم سے فارغ ہوئی تھیں چنانچہ آپ نے دیکھا کہ ان کا دوپٹہ مشک کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ آپ نے دوپٹہ لیا اور اسے پانی سے خوب دھویا حتیٰ کہ اس سے ساری خوشبو نکل گئی (خوشبو دھونے کا مقصد یہ تھا کہ کہیں ان کے حصے میں عام عورتوں کو ملنے والی مشک سے زیادہ مشک نہ آجائے)۔

زہد کی حالت

آپ اکثر بھوکے سو جاتے تھے چنانچہ آپؓ کے قویٰ (اعصاب) کمزور ہو گئے۔ ضعف اس قدر تھا کہ شاید ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ نرم کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا جس نے بدن کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایک دن دوپہر کے وقت حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ان کے ہاں گئیں اور ان سے ان کی حالت کے بارے میں اور اس جان لیوا زہد کے بارے میں گفتگو کی۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

اے امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ اپنی راہ کو جنت اور مولیٰ کی رضا سدھار گئے۔ انہوں نے نہ دنیا چاہی اور نہ دنیا نے ان کا ارادہ کیا۔ انہی کے نقش قدم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی چل (کر آخرت کو سدھار) گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے خزانے فتح کروائے ہیں، مال آپ کے پاس لایا جاتا ہے۔ عجم کے قاصدین اور عرب کے وفود آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اور آپ کے اس جبہ پر بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں، اگر آپ کوئی نرم کپڑا پہن لیں تو آپ خوش منظر نظر آئیں، اور صبح و شام آپ کو کھانے کی پلیٹ دی جائے۔"

ان کی بات سن کر حضرت عمر بہت شدید روئے اور آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے پوچھنے لگے کہ، "میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتی ہو کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر جَو کی روٹی سے بھی مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو؟ یا کبھی صبح و شام انہیں کسی ایک دن کھانا ملا ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ نہیں (ایسا کبھی نہیں ہوا) تو کیا تم دونوں مجھے دنیا میں رغبت دلانے آئی ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونی جبہ زیب تن فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی جلد کو اس کی سختی اور چبھن کی بناء پر کھجلایا بھی کرتے تھے۔ کیا تم دونوں یہ بات جانتی ہو؟ انہوں نے کہا، ہائے اللہ، ہاں...... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے حفصہؓ! تم کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخشے بخشائے تھے اس کے باوجود بھوکے رہتے اور سجدے میں روتے ہوئے سویا کرتے اور ان کا یہ معمول اللہ تعالیٰ کے پاس جانے تک تھا؟۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ عمر عمدہ کھانے ہرگز نہیں کھائے گا نہ ہی نرم کپڑے پہنے گا۔ دو کھانے ایک دسترخوان پر جمع نہیں کرے گا سوائے نمک اور زیتون کے، اور اپنے دونوں دوستوں کی اتباع میں مہینے میں ایک بار سے زیادہ گوشت نہیں کھائے گا۔"

اور پھر ایسا ہی انہوں نے کیا حتیٰ کہ اللہ عزوجل کے پاس چلے گئے۔

زیتون اور سرکہ آپ کے دہن مبارک کے قریبی دوست تھے آپ انہی پر کاربند رہے حتیٰ کہ آپ کے بدن کو شدید نقصان بھی ہوا۔

ایک مرتبہ آپ کی زوجہ محترمہ نے ساٹھ درہم کا گھی خریدا، آپ نے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے گھی خریدا ہے اور یہ آپ کے نفقے سے نہیں بلکہ اپنے مال سے خریدا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں اسے چکھوں گا بھی ہرگز نہیں جب تک کہ لوگ سیر ہو کر کھانے نہ لگ جائیں۔

☆☆☆

دنیا سے بے زاری اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ

وہ گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا، یہ گوشت کیسا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل چاہ رہا تھا۔ تو آپ نے بڑی ناگواری سے فرمایا کہ کیا جس چیز کا دل چاہے گا وہ کھاؤ گے؟ بندے کے اسراف کرنے کو اتنا کافی ہے کہ وہ اپنی پسند کی ہر چیز کھائے (یعنی جس چیز کا دل چاہے وہ کھائے)۔

ایک مرتبہ آپ نے پانی مانگا تو ان کے پاس شہد ملا پانی لایا گیا، چنانچہ فرمانے لگے کہ یہ اچھی چیز ہے لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا ہے کہ قوم کی پسند اور خواہشات کو اللہ تعالیٰ نے عیب کے طور پر بیان کیا ہے۔ فرمایا:

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (الاحقاف: ۲۰)

''تم اپنی اچھی چیزیں اپنی دنیا کی زندگی میں خرچ کر چکے اور اس سے تم نے فائدہ اٹھایا۔''

پھر کہنے لگے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہماری نیکیاں (ان کا بدلہ) ہمیں جلد نہ دے دی جائیں۔ چنانچہ آپ نے وہ پانی نہیں پیا۔

آپ نے زندگی دل کی بے چینی ضمیر کی کپکپاہٹ کے ساتھ گزاری۔ دل خوف خدا سے نچڑ چکا تھا، سینے میں سے ہانڈی کے کھدکھدانے جیسی آواز سنائی دیتی جو خوف واقتدار کے باعث تھی۔ ان کے دل میں خوف خدا سے دھڑکن ڈھول کی آواز سے زیادہ سنائی دیتی۔

مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ام سلمہ نے انہیں ''انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ

''میرے بعض ساتھی میری وفات کے بعد کبھی بھی مجھے نہ دیکھ سکیں گے۔''

یہ سن کر تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر تھرتھری سی طاری ہو گئی۔ الفاظ ان کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے بڑے ہی تھکے قدموں سے اٹھے اور ذہن میں ہوائیاں سی اڑ

رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا پہنچے اور عرض کیا، ''سنو تمہاری اماں محترمہ کیا فرما رہی ہیں؟ اور پھر ان کی بات سنائی تو عمر تو جیسے ڈر گئے اور قدموں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ فوراً تیزی سے اٹھے اور حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں جا پہنچے۔ اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، رعشہ رعشہ کانپ رہا تھا، کانپتی سی آواز میں عرض کیا

اماں جان، ''آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتایئے کہیں ان لوگوں میں سے میں تو نہیں؟۔''

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا۔ نہیں (تم ان میں سے نہیں) لیکن تمہارے بعد میں کسی کو (اس میں شامل ہونا نہ ہونا) ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۹۸)

خشیت الٰہی کی انتہاء

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا آواز دے کہ ''اے لوگو تم سب لوگ جنت میں داخل ہو گے مگر صرف ایک شخص داخل نہ ہوگا'' تو مجھے یہی خوف ہوگا کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں۔''

ایک مرتبہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر مدینے کی گلیوں میں لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے لئے گھوم رہے تھے کہ ایک گھر کے پاس سے گزرے جہاں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، آپ کے کانوں سے اس کی قرأت کی آواز ٹکرائی جو کہ سورہ طور کی ابتدائی آیات پڑھ رہا تھا۔ وہ جب یہاں پہنچا، ''بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے اور اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، قسم ہے رب کعبہ کی قسم بالکل سچ ہے۔'' پھر آپ گدھے سے اترے اور اس کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر کھڑے رہے اور پھر گھر لوٹ آئے اور ایک مہینے تک بیمار پڑ گئے، لوگ عیادت کو آتے رہے مگر کسی کو ان کی بیماری کی تشخیص نہ ہو سکی۔

تواضع و انکساری کی حالت

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تنکا اٹھایا، خوف خدا سے اسے تکتے

رہے۔ پھر فرمانے لگے کاش میں اس تنکے کی طرح ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا، کاش میں بھولا بسرا ہو کر مٹ جاتا۔

جب انہیں خنجر لگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے اور عرض کیا۔ اے امیر المومنین مبارک ہو، خوشخبری ہو۔" آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کئی شہروں کو فتح کروایا، آپ کے ذریعے نفاق کو دور فرمایا اور آپ کے ذریعے رزق کو عام کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بکھری سانوں کو سمیٹتے ہوئے تھکے لہجے میں بمشکل فرمایا۔ اے ابن عباس میری امارت کی وجہ سے میری تعریف کر رہے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اس کے خیال کے بغیر بھی کر رہا ہوں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا (باوجود اس کے کہ آپ نے زمین کو عدل سے بھر دیا تھا) "قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری یہ خواہش ہے کہ میں اس امارت سے اسی طرح نکل آؤں جس طرح داخل ہوا تھا کہ نہ میرے لئے اجر ہو نہ ہی کوئی جرمانہ اور بوجھ ہو۔

قناعت کا بھرپور مظاہرہ

آپ ایک ہی کپڑے میں دنیا کو شکست دیتے رہے جس میں دس پیوند لگے ہوئے تھے زہد آپ کے دل کا قبلہ تھا۔

مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی، لوگ خاموشی سے سوالیہ نظروں کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ امیر المومنین کو دیر کیوں ہو گئی؟ اور وہ ہیں کہاں؟ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے معذرت کرنے لگے کہ میرے اس کپڑے کے دھلنے نے مجھے آنے میں دیر کروا دی، یہ دھل رہا تھا اور میرے پاس دوسرا کپڑا نہیں ہے۔"

آپ نے اپنے اس پیوند لگے معمولی سے کپڑے سے حلہ بنایا اپنے عمامے سے تاج بنایا اور اس بھری دنیا کے سامان پر چلتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی شرم وحیاء نے انہیں ہر آسائش و ناز ونعم سے دور رکھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفہ ہونے کے باوجود پیوند لگا اونی جبہ پہنتے تھے، جن میں سے بعض پر پیوند چمڑے کے تھے۔ بازاروں میں گشت کرتے تو کاندھے پر کوڑا رکھا ہوتا جس سے رعایا کو (ادب سکھاتے اور) سرزنش فرماتے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ وہ خلیفہ تھے اور ان کے ازار (تہبند) میں بارہ پیوند لگے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ان دنوں وہ امیر المؤمنین تھے ان کے دونوں کندھوں کے درمیان تین پیوند لگے تھے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔

بے مثال عدل و مساوات

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بے شمار کپڑے آئے، آپ نے انہیں لوگوں میں تقسیم فرما دیا ہر شخص کو ایک کپڑا ملا۔ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینے لگے آپ نے جو لباس پہنا ہوا تھا اس میں دو کپڑے تھے۔

آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا، لوگو! سنو اور اطاعت کرو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نہ سنیں گے نہ اطاعت کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں؟ اے ابوعبداللہ؟

انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں کپڑوں کی تقسیم میں ایک ایک کپڑا دیا اور خود آپ نے دو کپڑے لے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ جلدی مت کرو۔ پھر زور سے پکارا اے عبداللہ بن عمر! تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ میں نے دوسرا کپڑا جو پہنا ہے کیا یہ تمہارا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ''ہاں اللہ جی ہاں۔'' یہ سن کر حضرت سلمان فارسی نے فرمایا۔ اب ہم آپ کی بات سنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے۔''

خوف خدا کی حالت

آپ کے اندر دنیاوی آسائشوں (کے وبال) کا ایسا خوف طاری تھا جو دلوں کو پیس دیتا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے، وہ اس چڑیا کی طرح پھڑ کتے جو پھندے میں پھنس گئی ہو اور جب بھی انہیں کوئی خوشی نظر آتی اس سے اعراض کر لیتے، ایک مرتبہ آپ کے پاس قادسیہ کی غنیمت آئی، آپ اس کو دیکھتے اس پر ہاتھ رکھتے جاتے اور روتے جاتے اور سینہ مبارک سے دیگچی کھد کھدانے کی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرمانے لگے۔ اے امیر المؤمنین یہ وقت تو خوشی اور مسرت کا وقت ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔ ہاں بالکل۔ لیکن اس قوم کو جب بھی یہ (مال) ملے گا ان میں عداوت اور دشمنی پیدا کرے گا۔

خشیت الٰہی سے رونا

رونا آپ کے دل کی غذا تھی اور آنسو وہ پانی تھا جس سے آپ کا دل دھلتا تھا، اگر آنکھوں سے آنسو تھم جاتے تو اپنے ضمیر میں ایک درد سا محسوس فرماتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہنم کے خوف اور جنت کے شوق سے رویا کرتے تھے۔ آنسوؤں کے بہت زیادہ بہنے کی وجہ سے رخساروں پر دو کالی لکیریں بن گئی تھیں۔ ایک دن آپ نے فجر کی نماز میں سورۂ یوسف تلاوت کی تو آپ کو رونا آ گیا اور اس میں آپ ایسے جکڑے کہ آپ کے رونے اور ہچکیوں کی آواز آخری صف تک پہنچ رہی تھی اور آپ بار بار یہ آیت دہرا رہے تھے، ”میں اپنے رنج وغم کا شکوہ اللہ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔“ (سورہ یوسف: ۸۶)

کبھی کسی پڑھنے والے کے پاس سے گزرتے جو رات میں کوئی ایسی آیت پڑھ رہا ہوتا (یا وہ خود پڑھتے) تو خوب روتے حتیٰ کہ گر جاتے اور بیمار ہو کر گھر میں مقیم ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے اندھیرے میں نماز میں مشغول ہو جاتے اور جب تک چاہتے نماز پڑھتے رہتے اور رات کا جب آخری پہر ہوتا تو گھر والوں کو نماز تہجد کے لئے اٹھاتے۔ فرماتے نماز نماز۔ اور پھر تلاوت فرماتے،

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ (سورہ طٰہٰ: ۱۳۲)
''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو۔''

انفاق فی سبیل اللہ

آپ کے اموال، انفاق کے جلو میں سفر کرتے اور انکا ٹھکانہ غریبوں کی جھولیاں ہوتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین ملی تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے عرض کیا کہ مجھے خیبر میں زمین ملی ہے اور اس سے پہلے مجھے اس سے زیادہ نفیس مال نہیں ملا۔ میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو اسے رکھ لو ورنہ اسے غریبوں کے لئے صدقہ کر دو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین غریبوں کے لئے صدقہ کر دی۔

خود پسندی سے نفرت

آپ کے ایمان نے ہر قسم کے تکبر اور خود پسندی کو خود سے دور پھینک دیا تھا اور اپنے دل کی فصیل کی گردن کو نظر میں رکھتے اور جب بھی اس قسم کی چیزوں کی جھلک نظر آتی اسے توڑ دیتے۔

ایک مرتبہ آہستگی سے منبر پر غم سے نڈھال جسم کے ساتھ چڑھے اپنا گلا صاف کیا اور لوگوں کو پکارا۔ چنانچہ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا،

اے لوگو! میں نے خود کو اس حال میں دیکھا کہ میں بنی مخزوم سے تعلق رکھنے والے اپنے ماموؤں کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور اس کی اجرت ایک مٹھی بھر کھجوریں ہوا کرتی تھیں۔'' یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے اور دہشت سرگوشیاں بلند ہونے لگیں۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف قریب آئے اور خاموشی کو توڑتے ہوئے فرمانے لگے۔ اے امیر المومنین یہ ارشاد فرمانے سے آپ کا کیا مقصد تھا؟ آپ نے اپنے کپکپاتے ہونٹوں کو جنبش دی اور آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ فرمایا۔ میں اپنے نفس کے ساتھ تنہائی میں تھا تو اس نے کہا تو امیر المومنین ہے اور تیرے اور اللہ کے درمیان کوئی اور نہیں ہے،

لہٰذا تجھ سے افضل کون ہو سکتا ہے۔'' لہٰذا میں نے یہ چاہا کہ اپنے نفس کو اس کی اصل حیثیت کی پہچان کرا دوں۔

ایک دن منبر پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرا کوئی عیب جانتا ہے وہ بیان کردے۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ''آپ میں دو عیب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ روشن اور رخسار منور ہو گئے، مسکرا کر فرمایا، بتاؤ وہ کیا ہیں؟ اللہ تم پر رحم کرے۔ اس نے کہا کہ آپ کے پاس دو قمیصیں ہیں، ایک پہنتے ہو دوسری اتار کے رکھتے ہو اور کھانے کی دو قسمیں آپ کے دستر خوان پر ہوتی ہیں اور اتنی عام لوگوں کو میسر نہیں ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم آئندہ میں دو قمیصیں ہرگز نہیں رکھوں گا نہ دو کھانے ایک دستر خوان پر جمع کروں گا۔'' چنانچہ پھر آپ ہمیشہ اس پر کاربند رہے حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔

خدمت بیت المال

ایک گرمی کا دن تھا سخت گرمی پڑ رہی تھی اور سورج کی گرم شعاعیں اور اس کے شعلے ریت میں سرایت کر رہے تھے۔ ایسے میں اہل عراق کا ایک وفد جس کے قائد احنف بن قیس تھے آ پہنچا اور یہ لوگ امیر المومنین کو ڈھونڈ رہے تھے، چنانچہ انہوں نے آپ کو اس حال میں پایا کہ عمامہ اترا ہوا تھا اور اسے اپنی کمر پر عبا کے گرد لپیٹا ہوا تھا اور آپ صدقے کے اونٹوں کی خدمت کر رہے تھے۔

چنانچہ جب آپ نے حضرت احنف کو دیکھا تو انہیں آواز لگائی، اے احنف اپنے کپڑے اتار کر آؤ اور امیر المومنین کی مدد کرو کیونکہ ان اونٹوں میں یتیم، مسکین اور بیواؤں کا حق ہے۔'' اس منظر نے لوگوں کو حیران کر دیا تھا ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ صدقہ کے غلاموں میں سے کسی کو حکم کیوں نہیں دیتے جو آپ کے بدلے یہ کام کر لیتا اور آپ کو بھی اس سختی سے چھٹکارا مل جاتا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عظیم لوگوں کے تواضع میں فرمایا مجھ سے اور احنف سے بڑا غلام کون ہوسکتا ہے؟ کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ہے وہی ان کی طرف سے مسئول بھی ہے اور اس پر ان کے لئے وہ کچھ کرنا واجب ہے جو کسی غلام کے لئے ''مثلا اپنے آقا کی خیر خواہی اور امانت کی ادائیگی وغیرہ'' ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذمہ داریوں کی فکر

مدینہ کے راستوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیزی سے چلتے چلے جا رہے ہیں، راستے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ''امیر المومنین کہاں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حیرت سے سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر رکے جواب دیا کہ صدقے کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو حیرت سے پلٹتے ہوئے فرمایا، آپ اپنے بعد والوں کو مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر ایک بکری بھی فرات کے کنارے چلی جائے تو قیامت کے دن عمر سے اس کا مؤاخذہ ہوگا۔''

جلتے سورج کی شعاعوں تلے مدینہ سے باہر حضرت عمر سر پر چادر رکھے چلے جا رہے ہیں کہ ایک غلام وہاں سے گدھے پر سوار گزرا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ سوار کرلو، تو غلام رک گیا اور گدھے سے اتر کر عرض کیا، امیر المؤمنین سوار ہو جائیے۔ تو حضرت عمر نے فرمایا نہیں پہلے تم سوار ہو میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا، کیا تم چاہ رہے ہو کہ مجھے نرم چیز (گدھے کی پیٹھ) پر سوار کر دو اور خود سخت چیز (زمین) پر چلو'، یہ نہیں ہوگا۔ بہر حال بڑی بحث اور اصرار کے بعد غلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور گدھے پر سوار ہو گیا اور آپ گدھے پر اس کے پیچھے بیٹھے اور اسی حال میں مدینے میں داخل ہوئے، لوگوں نے آپ کے تواضع رحم اور خوف خدا (کے مظہر اس منظر) کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن جھٹک کر نیند کا غبار جھاڑا اور رعیت کی خبر گیری کے لئے نکل پڑے، اچانک ایک عورت کو دیکھا جو ننگے پیر اندھیرے سے نکل کر آ رہی تھی اور اس کی کمر پر مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، آپ نے اس سے رات گئے اندھیرے میں پانی لانے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور اس کے پاس کوئی خادم نہیں ہے، لہٰذا وہ رات میں نکل کر ان کے لئے پانی وغیرہ کا انتظام کرتی ہے اور دن میں وہ بچوں کی تنہائی کے خوف سے نہیں نکلتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل اس کا یہ حال دیکھ کر پارہ پارہ ہو گیا، آپ نے اس سے وہ مشکیزہ لے کر اسے اس کے گھر تک پہنچایا اور جاتے ہوئے فرمایا کہ صبح عمر کے پاس جانا وہ تمہارے لئے خادم کا انتظام کر دے گا'' اس نے کہا کہ ان تک تو پہنچنا مشکل ہوگا۔ حضرت عمر نے فرمایا، وہ تمہیں مل جائیں گے۔ انشاء اللہ

چنانچہ صبح وہ عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچی دیکھا تو پہچان گئی کہ یہ وہی رات والا اللہ کا بندہ ہے۔ چنانچہ الٹے پاؤں حیاء کے مارے لوٹ گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خرچ اور ایک خادم مہیا کرنے کا حکم فرما کر اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر پہنچوا دیئے۔

شہادت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن ۲۳ھ میں نماز فجر کے دوران اللہ تعالیٰ کے ایک دشمن ابولولؤ مجوسی کے ہاتھوں اچانک خنجر کے حملے کا نشانہ بن گئے اور شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی اور خلافت دس سال پانچ مہینہ اور اٹھائیس دن رہی۔

سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(شہادت ۳۵ھ بمطابق ۶۵۶ء)

☆ وہ شخص جس سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔
☆ جنہوں نے دو مرتبہ جنت خریدی۔
☆ نبی کی دو بیٹیاں جن کے سوا کسی کے عقد میں نہ آئیں۔
☆ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنے گھر والوں سمیت جس نے ہجرت کی۔

☆☆☆

جس نے تاریخ سے تعریفی کلمے کا انتظار نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے شکر کی عبارت کا۔

یہ ہیں ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ابو عبداللہ قریشی، اموی، مکی۔ تیسرے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں سے ایک۔ اور ان چھ افراد میں شامل کہ رسول اکرم ﷺ وفات تک ان سے راضی رہے۔

واقعہ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ ناز ونعم میں جوان ہوئے، صاف ستھرے روشن ضمیر کے مالک تھے، پاکیزہ فطرت تھے جاھلیت کی گندگی سے خود کو دور رکھا، آپ کا شفاف دل چمکدار روشن اخلاق پر مشتمل تھا۔ اسلام میں آنے سے اس کی روشنی اور نور میں اضافہ ہو گیا۔ ایمان ان کے دل کی گہرائی میں داخل ہوا اور داعی اسلام کی آواز نے ان کا دل ساکن کر دیا چنانچہ اسلام لے آئے اور مومنین کے قافلے میں شامل ہو گئے، ایمان کی صبح حاضر ہوئے اور پہلے سات مسلمانوں میں شامل ہو گئے جن کے عاشق دل رسول اکرم ﷺ کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔

ان کا سرسبز دل خلوص سے معمور تھا لہٰذا آپ کا اسلام لانا بڑا وقار و تابعدار تھا، جس میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہ تھی، ابھی ایمان کی طفولیت کے دن تھے کہ آزمائش میں مبتلا ہو گئے اور اپنے چچا حکم بن ابو العاص کے ظلم کا شکار ہوئے، اس نے زنجیروں میں جکڑ دیا

تھا مگر جب دین اسلام پر ان کی مضبوطی دیکھی تو مجبوراً چھوڑ دیا۔

اپنے گھر والوں کے ساتھ حبشہ ہجرت کی، ایمان کو بازوؤں کے درمیان اٹھائے پھرتے، ناز ونعم کی زندگی سے نکل آئے۔ دائمی راحت اور بھری پڑی زندگی کو چھوڑ کر خالی انجانا اور خطروں سے بھرپور راستہ اختیار فرمایا۔ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنے گھر والوں سمیت ہجرت کرنے والے پہلے شخص قرار پائے۔

رسول اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ وام کلثوم کے یکے بعد دیگرے نکاح میں آنے کی وجہ سے ذوالنورین کا عالی لقب پایا۔ رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ احد اور خندق کے معرکوں میں شریک ہوئے اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ بنت رسول اکرم ﷺ کی بیماری اور تکلیف کے باعث بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کے حکم پر بدر میں انکا حصہ شمار کیا گیا۔ لہٰذا بدری صحابی گنے جاتے ہیں۔

غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ غطفان میں رسول اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے مدینہ میں نائب مقرر کیے گئے۔ درمیانے قد کے تھے نہ زیادہ لمبے اور نہ چھوٹے۔ خوبصورت چہرے، حسین دانتوں والے، نرم خو اور خوش اخلاق انسان تھے، ستر سال کی عمر میں خلافت کا بار اٹھایا گفتگو کے اعتبار سے بھی تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے۔

عبدالرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول ﷺ میں سے حضرت عثمان جیسا کوئی نہ دیکھا جو مکمل اور خوبصورت گفتگو ان سے اچھی کر سکتا ہو۔ وہ ایسے شخص تھے کہ ان کی گفتگو بڑی بارعب اور متاثر کن ہوتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنت خریدی، ایک مرتبہ بئر رومہ خرید کر اور دوسری مرتبہ تنگدست لشکر (جیش العسرہ) کو تیار کر کے (خریدی)۔

حیاء کے پیکر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے کو پہلوں کی طرز پر یکتا حیا پر لپیٹ دیا تھا۔ اور کیسے نہ ہوتا؟ یہ تو ایسے انسان تھے کہ جن کی حیاء کی وجہ سے فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام

ایک دن نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں لیٹے ہوئے اور آپ کی پنڈلی مبارک کھلی ہوئی تھی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر آئے تو آپؐ یوں ہی لیٹے رہے اور ان سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجازت لے کر اندر آئے آپؐ یوں ہی لیٹے رہے اور ان سے بھی یونہی باتیں کرتے رہے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، کپڑے درست کئے اور پنڈلیاں بھی ڈھانپ لیں اور ان کو اندر بلا لیا، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے ان سے بھی باتیں کیں اور پھر وہ نکل گئے۔

یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے عرض کیا کہ جب حضرت ابوبکرؓ آئے تو آپؐ اٹھ کر نہیں بیٹھے اور ان کی پرواہ نہ کی، پھر حضرت عمرؓ کے آنے پر بھی آپؐ اٹھ کر نہیں بیٹھے اور پرواہ نہ کی لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے بھی درست فرمائے؟ تو آپ ﷺ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس شخص سے فرشتے حیا کرتے ہوں۔ (مسلم:۲۴۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ جواب دیا کہ عثمان بہت حیا والے انسان ہیں، اور مجھے یہ خوف ہوا کہ اس حالت میں میں نے انہیں اندر بلا لیا تو شاید ان کی حیا انہیں مجھ کو اپنی ضرورت بیان کرنے سے روک دے۔ ان کی حیا تو انہیں

(مجبور کرتی ہے) کہ جب وہ گھر میں ہوں دروازہ بھی بند ہو وہ غسل کرنے لگیں تو حیا کپڑے اتارنے سے روکتی ہے اور کمر کو سیدھا کرنے سے روکتی ہے۔ (مسند احمد: ۱/۷۳)

پرکشش بلند اخلاق

آپ کے اخلاق دلوں کو کھینچنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور سب صفات سے بڑھ کر آپ کی سخاوت تھی آپ کا ضمیر خرچ کرنے میں سچا تھا۔

حد درجہ سخاوت

چنانچہ جب مسلمان مدینہ میں مقیم ہو گئے اور ان کی زندگی آہستہ آہستہ گزرنے لگی تو ان ابتدائی دنوں میں جو مشکلات پیش آئیں وہ یہ سب دیکھا کرتے۔ زندگی کی سب سے بڑی مشکل پانی کی تھی پینے کا پانی لانا ان مصائب کا پہلا تیر تھا جو اس معاشرے کے جسم پر لگا تھا۔ مدینہ میں ایک کنواں جس کا نام ''رومہ'' تھا اس میں میٹھا پانی ہوتا تھا، یہ ایک یہودی کی ملکیت تھا جو اس کا پانی مسلمانوں کو بیچا کرتا تھا بعض مسلمان تو پانی خریدنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتے تھے لہٰذا بڑی مشکل ہوتی تھی۔ لہٰذا اس معاملے نے رسول اکرم ﷺ کو بڑا کبیدہ خاطر کر رکھا تھا۔

اک دن آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور انہیں دردناک آواز میں نصیحت کی اور اس کنوئیں کو خریدنے کی ترغیب دلائی، فرمایا کہ کون ہے جو ''رومہ'' کنوئیں کو خریدے اور مسلمانوں کے ڈولوں کے ساتھ اپنا ڈول جنت میں اس سے اچھا حاصل کرے؟ چنانچہ یہ کلمات جیسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچے آپ اس کام کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ آواز آپ کے اس دل میں خواہش بن گئی جو بھلائی اور سخاوت سے معمور تھا۔ چنانچہ آپ نے یہودی سے بات چیت شروع کر دی اور اس سے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ حضرت عثمان کی باری والے دن مسلمان اس سے خوب پانی بھرتے۔ اس کے بعد اس یہودی نے کہا میرا کنواں میرے لئے بیکار ہو گیا ہے لہٰذا اس کا باقی آدھا بھی تم

خرید لو چنانچہ مزید آٹھ ہزار درہم دے کر وہ بقیہ آدھا کنواں بھی خرید لیا۔

حد سے گزر جانے والی سخاوت

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے ہاتھوں نے انہیں دنیا سے دور کر دیا، مال ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی امانت تھا جب بھی ان کا رازق ان سے مانگتا یہ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑتے۔

افسوس اور غم کی حالت میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور جہاد کے لئے لوگوں کو خرچ کرنے کی ترغیب فرمانے لگے۔ ارشاد فرمایا، کون ہے جو اس تنگ دست لشکر کو تیار کرائے؟ حضرت عثمان نے سچی نیت سے بھری آواز سے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ سو اونٹ مجاہد کے ساز و سامان سمیت میری طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے پھر ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی پکار پر جواب دیا کہ میری طرف سے دو سو اونٹ ساز و سامان سمیت۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ یارسول اللہ ﷺ۔ اللہ کے راستے میں تین سو اونٹ ساز و سامان سمیت میری طرف سے ہیں۔"

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ منبر سے نیچے اترے آپ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار تھے اور چہرے کی لکیریں چمک رہی تھیں۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

لیکن حضرت عثمان نے بھی مسجد میں کئے ہوئے اعلان پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ساڑھے نو سو اونٹ ساز و سامان سمیت اس لشکر کے لئے دیئے اور پچاس گھوڑے ساز و سامان سمیت دے کر ہزار سواریاں پوری کر دیں۔ ادھر نبی کریم ﷺ لشکر کی تیاری سے فارغ ہو گئے اور جب لشکر آفاق میں اللہ کا دین پھیلانے کے لئے روانہ ہونے کو تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عظیم لوگوں کے تواضع کے ساتھ ایک تھیلی لئے ہوئے تشریف لائے جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ لا کر آنحضرت ﷺ کی جھولی میں

ڈال دی۔

رسول اکرم ﷺ اس تھیلی کو دونوں ہاتھوں میں لے کر الٹتے پلٹتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ ''آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔''

(مستدرک حاکم: ۱۰۲/۳، بتصحیح وتوثیق علامہ ذہبی)

مسجد نبوی ﷺ کی توسیع

اذان کی آواز بلند ہوئی لوگ تیزی سے مسجد کی طرف چلے، نمازیوں کا اژدھام ہوگیا اور مسجد لوگوں کے لئے تنگ پڑ گئی چنانچہ نبی کریم ﷺ نے محسوس کیا کہ مسجد نمازیوں سے پر ہوگئی ہے اور ساتھ مسجد کی توسیع کی فکر لاحق ہوگئی لیکن مال کی فراہمی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ رنجیدہ سے ہوگئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے، باری تعالیٰ کی حمد وثناء کی، پھر لوگوں میں منادی فرمائی کہ کون ہے جو آل فلاں کی زمین خرید کر جنت میں اس سے بہتر زمین کے بدلے اسے مسجد میں شامل کر دے۔ اس وقت حضرت عثمان بن عفان ہی تھے جنہوں نے اس نیکی کی بات کو کرم کے کانوں سے سنا اور فوراً ہی جا کر وہ زمین اس کے مالکان سے پچیس ہزار میں خرید کر مسجد کے لئے وقف کر دی۔

سو اونٹوں پر لدی اشیائے خورد ونوش وقف کرنا

عہد صدیقی میں ایک مرتبہ آسمان نے پانی روک لیا۔ لوگ جمع ہو گئے کہنے لگے آسمان سے پانی نہیں برس رہا اور زمین سے غلہ نہیں اگ رہا اور لوگ سخت پریشانی میں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آسمان کے نور سے متصل دل کے ساتھ فرمایا۔ لوٹ جاؤ اور صبر کرو۔ تھوڑے ہی دن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شام سے سو اونٹوں کا قافلہ لے کر آئے جس پر گندم اور دوسرا غلہ لدا تھا۔ مدینہ کے تاجر دوڑے دوڑے حضرت عثمانؓ کے پاس گئے، دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر تشریف لائے تو بات چیت شروع

ہوئی۔

حضرت عثمانؓ: کیا چاہتے ہو؟

تجار: قحط کا زمانہ ہے۔ بارشیں نہیں ہوئیں غلہ نہیں اگا۔ لوگ سخت پریشانی میں ہیں ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کے پاس کھانے کی اشیاء ہیں وہ ہمیں بیچ دیں تاکہ ہم غریب مسلمانوں پر آسانی کر سکیں۔

حضرت عثمانؓ: ضرور! محبت اور عزت کے ساتھ۔ تشریف لائیے خریداری کیجئے۔ چنانچہ وہ لوگ اندر داخل ہوئے اور کھانے کی مختلف اشیاء دیکھنے لگے جو قافلہ لے کر آیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا۔ تاجر حضرات۔ ”ان اشیاء کے خریدنے اور شام سے مدینے لانے تک کے صلے میں آپ مجھے کتنا منافع دیں گے؟

تاجر حضرات: ہم دس پر بارہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے تو اور زیادہ مل رہا ہے۔

تاجر حضرات: ہم دس پر چودہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے تو اور زیادہ مل رہا ہے۔

تاجر حضرات: چلو ہم پندرہ دیں گے۔

حضرت عثمانؓ: مجھے اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے۔

تاجر حضرات بڑی حیرانی سے بولے۔ اے ابوعمرو مدینہ میں ہمارے علاوہ کوئی اور تاجر نہیں ہے تو آپ کو کون ہے جو اور زیادہ دے رہا ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہاڑوں سے زیادہ مضبوط گڑے ہوئے ایمان اور متقی حضرات کے کرم کے ساتھ جواب دیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے زیادہ عطا فرما رہے ہیں۔ ہر درہم کے بدلے دس درہم۔ کیا تمہارے پاس اس سے زیادہ دینے کو ہے؟

تاجر حضرات سر جھکا کر حیاء سے بولے ہائے اللہ! نہیں۔

حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا۔ سنو میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا غلہ مسلمانوں کے غریب لوگوں کے لئے صدقہ کر دیا۔

خوف خدا کی حالت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایمان سچے ایمان کے حواس کے گچھے سے متعلق تھا جو نفس سے فوری بدلے کو اس روحانی صفاء کا پہلا درجہ سمجھتے ہیں جو ضمیر کی راحت کا سامان کرتی ہے۔

ایک مرتبہ شدید غصہ کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بس اتنا سا فعل سرزد ہوگیا کہ آپ نے غلام کا کان پکڑ کر موڑ دیا، جس سے اسے تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ نے بیٹھ کر غور کیا تو ان میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی لہر سی دوڑ گئی فوراً آواز دی اے غلام۔ وہ آپ کے سامنے آ پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرا کان موڑا تھا نا؟ تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ غلام نے بدلہ لینے سے انکار کر دیا، اسے شرم آ گئی اور اس نے اپنے ہاتھ اور زبان بند کر لئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا تو اس نے نہایت نرمی سے آپ کا کان پکڑ لیا۔ مگر آپ نے بلند آواز سے اس سے فرمایا کہ زور سے پکڑو۔ دنیا میں قصاص (اور بدلہ) دینا کتنا ہی آسان اور اچھا ہے کہ آخرت میں قصاص نہیں رہتا۔

زہد عثمان رضی اللہ عنہ

باوجود اس کے کہ آپ کو بڑی مالداری و دولت حاصل تھی مگر آپ غریبوں کی سی زندگی بسر فرماتے تھے اور دنیا کے قہر کو چند سوکھے چھوٹے ٹکڑوں سے دور فرماتے۔ حضرت عثمانؓ لوگوں کو امیروں کا کھانا کھلاتے اور خود گھر میں آ کر سرکہ سے روٹی کھاتے۔ اپنی زندگی رات کو عبادت کرنے اور دن میں روزے پر سوار بسر کرتے۔ آپ کا رات کی عبادت سے اتنا گہرا عشق تھا کہ آپ رات کو قیام میں ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت فرما لیتے یہ آپ کی وتر تھی جس کو بتیراء کا نام دیا گیا۔

مختصر آسان زندگی

آپ کی زندگی بڑے مختصر انداز میں آسانی سے گزری۔ دنیا آپ کی یادداشت کا زیادہ حصہ مشغول نہیں کرسکی آپ کا دل شکر گزاری اور رضا سے معمور تھا۔

عبدالملک بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جمعے کے دن منبر پر دیکھا، آپ کے بدن پر ایک موٹا عدنی تہبند تھا جس کی قیمت چار درہم ہوتی تھی حالانکہ ان دنوں آپ امیر المومنین تھے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں قیلولہ کرتے سوتے دیکھا، آپ امیر المومنین تھے۔ اور آپ کے پہلو میں کنکریاں چبھنے کے نشانات تھے۔ آپ اپنے ایک خچر پر سوار ہوتے اور آپ کے پیچھے آپ کا غلام بیٹھا ہوتا حالانکہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مقصد ان کا تواضع بیان کرنا ہے کہ وہ عام بادشاہوں کی طرح نہ تھے۔

جب رات کچھ گزر جاتی تو آپ رات کو زندہ رکھنے کے لئے جاگ جاتے، تلاوت اور ترتیل سے اپنے سکون کو متحرک کرتے۔ باوجود بڑھاپے کے خود وضو کا انتظام فرماتے، کسی خادم کو نہ اٹھاتے الا یہ کہ کوئی خادم پہلے سے جاگا ہوتا تو وہ وضو میں مدد کر دیتا۔ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کسی خادم کو اٹھا لیا کریں تاکہ وہ آپ کے وضو میں آپ کو تکلیف نہ ہونے دے۔ آپ نے جواب دیا۔ نہیں، رات ان کا حق ہے وہ اس میں آرام کریں گے۔

دنیا آپ کے لئے آخرت کی سواری تھی، آپ دنیا میں ایسے چلے جیسے کوئی اجنبی ہوں یا مسافر کوچ کے انتظار میں ہو۔

فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا تمہیں اس لئے دی ہے تم اس کے ذریعے آخرت تلاش کرو۔ اس لئے نہیں دی کہ تم اسی کی طرف مائل ہو جاؤ۔

خوف خدا سے رونا

رونے نے آپ کے دل کے تار کاٹ دیئے تھے اور غموں نے آپ کے صحن کو اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپ کا چہرہ کڑواہٹ اور تاسف سے بھرا رہتا تھا۔ آپ جب بھی کسی قبر پر کھڑے ہوتے خوب روتے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی، آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت جہنم کو یاد کرنے پر نہیں روتے، قبر کو یاد کر کے ہی کیوں روتے ہیں؟ آنسوؤں کے ساتھ جواب دیا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس میں نجات ہوگئی تو اس کے بعد کی منزلیں آسان ہیں اور اگر یہاں نجات نہ ہوئی تو اس کے بعد کی منزلیں سخت ہیں۔ (ترمذی: ۲۳۰۸)

شہادت

سبائی بلوائیوں نے آپ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور روزے کی حالت میں قرآن پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ آپ کا پاکیزہ جسم ان کی تلواروں کے نیچے زخموں سے چور ہوگیا۔ ۳۵ھ میں شہادت ہوئی، عمر بیاسی سال تھی اور مدت حکومت بارہ سال میں بارہ دن کم تھی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ﴾

☆ وہ بہادر انسان جسے تاریخ نے اسلام کی محراب سے جنم دیا۔
☆ ایمان کے بچھونے میں الٹنے پلٹنے والے صحابی
☆ جن کو نبی کریم ﷺ سے وہ نسبت تھی جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔
☆ مدرسہ اسلام کے پہلے طالب علم

☆☆☆

بچپن میں اسلام کی خوشبو سے روشناس ہوئے وحی کی سرسبز گزرگاہ میں سانس

لی۔ ان کے اخلاق انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کی طرح تھے۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد، چوتھے خلیفہ راشد اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی تھے۔

بعثت نبوی سے دس سال قبل کعبہ میں ولادت ہوئی، ان کا بچپن فضول کاموں سے دور گزرا، بت پرستی کے جنجال میں بھی نہ پڑے، کوئی غلط بات ان میں نہ تھی ان کی آنکھ ایمان کے نور پر کھلی۔

رسول اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں جوان ہوئے۔ اور بیت نبوت میں وحی کے بازوں کے سائے میں پل بڑھ کر بڑے ہوئے۔ ان کا وجدان اس عظیم خبر کے لئے متحرک ہوا لہٰذا اپنی خالص ساعت اس کے لئے استعمال کی، ان کے شوق نے اللہ کے لئے اڑان بھری اور ان کے صاف ستھرے اخلاق نے ترقی کی اور رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں ان کے نور میں اضافہ ہوا۔ ان کا اسلام عظیم نمونۂ عمل تھا۔

سمجھنے والے دل اور جوان نفس کے ساتھ قرآن اخذ کیا، ایمان ان کے ساتھ ہی جوان ہوا حتی کہ ان کے حواس اور وجدان میں مل گیا اور دل کو بھر دیا۔

ان کی شخصیت میں آباء واجداد کے اخلاق اور وحی کی شفافیت جمع تھی۔ نبی کریم ﷺ کے بستر مبارک پر ہجرت کی رات لوہے سے زیادہ سخت اور پہاڑوں سے زیادہ بلند عزم کے ساتھ سوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا انتخاب اپنے بھائی ہونے کے لئے فرمایا۔ یہ اپنے سے آگے کود گئے تاکہ مصائب کا مقابلہ کر سکیں، مصائب اور جنگوں کے لئے ان کا نیزہ کبھی نرم نہ پڑا اور مقابلے سے سربلندی ہی میں اضافہ ہوا۔

تمام معرکوں میں حاضر رہے، شیر کی طرح تھے۔ اکثر معرکوں میں جھنڈا اپنے سینے سے لگائے رکھا، ان کی تلوار کی ضربوں کے نیچے قلعے بھی مات کھا گئے۔ جس سے مقابلہ کیا اسے پچھاڑ دیا، اپنی تلوار سے کتنی ہی تکلیفیں رسول اکرم ﷺ سے دور کیں۔ بڑے خوبصورت اور نیک سیرت انسان تھے۔ (کرم اللہ وجہہ)

حضرت علیؓ کا زہد اور حضرت عمرؓ کے تحفے سے محبت

باوجود اس کے کہ خلیفہ تھے اور کئی ملک زیرنگیں تھے مگر اپنے جسم کو ایک مختصر سے پیوند لگے کپڑے میں چھپائے رکھا۔ اپنی زندگی ایک ہی کپڑے میں گزار دی دوسرا کپڑا ہی نہ تھا۔ آپ نے اس کپڑے کو نہ چھوڑا حتی کہ اس کے دھاگوں سے زندگی منقطع ہوگئی۔

ایک پرانے سے بوسیدہ کپڑے میں جس کے دونوں کنارے جھالروں کی طرح لٹکے ہوئے تھے، جناب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، دونوں ہونٹ تسبیح مین مشغول ہیں، اتنے میں ان کے آزاد کردہ موالی میں سے ابومریم نامی شخص آئے، گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور بڑی آہستگی سے عرض کیا۔

''اے امیر المومنین میری ایک عرض ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ پوچھا۔ ابومریم کیا حاجت ہے تمہاری؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے جسم مبارک سے یہ چادر اتار دیجئے، یہ پرانی اور پھٹی ہوئی چادر ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چادر کا ایک کونا اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور رونے لگے حتی کہ آپ کی ہچکیاں بلند ہونے لگیں۔ ابومریم مارے خجالت کے شرمندہ ہوگئے، عرض کرنے لگے اے امیر المومنین اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی یہ حالت ہو جائے گی تو میں آپ کو یہ چادر اتارنے (بدلنے) کا نہ کہتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، انہوں نے فرمایا، ''اے ابومریم! تمہارے کہنے سے میری اس چادر سے محبت بڑھ گئی ہے کیونکہ یہ چادر مجھے میرے محبوب اور میرے دوست حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تحفہ کے طور پر دی تھی، اس کے بعد آپ پھر رونے لگے حتی کہ آپ کے سینے سے ہانڈی کے جوش کی سی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔

تکبر کو دور کرنے کے لئے زہد

ایک سخت گرم دن میں جب کہ گرمی اپنی آگ ریت پر بکھیر رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے ملے آپ نے ایک سخت کھردرا موٹا کپڑا پہنا ہوا تھا، جس پر پیوند لگے ہوئے تھے، کسی ساتھی نے ازراہ ہمدردی عرض کیا۔ امیر المومنین آپ اس سے نرم کپڑے سے اپنے لئے لباس کیوں نہیں بنا لیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ کپڑا تکبر کو میرے قریب آنے سے روکتا ہے، میری نمازوں میں خشوع پر میری مدد کرتا ہے اور یہ لباس لوگوں کے لئے نیک رہنما ہے تا کہ وہ اسراف اور تکبر نہ کریں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی

> ''یہ دار آخرت ہے جسے ہم ان لوگوں کا ٹھکانہ بنائیں گے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور اچھا انجام تقویٰ والوں کا ہے۔'' (القصص:۸۳)

شہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار چادر

سردی کی شدت سے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے کپکپا رہے تھے اور ان پر ایک پرانی بوسیدہ چادر تھی۔ ایک شخص نے کہا، امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اس مال میں آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا حصہ رکھا ہے اور آپ اپنے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں، کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ آپ کے ہاتھ پاؤں مارے سردی کے کپکپا رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، واللہ میں تمہارے اموال میں سے کچھ نہیں لوں گا اور یہ پرانی بوسیدہ چادر جو میں پہنتا ہوں یہ وہ چادر ہے جو پہن کر میں مدینہ سے نکل کر (کوفہ) آیا تھا۔

فقر اور زہد کا دوست ''علی رضی اللہ عنہ''

سونے کی چمک اور دیناروں کی چھن چھن میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان کے

دل کو پھنسا سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندگی زاہد بن کر گزاری اور (فقر) غربت میں دنیا سے چلے گئے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ مدینے کے بازار میں سرگرداں تلوار بیچنے کے ارادے سے گھوم رہے ہیں اور کمزور سی آواز میں فرما رہے ہیں" مجھ سے یہ تلوار کون خریدے گا۔قسم اس ذات کی جس نے دانے (بیج) کو پھوڑا، کئی مرتبہ رسول اکرم ﷺ سے اس تلوار کے ذریعے میں نے تکلیفیں دور کی ہیں۔ اگر میرے پاس ایک تہبند خریدنے کے پیسے ہوتے تو میں یہ تلوار کبھی نہ بیچتا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے صاجزادے کو بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت کے وقت نہ پیلا (دینار) چھوڑا، نہ سفید (درہم) سوائے سات سو درہم جو کہ عطیے کے تھے اور ارادہ یہ تھا کہ گھر والوں کے لئے ایک خادم خریدیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت

انہوں نے دنیا کو انفاق کی تلوار سے شکست دی، مال ان کے نزدیک وسیلہ تھا غایت نہ تھا، ان کے نزدیک نہ کوئی خادم تھا نہ آقا۔

ایک کمزور جسم کے ساتھ جسے فقر نے خراب کر دیا تھا، ضرورت نے ذلیل کر رکھا تھا ایک مسکین شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانے کی چیز مانگنے آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ جاؤ اپنی اماں کے پاس کہو کہ ابا نے آپ کے پاس چھ درہم رکھوائے تھے ان میں سے ایک درہم دے دو۔" وہ گئے اور واپس آکر کہا وہ درہم تو آپ نے آٹے کے لئے رکھوائے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بندے کا ایمان اس وقت تک صادق نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ کے پاس موجود اپنے ہاتھ میں موجود شے سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ نہ کرے۔" پھر فرمایا، جاؤ اسے کہو کہ وہ چھ کے چھ درہم دے دے۔ چنانچہ انہوں نے بھجوا دیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ چھ درہم اس سائل کو دے دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی وہاں سے

اٹھے نہ تھے کہ ایک شخص اپنا اونٹ لے کر بیچنے آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ اونٹ ایک سو چالیس درہم میں ادھار پر لے لیا اور پھر وہ اونٹ دوسو درہم میں بیچ دیا (ساٹھ درہم منافع ہوا) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ بات جس کا وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص ایک نیکی کرے گا اسے اس جیسی دس نیکیاں بدلے میں ملیں گی۔'' (سورہ الانعام: ۱۶۰)

تواضع وانکساری

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قطعہ زمین خریدا اور اس میں کنواں کھدوایا لوگ کنواں کھود رہے تھے کہ اس میں سے میٹھا ٹھنڈا پانی پھوٹ پڑا۔ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوش خبری دینے بھاگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوشخبری سن کر تواضع سے سر جھکا لیا گویا وہ خود سے سرگوشی کر رہے تھے۔ فرمایا کہ اس سے وارث ضرور خوش ہوں گے۔ چنانچہ آپ نے بلند آواز سے پکارا۔

''اے لوگو

''میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے پانی کا چشمہ اور زمین اللہ تعالیٰ کے راستے میں فقراء اور مساکین کو صدقہ کر دی ہے۔''

فقراء کی عزت کا لحاظ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک کمزور جسم اونچی ٹھوڑی، دھنسی ہوئی آنکھوں والا شخص آیا، جس سے فقر اور ضرورت کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ اس کا جسم ایک بنے ہوئے پیوند لگے کپڑے میں لپٹا تھا، اس نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا (لگتا ایسا تھا کہ اس کے ہونٹ ابھی حیا کے مارے گر جائیں گے) اے امیر المومنین مجھے آپ سے کام ہے اور میں اپنی فریاد آپ سے بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بیان کر چکا ہوں۔ اگر آپ نے ضرورت پوری کر دی تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا، آپ کا شکریہ ادا کروں گا، اور اگر آپ پوری نہ کر سکے تو میں رب تعالیٰ کی حمد کروں گا

اور آپ کا عذر قبول کروں گا۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حیا اور ادب کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ زمین پر لکھ دو میں سوال کی ذلت تمہارے چہرے پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس شخص نے لکھا کہ میں محتاج ہوں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی، ''میرے پاس ایک لباس لاؤ، لباس لایا گیا تو اس شخص نے لے کر پہن لیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے سو دینار عطا فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں قرآنی آیات کا نزول

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا مال ہر وقت اور ہر حال میں غریبوں پر لٹاتے رہتے تھے، انہیں اس کام سے نہ رات کی تاریکی روک سکتی تھی نہ ہی سورج کی گرمی۔

ایک دن منبر کے قریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چادر اوڑھے بیٹھے، قرآنی آیات دل ہی دل میں دہرا رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال پوچھا کہ یہ ''آیت'' کس کے بارے میں نازل ہوئی؟

﴿اَلَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً﴾

(البقرہ: ۲۷۴)

''وہ لوگ جو اپنے اموال خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپ کر اور کھلم کھلا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ان کے پاس چار درہم تھے انہوں نے رات میں ایک درہم اللہ کے راستے میں خرچ کیا، دوسرا دن میں، تیسرا چھپ کر اور چوتھا سب کے سامنے خرچ کیا۔

سوکھے ٹکڑوں کا خوگر

حضرت علی رضی اللہ عنہ سوکھے ٹکڑوں کے لقموں کے ذریعے بھوک کو شکست

دیتے تھے۔ دوپہر کے وقت عکبرا (بغداد کے قریب ایک شہر ہے) کا عامل آپ سے ملنے آیا، دروازے پر پہنچا تو کوئی دربان نظر نہ آیا جو اس کو داخل ہونے سے روکتا۔ چنانچہ وہ اجازت لے کر اندر داخل ہو گیا دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سامنے ایک پیالہ اور ایک پانی سے بھرا برتن ہے پھر آپ ایک چھوٹی سی تھیلی لے کر آئے۔

تھیلی دیکھ کر اس شخص نے دل میں سوچا کہ یقیناً حضرت امیر المومنین کا مجھے انعام دینے کا ارادہ ہو گیا ہے، یہ مجھے کوئی جوھر یا کوئی اچھی چیز دینے والے ہیں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی کھولی تو اس میں سوکھی روٹی کا ٹکڑا تھا جو آپ نے برتن میں ڈال دیا اور اس پر تھوڑا سا پانی ڈال دیا اور اس شخص سے فرمایا، ''آؤ میرے ساتھ کھالو۔''

اس شخص نے حیرت سے کہا، اے امیر المومنین۔ آپ یہ کچھ کر رہے ہیں؟ حالانکہ آپ عراق میں ہیں اور عراق میں کھانے کی چیزیں اس سے بہت زیادہ ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خشوع اور زہد کے ساتھ جواب دیا۔ لیکن اللہ کی قسم! یہ روٹی میرے پاس مدینے سے آتی ہے کیونکہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اپنے پیٹ میں پاک چیز کے علاوہ کوئی چیز داخل کروں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل تقوے پر لگا ہوا تھا جو ان کے ادب اور صواب کے قریب ہو گیا تھا ہر قسم کی لالچ و طمع کو دنیا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صحیح ہوتے (یعنی لالچ اور طمع کی ہر صورت کو زہد میں بدلتے اور حضرت علی کے زہد کے ذریعے اسے بے اثر ہوتے) دیکھا۔

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غلام قنبر بڑی تیزی سے آپ کے پاس آیا اور خیر خواہانہ طریقے سے عرض کیا۔ اے امیر المومنین آپ تو ایسے شخص ہیں کہ کوئی چیز نہیں بچا رکھتے اور آپ کے اہل بیت کا اس مال میں حق ہے۔ اور میں نے آپ کے لئے کچھ چیز چھپا کر رکھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دہشت زدہ ہو کر فرمایا، کیا چیز

ہے وہ؟ قنبر نے کہا، آیئے آپ میرے ساتھ آیئے۔ چنانچہ یہ دونوں چلے اور ایک چھوٹے سے گھر میں داخل ہوئے اس میں ایک بڑی بوری سلی ہوئی دیوار کے نچلے حصے کے ساتھ رکھی تھی، آپ نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ سونے چاندی کے برتنوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے غصے سے قنبر کو دیکھا اور پھر فرمایا،

تیری ماں تجھے گم کرے کیا تو میرے گھر میں بڑی آگ داخل کرنا چاہتا تھا۔
پھر آپ اسے لوگوں میں تقسیم کرنے میں لگ گئے، جب وہ سب مال ختم ہو گیا تو بڑبڑانے کے انداز سے فرمانے لگے، اے دنیا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دینے کی کوشش کر۔

شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن بن ملجم نامی خارجی نے اچانک حملہ کر کے ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور مدت خلافت چار سال نو مہینے آٹھ دن رہی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۰۱ھ بمطابق ۷۲۰ء)

☆ زہد سے ایسا لباس بنایا جسے ان کے علاوہ کسی نے نہ پہنا۔
☆ چٹائی سے شاہی تخت بنایا۔
☆ اس بات کو ترک کر دیا کہ تاریخ میں بادشاہت کے دروازے سے داخل ہوں۔ تاریخ میں زہد اور عدل کے دروازے سے داخل ہوے۔

☆☆☆

جس نے عدل کے چراغ سے ظلم کی تاریکیوں کو دور کیا۔ جسے گمان تک نہ تھا کہ ایک دن تاریخ ان کی سیرت اور ان کے قصے اپنے اوراق کی زینت بنائے گی۔

یہ ہیں نیک خلیفہ اور عادل حکمران۔ پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ جو اپنے اہل زمانہ میں سب سے بہتر انسان اور امت میں فضیلت اور تقوی میں یکتا شخصیت تھے۔

مدینہ منورہ کے گلستان میں پیدا ہوئے، ان کا سینہ خوشبوئے نبوت اور تاریخ کی یادوں سے منور تھا، ناز و نعم میں پل کر بڑے ہوئے اپنے دل میں صحابہ کا علم اور تابعین کے اجتہاد کو جمع کیا۔

ولید کے دور میں مدینہ کے گورنر بنے پھر سلیمان بن عبدالملک نے انہیں شام میں اپنا وزیر اور ولی عہد مقرر کیا۔ مسجد دمشق میں بیعت لی گئی۔ نحیف جسم، دھنسی ہوئی سی آنکھیں۔ نرم سفید چہرہ، خوبصورت اور خوب سیرت انسان، جن کا عدل اور زہد ضرب المثل ہے۔ بھیڑیئے ان کے دور میں بکریوں کے ساتھ چرتے تھے اور مملکت میں خوشحالی عام ہوگئی تھی۔

ان کی والدہ ام عاصمہ بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم تھیں۔ مدت خلافت ڈھائی سال رہی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عظمت جنگل میں گھومنے والے زاہدین کی طرح ہے کہ جن کے پاس دنیا مزین ہوکر آئے اور سامنے آکر گر جائے مگر یہ اس کو چھوڑ دیں۔

بادشاہ روم کا خراج تحسین

ایک دن بادشاہ روم زمین پر غمزدہ بیٹھا ہوا تھا، اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا کسی نے پوچھا، بادشاہ کی یہ کیا حالت ہے؟ جواب دیا کہ وہ نیک شخص دنیا سے چلا گیا، پوچھا کون شخص؟ کہا۔ عمر بن عبدالعزیز، پھر اس نے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوتے۔ (مزید گفتگو کے دوران اس نے کہا کہ) مجھے اس راہب سے تعجب نہیں ہوتا جو اپنا دروازہ بند کر دے، دنیا کو چھوڑ کر راہب بن کر عبادت

کرے۔ تعجب اس شخص پر ہے کہ دنیا جس کے قدموں کے نیچے ہو پھر وہ اسے چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو جائے۔

مالک بن دینارؒ کا خراج تحسین

حضرت مالک بن دینار حیرت انگیز خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حیرت انگیز زہد کی حکایت بیان کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔

ایک دن مالک بن دینار مریدین کے درمیان بیٹھے فرما رہے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ مالک بن دینار زاہد ہے۔ حالانکہ زاہد تو صرف عمر بن عبدالعزیز تھے جن کے پاس دنیا آئی مگر انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ اپنے کاندھے سے عظمت کا کپڑا کبر کی چادر اتار کر نفس کے غرور کو کچل دیا۔

میں ایک عام سا مسلمان ہوں

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز، مرحوم خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو دفنا کر فارغ ہوئے اور قبر سے باہر آئے تو زمین کے ہلنے اور دہلنے کی آواز سنی، جیسے کوئی بڑا عظیم حادثہ رونما ہو رہا ہو۔ پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟ جواب ملا کہ خلافت کی سواریاں ہیں امیر المومنین۔ اور یہ آپ کو لینے کے لئے آئی ہیں۔ یہ سن کر ان کے اندر نفس کے خیالات داخل ہوئے مگر انہوں نے انہیں کچل دیا اور باآواز بلند فرمایا۔ میرا ان سواریوں سے کوئی کام نہیں، انہیں مجھ سے دور کر دو اور میرا خچر لاؤ۔ چنانچہ خچر لایا گیا آپ اس پر عارفین کے تواضع کے ساتھ سوار ہو گئے۔ مسلح محافظ آپ کے ساتھ چلنے لگا تو آپ نے اسے جھڑک دیا دور ہو مجھ سے۔ میں تو ایک عام مسلمان شخص ہوں۔'' پھر آپ اپنے خچر پر سوار چلتے چلے گئے اور ایمانی عزت اور تواضع کی ہیبت آپ پر طاری تھی۔

تواضع اور زہد

آپ کا پیٹ سیر ہو کر کھانے کو جانتا نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ محتاجی ہے اس

شخص کو جسے سب سے زیادہ فکر پیٹ کی ہو۔

ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لئے کوئی دوا بنا دیں جس سے آپ کو کھانے کی خواہش پیدا ہو جائے؟ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، ''میں اس دوا کا کیا کروں گا؟ واللہ میں کسی نکلنے والی چیز کو داخل کروں تو جو چیز مجھ سے نکلے گی وہ مجھے تکلیف دے گی۔''

آپ نے دلوں کو باغ و بہار کرنا اور جسموں کی استقامت اپنا مقصد بنا لیا تھا۔ آپ کا نفس عمارتوں کے طویل کرنے میں نہیں لگا تھا۔ آپ فرماتے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت مبارک دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے کوئی عمارت نہیں بنائی نہ اینٹ پر اینٹ رکھی نہ ہی کسی بانس پر بانس رکھا۔''

ایک عامل نے لکھا کہ ہمارا شہر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے (اس کی مرمت کے لئے رقم عنایت فرما دی جائے) تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، اسے تقویٰ سے مضبوط کرو اور اس کے راستوں کو ظلم سے پاک کرو۔

دلوں کے معالج

آپ دلوں کے معالج تھے، آخرت میں رغبت رکھتے اور اسی کے لئے عمل فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک عامل کی شکایت آئی۔ آپ نے اس عامل کو خط لکھا کہ میرے بھائی جہنمیوں کی جہنم میں طویل بے خوابی اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کو یاد کر۔ خبردار (کوئی ایسا عمل مت کرنا کہ) اللہ تعالیٰ کے ہاں تجھ سے اعراض کر لیا جائے ورنہ آخری وقت اور امید ختم ہونے کا وقت ہوگا۔'' جب اس عامل نے یہ خط پڑھا تو طویل سفر کر کے عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں آ پہنچا، آپ نے پوچھا ''کیسے آئے؟'' اس نے کہا آپ کے خط سے تو میرا دل اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اب میں اپنے عہدے پر واپس نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاؤں۔

زہد اور اس کی ترغیب

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ ان کے بیٹے نے ایک ہزار درہم کا نگینہ خریدا ہے، آپ نے فوراً اپنے بیٹے کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ایک ہزار درہم میں کوئی نگینہ خریدا ہے، فوراً اس نگینے کو بیچ دو اور ایک ہزار (لوگوں کے) پیٹ بھرو اور دو درہم کی انگوٹھی بنا لو، اس کا نگینہ لوہے کا بناؤ اور اس پر لکھو، ”**رحم اللہ امرأ عرف قدر نفسہ**“ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے نفس کی قدر پہچان لے۔

یکتا قسم کا تقویٰ

آپ کا تقویٰ بڑا ہی یکتا نوعیت کا تھا، باخبر بلند مرتبہ جسے آپ نے خود اس مرتبہ میں ڈھالا تھا جو عقلوں کی پہنچ سے بھی آگے تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے تقویٰ جیسا تقویٰ۔

ایک دن آپ کے پاس غنیمت کی مشک (خوشبو) لائی گئی آپ نے فوراً ہاتھ سے ناک پکڑ کر بند کر دی۔ فرمانے لگے مشک سے نفع سونگھ کر اٹھایا جاتا ہے، مجھے یہ پسند نہیں کہ دوسرے مسلمانوں کے بغیر میں اسے سونگھوں۔

آپ کا تقویٰ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ خلافت (مملکت) کے اونٹ تک استعمال نہیں فرماتے تھے حالانکہ بیت المال آپ کی نگرانی میں تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک عامل کو خط لکھا کہ وہ ان کے لئے شہد خرید کر بھیجے۔ لیکن مسلمانوں کے اموال (اجتماعی مال۔ بیت المال) میں سے کسی چیز کو اس کے لئے استعمال نہ کرے۔ چنانچہ اس عامل نے شہد خرید کر بھیجا لیکن ڈاک کے گھوڑوں پر لاد کر بھیجا۔ جب شہد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچا تو آپ نے لانے والے سے دریافت کیا کہ کس چیز پر لائے؟ اس نے کہا ڈاک پر۔ تو حضرت عمر نے وہ شہد بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دے دیا۔

تواضع کا تاج

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے سینہ اور دل کو تواضع کے تاج سے مزین فرما دیا تھا اور لوگوں کو عظمت کے جوہر سکھایا کرتے تھے اور اپنے اعمال سے عظیم لوگوں کے تواضع کی کتاب کی پہلی سطر لکھی۔

چنانچہ ایک رات آپ ایک مہمان کے ساتھ بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے کہ اچانک چراغ کی لو مدھم ہوگئی اور بجھنے کے قریب ہوگئی۔ تو مہمان نے کہا کہ میں چراغ صحیح کر کے لاتا ہوں، مگر آپ نے فرمایا کہ مہمان سے خدمت لینا کوئی عزت کی بات نہیں ہے۔ مہمان نے کہا کہ پھر غلام کو اٹھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ابھی کچی نیند میں ہے۔ پھر آپ خود اٹھے چراغ میں تیل ڈالا اور اسے پھر سے روشن کیا اور دوبارہ مہمان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ مہمان نے کہا کہ ''اے امیر المومنین! آپ خود اٹھ کر کام کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، میں جب گیا تو عمر تھا اور اب واپس آیا ہوں تو بھی عمر ہی ہوں۔''

ایک کپڑا۔ وہی اپنے پیشروؤں کا طرز

ایک دن مسلمہ بن عبدالملک، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا دیکھا کہ آپ اپنے گھر کے کونے میں بیٹھے ہیں اور تہبند اوڑھا ہوا ہے۔ مسلمہ نے سمجھا کہ آپ بیمار ہیں، تو پوچھنے لگا کہ امیر المومنین آپ کو کیا ہوا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہوا۔ بس اتنی سی بات ہے کہ میں اپنے تہبند کے سوکھنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس نے پوچھا، کوئی دوسرا تہبند کیوں نہیں بنا لیتے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز رونے لگے حتی کہ آپ کی داڑھی پر آنسو بہنے لگے اور آپ بار بار یہ آیت دہراتے جاتے۔

''یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں سربلندی اور فساد نہیں چاہتے۔'' (القصص:۸۳)

ایک مرتبہ آپ بیمار ہو گئے اور اپنے کمزور سے جسم کو بستر پر ڈال دیا، آپ کی

عیادت کرنے کے لئے آپ کا چچا زاد اور برادر نسبتی مسلمہ بن عبدالملک آیا۔ دیکھا کہ آپ نے ایک میلی سی قمیص پہنی ہوئی ہے۔تو اپنی بہن فاطمہ سے کہنے لگا کہ اے فاطمہ امیر المومنین کی قمیص دھو دو۔تو انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ دھو دوں گی۔ پھر دوبارہ جب وہ عیادت کے لئے آیا تو وہی میلی قمیص پہنے دیکھا تو غصہ سے اپنی بہن سے کہا کہ میں نے تمہیں امیر المومنین کی قمیص دھونے کا کہا تھا؟ لوگ ان کی عیادت کے لئے آتے ہیں۔تو اس کی بہن فاطمہ نے افسوس سے کہا کہ بھائی خدا کی قسم امیر المومنین کے پاس دوسری قمیص نہیں ہے (کہ وہ پہن لیں کہ اس قمیص کو دھولیا جائے)

آخری لمحات

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کا وقت قریب آیا تو رو پڑے۔کسی نے کہا کہ امیر المومنین کیوں روتے ہیں؟ آپ کو تو خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے سنتوں کو زندہ کیا اور عدل کو غالب فرما دیا۔ یہ سن کر تو اور زیادہ روئے۔ فرمایا کیا مجھے کھڑا کر کے مخلوق کے معاملے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ لوگوں نے بٹھا دیا، تو گڑ گڑا کر امید و خوف کے ملے جلے انداز سے اعترافاً کہنے لگے۔

میں وہ ہوں جسے تو نے حکم دیا تو میں نے کوتاہی کی۔تو نے منع کیا تو میں نے نافرمانی کی (تین مرتبہ ارشاد فرمایا) لیکن اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر آپ نے اردگرد کھڑے لوگوں کو اشارے سے فرمایا کہ آپ لوگ باہر چلے جایئے کیونکہ میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو نہ تو جن ہیں نہ ہی انسان۔'' چنانچہ لوگ باہر چلے گئے اور آپ کے پاس صرف خادم رہ گیا۔ پھر آپ یہ آیت تلاوت کرنے لگے۔

''یہ آخرت کا گھر ہے ہم نے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں سر بلندی اور فساد نہیں چاہتے اور اچھا انجام تقوے والوں کا ہے۔'' (القصص آیت نمبر ۸۳)

وفات

پھر خادم باہر آیا اور اس نے اشارہ کیا تو لوگ اندر داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ وہ قبلہ رخ ہیں اور روح قبض کی جا چکی ہے۔ اور ان کی روح ان کے جسم اور دنیا کو چھوڑ کر شوق کے پروں پر سوار ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ ۱۰۱ ہجری تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

(متوفی ۲ ہجری بمطابق ۶۲۴ء)

☆ وہ شخص جس کی وفات پر رسول اکرم ﷺ روئے اور اسے بوسہ دیا۔

☆ پیوند لگے کپڑوں سے دنیا کو شکست دینے والا انسان

☆ جس کی روح اس کے جسم سے پہلے جنت پہنچ گئی۔

☆☆☆

تنگدستی اختیار کرنے والا ایک غمزدہ انسان' دو ہجرتیں کرنے والا' جس نے دنیا سے کچھ حاصل نہ کیا نہ دنیا اس کا کچھ بگاڑ سکی۔ جس کی زندگی اسلام سے لحد تک تقوے اور زہد سے عبارت تھی۔ جس کا سینہ ہمہ گیر شعور سے لبریز تھا۔

یہ تھے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔ دار ارقم میں رسول اکرم ﷺ کے دخول سے قبل اسلام لائے۔ دو ہجرتیں کیں۔ دور جاہلیت میں عرب دانشوروں میں سے تھے۔ اسلام سے پہلے ہی اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ سادات مہاجرین میں سے تھے۔ مدینہ میں سب سے پہلے وفات پانے اور سب سے پہلے جنت البقیع میں مدفون ہونے والے صحابی ہیں۔

دن کو روزہ رکھتے رات کو نماز پڑھتے۔ ترک دنیا کر کے سیاحت اختیار کرنا چاہی تو رسول اکرم ﷺ نے روک دیا۔ اپنی زندگی کو بغیر دیواروں کا معبد بنالیا تھا۔

کھردرا اور موٹا لباس پہنتے سوکھے ٹکڑے نوش جاں فرماتے۔

حضرت عثمان کی زوجہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس گئیں تو وہ زیب و زینت چھوڑ چکی تھیں۔ ازواج مطہرات نے دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ تمہارے شوہر تو قریش کے سب سے مالدار شخص ہیں۔ زوجہ عثمان نے کہا کہ وہ رات کو نمازیں پڑھتے رہتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔

ایک دن حضرت عثمان خدمت نبوی ﷺ میں آئے تو پھٹے ہوئے لباس پر چمڑے کا پیوند لگائے ہوئے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کو ان کی حالت پر بڑا رحم آیا اور صحابہ کرام کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

''اس دن تم کس حال میں ہو گے جب تم میں سے ایک شخص صبح کو ایک لباس پہنے گا اور شام کو دوسرا لباس پہنے گا۔ اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جائے گا دوسرا اٹھایا جائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۵)

وفات

حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کی خبر جب رسول اکرم ﷺ کو پہنچائی گئی تو تیزی سے ان کے ہاں پہنچے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر دراز ہیں۔ آپ ان کے قریب جا کر انہیں چومنے لگے۔ آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمان بن مظعون کے رخساروں پر گر رہے تھے۔ آپ ﷺ یہ فرماتے جاتے۔ ''اے عثمان اللہ تم پر رحم فرمائے تم نے دنیا سے کچھ حاصل کیا نہ دنیا تمہارا کچھ بگاڑ سکی۔''

(الترمذی:۹۸۹)(حلیۃ الاولیاص ۱/ ۱۰۵)

﴿سیدنا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ﴾

(متوفی ۳ ہجری بمطابق ۶۲۵)

☆ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ تاریخ آنے والوں کے لیے اس کا قصہ وقت کے اہم لوگوں میں لکھے گی۔

☆ ایک جوان جس کا نام امر ہو جانے والوں کی فہرست میں لکھ دیا گیا۔

☆ جس کے دل کی آواز ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت'' تھی۔

☆ ایمان کے بہادروں میں ایک بہادر سردار

☆☆☆

جس نے اپنے الفاظ سے انصار کے دل جیت لیے جس کی آواز مشعل بن کر آئی تا کہ شرک کے اندھیروں کو دور کردے۔ یہ ہیں ''مصعب الخیر'' ایمان کے شہسواروں میں سے ایک شہسوار۔

قریش کا قابل بھروسہ نوجوان جو اپنے اہل میں بڑا معزز اور نیک تھا جس میں خوش پوشاکی وخوراکی اور عقل کی رجاحت جمع تھی جو چیز وہ صبح کے وقت کھاتا یا پہنتا تو شام کے وقت تک اس کے پاس ٹھہرتی نہ تھی مگر...... ایمان کے الفاظ نے اس کے کانوں کو چیر دیا تا کہ دل میں جگہ بنالے۔ چنانچہ اس نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور دار ارقم میں داخل ہو گیا۔ اور خفیہ طور پر آتا جاتا رہا۔ اس کے گھر والوں کو علم ہوا تو انہوں نے اس کو پکڑ کر قید کر دیا۔ مگر یہ ان کی قید سے بھاگ کر مہاجرین حبشہ کے ساتھ حبشہ پہنچ گیا۔ پھر مکہ آیا اور وہاں سے ہجرت کر کے مدینے چلا گیا۔ نرم کھال والا درمیانے قد کا انسان تھا۔ اسلام کا پہلا سفیر اور مدینہ منورہ میں پہلا جمعہ قائم کرنے والا (جلیل القدر عظیم شہید صحابی)۔

حضرت مصعب خود کو نعمتوں کی زندگی سے نکال کر تنگی اور فاقہ مستی میں لائے کھردرے کپڑے پہنے اور اپنے زہد کی بناء پر انصار کے دلوں میں براجمان ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ اپنی گفتگو سے صحابہ کے دلوں کو غذا بہم پہنچا رہے تھے کہ اسی دوران حضرت مصعب بن عمیر وہاں آئے پیوند لگے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو ان کی جسم پوشی کو ناکافی تھے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو رقت طاری ہوگئی اور ان کی حالت دیکھ کر آپ کو بڑا رحم آیا۔

نبی کریم ﷺ فرمانے لگے۔ اس شخص کو دیکھو کہ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نور سے بھر دیا ہے۔ میں نے اسے اس کے ماں باپ کے درمیان دیکھا جو اسے بہتر سے بہتر کھانے پینے کی چیزیں فراہم کیا کرتے تھے۔ میں نے اسے وہ لباس بھی پہنے دیکھا ہے جو اس نے دو سو درہم میں خریدا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے اسے اس حال میں پہنچا دیا ہے جو کہ تم دیکھ رہے ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا خراج تحسین

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے کھانا لایا گیا' جب ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ شدید رونے لگے پھر اپنی بکھری سانسوں کو مجتمع کر کے فرمایا کہ

حضرت مصعب بن عمیر جنگ احد کے دن شہید ہوئے ہمیں ان کے کفن کے لیے کپڑا تک نہ ملا۔ انہوں نے ایک چادر (جس پر سفید لکیریں تھیں) پہنی ہوئی تھی ہم نے اسی سے ان کو ڈھانپنا چاہا تو جب سر ڈھانپتے تو پیر کھل جاتے پیر ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ بہرحال نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر (اذخر) گھاس کے پتے وغیرہ ڈال دیئے جائیں۔

شہادت

حضرت مصعب بہادری اور جاں نثاری کے پیکر تھے۔ ان کے دو ہاتھ تھے۔ ایک ہاتھ سے اسلام کا جھنڈا سنبھالتے اور دوسرے ہاتھ سے تلوار چلاتے۔ چنانچہ جب ایک ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا' دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈا رانوں کے درمیان دبا کر سینے سے چمٹا لیا۔ پھر ابن قمیہ نامی بدبخت نے آپ کو

نیزہ مارا جو آپ کے پاکیزہ جسم کے آر پار ہو گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

(متوفی ۱۸ ہجری بمطابق ۶۳۹ عیسوی)

☆ ایسا شخص جسے فرشتوں نے ادب سکھایا۔
☆ جس کے اگلے دو دانت اس سے پہلے جنت میں پہنچے۔
☆ ایسا امیر جنہیں کوئی دیکھتا ان پر صدقہ کرتا۔

☆☆☆

ان کے دو ہاتھ تھے ایک ہاتھ مال خرچ کرتا اور غریبوں پر سرور لاتا اور دوسرا ہاتھ دشمنوں کو مار لگاتا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالتا۔

یہ تھے ''امین الامت'' امیر قائد عامر بن عبداللہ بن جراح قریشی رضی اللہ عنہ جو کہ شامی علاقوں کے فاتح' عشرہ مبشرہ میں سے ایک' اسلام لانے والے ابتدائی لوگوں میں سے ایک' تمام معرکوں میں حاضر رہے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

میدان احد میں موت پر بیعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور خود کی کڑیاں آپ ﷺ کے چہرہ انور سے اپنے دانتوں سے کھینچ نکالیں' جس سے اگلے دانت ٹوٹ گئے۔ چنانچہ یہ وہ شخص تھے جن کے دانت سب سے بہتر طریقے سے ٹوٹے۔

حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال کا نگران بنایا اور حضرت عمرؓ نے شام کے علاقوں میں جہاد کرنے والے لشکر کی قیادت سونپی۔ ان کے دو بیٹے تھے دونوں وفات پا گئے لہٰذا نسل میں کوئی باقی نہ رہا۔

امت کے امین

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر قوم کا ایک امین ہوتا ہے۔ میری امت کے

امین ابوعبیدہ ہیں۔ (مسلم: ۲۴۱۹)

حضرت عمر کی تمنا

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمنشینوں سے فرمایا تم میں سے ہرایک کوئی تمنا کرے۔ چنانچہ ہرایک نے کوئی نہ کوئی تمنا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن میری تمنا یہ ہے کہ ایک گھر ہو جو ابوعبیدہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو۔''

تواضع اور زہد

حضرت ابوعبیدہ کے تواضع اور زہد کا یہ حال تھا فرماتے تھے کہ لوگوں میں جو بھی شخص لال ہو کہ کالا' آزاد ہو یا غلام' اگر میں جانتا ہوں کہ یہ شخص تقوے کے اعتبار سے مجھ سے افضل ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اس کے جیسا بن جاؤں۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام پہنچے۔ عام لوگ اور وہاں کے معززین ان سے ملے۔ آپ نے فرمایا میرا بھائی کہاں ہے؟ کسی نے کہا۔ کون؟ آپ نے فرمایا۔''ابوعبیدہ'' لوگوں نے کہا وہ ابھی آتے ہی ہیں۔ اتنے میں ابوعبیدہ آ گئے۔ حضرت عمر اترے ان سے معانقہ کیا تو ابوعبیدہ نے کہا کہ میرے گھر چلیں چنانچہ حضرت عمر ان کے ہاں پہنچے۔ دیکھا تو صرف ان کی تلوار' کمان اور سفری تھیلا موجود تھا پوچھا کہ تم تو امیر ہو تمہارا سامان کہاں ہے؟ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت ابوعبیدہ کھڑے ہوئے ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی اور اس میں سے کچھ سوکھے ٹکڑے برآمد کیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر کو رونا آ گیا۔ فرمانے لگے۔'' تم نے وہ کچھ کیوں نہیں اختیار کیا جو تمہارے ساتھیوں نے اختیار کیا ہے؟ تو حضرت ابوعبیدہ نے کہا اے امیر المومنین ایسا کرنا مجھے لوگوں کی باتیں سننے کی حالت میں پہنچا دیتا۔ حضرت عمر نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔ اے ابوعبیدہ ہم سب کو دنیا نے بدل دیا سوائے تمہارے (تم نہیں بدلے)۔

سخاوت وایثار

حضرت ابوعبیدہ بڑے کریم اورسخی انسان تھے۔ زہد اور سخاوت کی اعلیٰ مثال تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب نے چارسو دینار لیے اور انہیں ایک تھیلی میں ڈال کر غلام کو فرمایا کہ جاؤ یہ ابوعبیدہ کے پاس لے جاؤ اور دیکھنا کہ وہ ان سے کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ غلام گیا اور وہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ حضرت عمرؓ نے بھیجی کہ آپ اسے اپنی بعض ضروریات میں خرچ فرمالیں۔

حضرت ابوعبیدہ نے وہ تھیلی لی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر کو صلہ دے اس پر رحم فرمائے۔ اور پھر اپنی باندی کو آواز دی۔ اے لڑکی یہاں آؤ۔ یہ سات درہم فلاں کو دے آؤ۔ یہ پانچ فلاں کو اور یہ فلاں کو...... حتیٰ کہ چارسو درہم ختم کردیئے۔ یہ دیکھ کر غلام نے جا کر حضرت عمر کو صورت حال بیان کردی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرح صدر کے ساتھ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسلام میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں۔ جن کا عمل ایسا ہے۔

خدا کے فیصلوں پر رضامندی

شام میں طاعون پھیل گیا حتیٰ کہ وہاں کوئی گھر نہیں بچا جس سے کوئی ایک جان اس طاعون نے نہ لی ہو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ کو لکھا کہ وہ جلدی سے مدینہ آنے کی کوشش کریں۔ (آپ طاعون کی وجہ سے ان کی طرف سے فکر مند تھے)۔

حضرت ابوعبیدہ نے جب خط پڑھا تو کہنے لگے کہ میں امیر المومنین کا مقصد سمجھ گیا ہوں کہ وہ اس کو بچانا چاہتے ہیں جو (ہمیشہ) باقی رہنے والا نہیں۔ پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوابی خط لکھا کہ

''میں آپ کا مقصد سمجھ گیا ہوں لیکن اپنے ارادے سے مجھے آزاد کردیجئے

کیونکہ میں مسلمان فوج کا ایک سپاہی ہوں اور ان لوگوں سے دور نہیں ہوسکتا۔ (انہیں تنہا چھوڑ کر نہیں آ سکتا)''۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوابی خط پڑھا تو بہت روئے۔ کسی نے پوچھا کیا حضرت ابوعبیدہ وفات پا گئے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

وفات

لیکن چند ہی دن بعد حضرت ابوعبیدہ وفات پا گئے اور طاعون بھی ختم ہو گیا اور وہ ''طاعون عمواس'' میں سن ۱۸ ہجری میں انتقال فرما گئے ان کی عمر پچاسی سال تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

(متوفی ۱۸ ہجری بمطابق ۶۳۹ عیسوی)

☆ وہ شخص کہ نبی کا دیدار جس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔
☆ اسلام نے جسے ایمان کے گلستان میں پگھلا دیا۔
☆ ایسا شخص جس کی محبت نبی کریم ﷺ کے دل میں گھر کر گئی تھی۔

☆☆☆

وہ شخص بذات خود ایک امت تھا۔ جسے نبی کریم ﷺ نے ایمان اور زہد کی تلقین فرمائی۔ یہ حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ زاہدوں کے تاجدار علماء کا خزانہ امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کرنے والے چھ افراد میں سے ایک۔

ہئیت میں بہت خوبصورت چمکتے چہرے' خوبصورت دانتوں' چمکیلے ثنایا (اگلے دو دانت) سرمگیں آنکھیں' عطا کی گئی شفقت' میٹھی گفتگو' حیرت انگیز بیان' چپ ہوں تو آنکھوں کو اچک لیں گفتگو کریں تو دلوں پر قابض ہو جائیں گویا کہ ان کی زبان سے نور اور موتی بکھر رہے ہوں۔

جب اسلام لائے تو نو عمر جوان تھے' ستر انصار کے ہمراہ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے درمیان مواخات قائم فرمائی' بدر' احد' خندق اور دیگر معرکوں میں حاضر رہے۔

نبی کریم ﷺ کی زیارت ان کی آنکھوں کا سرمہ تھا' نبی کریم کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے۔ خدمت فرماتے اور سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھتے۔ غزوہ تبوک کے بعد اہل یمن کے قاضی اور مرشد بنا کر بھیجے گئے۔ اور نبی کریم ﷺ کے سانحہ ارتحال تک اسی عہدے پر رہے۔ عہد صدیقی میں مدینے واپس آ گئے۔ پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جہاد شام میں شریک رہے اور حضرت ابوعبیدہ کی وفات کے بعد انہیں ان کی جگہ نائب بنایا گیا تو حضرت عمرؓ نے انہیں امیر جیش کے طور پر برقرار رکھا۔

انصار کا ایک بافضیلت جوان

انصار کے جوانوں میں حلم' سخاوت' کرم' زہد وغیرہ میں سب سے افضل تھے' اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے انہیں مل جاتا۔ اپنی ذہانت اور سخاوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے۔

☆ علم میں وہ مقام حاصل تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ" میری امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں۔

(ترمذی: ۳۷۹۰)

☆ عقل کے راجح ہونے کی دلیل رسول اکرم ﷺ کا ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر یہ فرمانا کہ" اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو توفیق عطا فرمائی۔ (ترمذی: ۱۳۲۷)

☆ رسول اکرم ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا۔" اے معاذ مجھے تم سے محبت ہے۔" (ابوداؤد: ۱۵۲۲)

ایک اور جگہ فرمایا۔ ''قیامت کے دن معاذ لوگوں کے سامنے اپنے قدموں سے آئیں گے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے علم اور عقل کی مدح کرتے ہوئے فرمایا کہ ''عورتیں معاذ جیسا کوئی اور پیدا کرنے سے عاجز ہوگئی ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حضرت معاذ بڑے موحد اور اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو اور اپنی ذات میں ایک امت تھے۔

☆☆☆

ایک دن بیٹھے اپنے غلام کو نصیحت فرما رہے تھے کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو ایسے پڑھو کہ یہ تمہاری آخری نماز ہے اور تم دوبارہ کبھی نماز نہ پڑھ سکو گے۔ اور یہ جان لو کہ موت دو قسم کی نیکیوں کے درمیان مرنا ہے ایک تو وہ جو اس نے آگے پہنچائی ہے اور دوسری قسم وہ جسے اس نے مؤخر کر دیا ہے۔

حضرت معاذ میں ہیبت سر کے بالوں کی جڑ سے لیکر پاؤں کے تلوے تک بھری ہوئی تھی۔ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھتے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے جب اصحاب رسول ﷺ کے درمیان گفتگو فرماتے تو وہ ان کی جانب ہیبت سے دیکھتے (مرعوب ہوکر) اور ان کی آنکھیں حیاء کے مارے بہنے لگتیں۔

تقویٰ کی حالت

تقویٰ نے ان کے دل کو پگھلا کر رکھ دیا تھا اور اس میں یہ ایک خاص قسم کی لذت جو دنیا کے عشاق کی لذت سے فائق تھی۔ محسوس فرماتے تھے۔ ان پر تقویٰ کا بادل سایہ کیے رہتا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے وساوس گھیرے رہتے۔

حضرت معاذ کی دو بیویاں تھیں جب وہ ایک کے گھر میں ہوتے تو دوسری کے

گھر سے نہ پانی پیتے اور نہ ہی وضو فرماتے۔ پھر یہ دونوں بیویاں شام میں ''طاعون عمواس'' میں ایک ہی دن وفات پا گئیں لوگ مصروف تھے چنانچہ آپ نے ہی ان کے لیے قبر کھودی اور اس بات کے لیے قرعہ ڈالا کہ پہلے کس بیوی کو قبر میں ڈالا جائے۔

حضرت معاذ جب شام آئے تو ان سے کہا گیا کہ اگر آپ لوگوں کو حکم دے دیں کہ آپ کے لیے چٹانی پتھر اور لکڑیاں جمع کریں تا کہ آپ کے لیے ایک عمارت بنا دیں؟ تو فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں قیامت کے روز مجھے اس عمارت کو کمر پر اٹھا لانے کے لیے نہ کہہ دیا جائے۔

☆☆☆

اخلاص و زہد

آپ نے اپنے اخلاص سے دنیاوی وساوس کو قطع کر دیا تھا اور خود کو انفاق کے گلستان میں لا چھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور غلام کو دیکر فرمایا کہ جاؤ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دے آؤ اور دیکھنا کہ وہ ان سے کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ غلام گیا اور عرض کیا کہ یہ تھیلی امیر المومنین حضرت عمر نے بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ اسے اپنی بعض ضروریات میں خرچ فرمالیں۔ حضرت معاذ نے وہ تھیلی لیکر حضرت عمر کو صلہ اور رحمت کی دعا دی اور پھر اپنی باندی کو آواز دی۔ اے لڑکی ادھر آؤ فلاں کے گھر اتنے دینار دے آؤ فلاں کے گھر اتنے دینار دے آؤ۔ اتنے میں ان کی بیوی کو یہ بات معلوم ہوگئی وہ آئیں اور عرض کیا کہ واللہ ہم بھی مساکین ہیں ہمیں بھی دے دو تو تھیلی میں صرف دو درہم بچے تھے انہوں نے وہ انہیں دے دیئے۔

غلام نے واپس جا کر بتایا تو حضرت عمر نے فرمایا۔ الحمد للہ اللہ کا شکر ہے۔ جس نے اسلام میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو ایسا عمل کرتے ہیں۔ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے عمل جیسا دیکھا (قارئین پڑھ چکے ہیں کہ حضرت

ابو عبیدہ کے پاس بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح چار سو دینار بھیجے تھے۔ المستطرف میں یہ واقعہ ایک ہی دن کا مذکور ہے (مترجم) تو فرمایا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ روضہ اطہر رسول ﷺ کے پاس آئے تو دیکھا کہ حضرت معاذ رسول اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اپنے نبی پر رو رہے ہو؟ تو حضرت معاذ نے ہچکیوں میں جواب دیا کہ نہیں۔ لیکن میں نے انہیں اسی جگہ یہ فرماتے سنا تھا کہ معمولی سی ریاء بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں وہ تقویٰ والے لوگ زیادہ محبوب ہیں جو جب موجود نہ ہوں تو انہیں ڈھونڈا نہیں جاتا۔ اور جب موجود ہوں تو پہنچانے نہیں جاتے۔ یہی لوگ علم کے چراغ اور ہدایت کے ائمہ ہیں۔

آخری لمحات

حضرت معاذ بستر میں بیٹھے ہیں۔ طاعون سے متاثر ہو چکے ہیں۔ عیادت کرنیوالے انہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔ آپ نے ایک شخص کو ہچکیاں لے لے کر روتے دیکھا۔ تو اس سے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میں اس دنیا پر نہیں رو رہا جو مجھے تم سے حاصل ہوتی تھی' بلکہ میں اس علم (کے کھو دینے) پر رو رہا ہوں جو میں تم سے حاصل کیا کرتا تھا۔

آپ کے پاس علم سے محبت کرنے والا ایک شخص آیا کہنے لگے مجھے کچھ سکھائیے۔ حضرت معاذ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ روزہ رکھو اور بے روزے بھی رہو۔ نماز بھی پڑھو آرام بھی کرو۔ کماؤ مگر گناہ مت کماؤ اور اس حال میں مرنا کہ تم مسلمان ہو اور مظلوم کی بددعا سے بچنا۔

حضرت معاذ بستر مرگ سے لگ گئے۔ صبح ہوتی تو فرماتے۔ ''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس رات سے جس کی صبح آگ میں ہو۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں

دنیا سے نہروں کے کھودنے اور درخت اگانے کے لیے محبت نہیں کرتا تھا بلکہ میں پیاسوں کو پانی پلانے، چند گھڑی کو تیری راہ میں تھکنے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے ساتھ شریک ہونے کے لیے کیا کرتا تھا۔

وفات

پھر سکرات موت طاری ہوگئی۔ بار بار ہوش میں آتے اور بے ہوش ہوتے۔ پھر اپنی بکھری ہوئی آواز کو مجتمع فرما کر کہا۔ "اے میرے رب! غم تیرا غم ہے۔ تیری عزت کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور اسی حال میں آپ کی روح شام میں اردن کے کنارے ۱۸ ہجری میں پرواز کرگئی۔ غور میں مدفون ہوئے۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ

سیدنا حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ

(متوفی ۲۰ ہجری بمطابق ۶۴۱ عیسوی)

☆ ایمان کے ستونوں میں سے ایک حیرت انگیز نمونہ اور مثال۔
☆ زہد کے سرکردہ ناموں میں سے ایک نام۔
☆ ایک گورنر جسے تاریخ نے فقراء کی فہرست میں لکھ دیا۔
☆ جن کے فضائل اور محاسن بے سروسامانی، رقت مال، کم قیمت کپڑوں اور اجنبیت کے پیچھے چھپے ہیں۔
☆ جس نے اپنے صحیفہ اعمال میں نبی کریم کا زہد، ابو بکر کا تقویٰ اور عمر کا عدل جمع کر رکھا تھا۔

☆☆☆

تارک دنیا گورنر، جو خیبر سے پہلے اسلام لائے اور ہجرت کی اور اس کے بعد خیبر اور دوسرے معرکوں میں حاضر رہے، یہ ہیں سعید بن عامر جمحی جو بڑے اور بافضیلت صحابہ میں شامل ہیں۔ اپنے فضل، زہد اور خیر کی بنا پر مشہور ہوئے۔ تجربہ کار دانا شخص تھے

جانتے تھے کہ فضائل میں کیسے آگے بڑھا جاتا ہے۔

یہ جب اپنا وظیفہ نکالتے تو پہلے گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا سامان خرید لیتے اور جو باقی بچتا وہ سب صدقہ کر دیتے۔ بیوی پوچھتی کہ باقی رقم کہاں ہے تو جواب دیتے کہ اپنے رب کو قرض کے طور پر دیدی ہے۔

واعظ بالحق

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس خلافت کے ابتدائی دنوں میں تشریف لائے اور بلند آواز سے نصیحت کی۔ "اے عمر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا اللہ کے معاملے میں لوگوں سے نہ ڈرنا اور تمہارا کوئی قول تمہارے فعل کا مخالف نہ ہو۔ اس لیے کہ بہترین قول وہ ہے کہ فعل جس کی تصدیق کرے۔ اے عمر اپنی توجہ ان کی سمت جما دینا جن مسلمانوں کے معاملے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ولی وحکمران بنایا ہے۔ اور ان کے لیے وہی کچھ پسند کرنا جو اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرو۔ اور ان کے لیے وہ چیز ناپسند سمجھنا جو تم اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے ناپسند سمجھتے ہو۔ سختیوں کو حق سے ملا دینا (تاکہ خلاف شرع کام سرزد نہ ہو)۔

ان کی باتیں سن کر حضرت عمر پر رقت طاری ہوگئی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اے سعید ان سب کاموں کی استطاعت کسے ہے؟ سعید نے جواب دیا کہ اس کی استطاعت تم جیسے آدمی کو ہے جو ان میں سے ہے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی حکومت کا اہل ونگران بنایا ہے اور اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت سعید بن عامر کی محبت بیٹھ گئی اور ان کا دل سعید کے ان الفاظ کا دیوانہ ہوگیا جن سے دنیا سے بے رغبتی جھلک رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ ان جیسے لوگ ہی امارت اور حکمرانی کے اہل ہیں لہٰذا حکم نامہ جاری کر کے انہیں شام بھیجنے کا فیصلہ کرلیا اور حمص کا گورنر بنا دیا۔ جو کہ انتہائی

مالداروں اور تاجروں کا شہر تھا جہاں عقلمند اپنی سمجھ کھو بیٹھتا ہے لہٰذا وہاں ان جیسا ہی کوئی تارک دنیا شخص گورنری کے لیے موزوں ہوسکتا تھا۔

عہدہ قبول کرنے میں تامل اور انکار

چنانچہ حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ ''میں تمہیں گورنر بنانا چاہتا ہوں۔'' یہ سن کر حضرت سعید کا رنگ متغیر ہوگیا اور مارے خوف کے کپکپانے لگے۔ فرمایا۔ ''اے امیر المومنین مجھے فتنہ میں مت ڈالیے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے لوگوں کا امیر بنا کر بھیج رہا ہوں جن سے تم افضل نہیں ہو اور نہ ہی اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان کی گردنیں اڑاؤ ان کی عزت خراب کرو۔ بلکہ اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان کے ذریعے ان کے دشمن سے جہاد کرو اور ان کے درمیان ان کے غنائم تقسیم کرو۔

چنانچہ حضرت سعید کے آنسو خشک ہوگئے۔ نفس پر سکون ہوگیا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں سے نکلی آواز حق کے سامنے سر جھکا دیا۔ لہٰذا ان کی درخواست منظور کرلی۔ پھر حضرت سعید نے اپنی لاٹھی کندھے پر رکھی اور اپنا رخ دیار شام کی جانب کردیا۔

سعید بن عامر کی گورنری اور زہد

دن تیزی سے گزرتے چلے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام پہنچے۔ اس کے اطراف اور گاؤں دیہات کا دورہ کیا حتیٰ کہ حمص میں جا کر اترے۔ وہاں کے دوسرے ذمہ داروں سے فرمایا کہ یہاں کے فقراء کے نام لکھ کر دیئے جائیں۔ انہوں نے فہرست حضرت عمر کے حوالے کی تو اس میں سعید بن عامر کا نام بھی تھا۔ حضرت عمر نے نام دیکھ کر پوچھا۔ یہ کون سعید بن عامر ہے؟ جواب ملا کہ ''یہ ہمارے امیر ہیں'' حضرت عمر نے حیرت سے پوچھا کہ تمہارا امیر بھی فقراء میں شامل ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''جی ہاں''۔

حضرت عمر نے پوچھا کہ ان کا وظیفہ اور رزق کہاں جاتا ہے؟ تمہارا گورنر غریب کیسے ہوسکتا ہے؟ ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین وہ اپنی کوئی چیز مساکین

کو دینے سے بچا نہیں پاتے۔'' یہ سن کر حضرت عمر رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

پھر آپ نے ایک ہزار دینار ایک تھیلی میں ڈالے اور ان کے پاس بھجوا دیئے اور قاصد کو کہا کہ ان کو کہنا کہ ان سے اپنی ضروریات میں مدد لے لیں۔ چنانچہ جب قاصد ان کے پاس آیا تو انہوں نے تھیلی لے کر دیکھا تو اس میں دینار تھے۔ انہوں نے دیکھ کر ''انا للہ'' پڑھی اور ان پر رنج و غم کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ان کی بیوی نے یہ منظر دیکھا تو پوچھا کیا ہوا؟ کیا امیر المومنین وفات پا گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں اس سے بھی عظیم بات ہے۔ بیوی نے پوچھا کیا قیامت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی بڑی بات ہوئی ہے۔ بیوی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا کہنے لگی ہوا کیا ہے؟ تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ اپنے چہرے سے غم کھرچ چکے تھے فرمانے لگے کہ دنیا میرے پاس آئی ہے۔ میرے گھر میں فتنہ داخل ہوا ہے یہ دنیار ہیں۔ ان کی بیوی نے کہا۔ آپ ان کا جو دل چاہے کیجئے۔ چنانچہ آپ نے جلدی جلدی تھیلی باندھی اور نکلے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جہاد پر روانہ ہو رہا تھا۔ انہوں نے وہ سارے دینار ان میں تقسیم کر دیئے۔ جب واپس آئے تو بیوی نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اگر کچھ دینار بچا لیتے تو ہم اس سے کچھ گزارا کر لیتے۔ تو سعید بن عامر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر اہل جنت کی کوئی عورت زمین پر اتر آئے تو ساری زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے۔'' اس لیے واللہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ان پر تمہیں ترجیح دیتا۔ یہ سن کر وہ چپ ہوگئیں۔

سعید بن عامر سے اہل حمص کے چار شکوے

حضرت عمر رضی اللہ کے گرد اہل حمص جمع تھے وہ عاملوں کی شکایتیں بہت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ اے اہل حمص تم کو اپنے امیر سے کیا شکایتیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے امیر سے چار شکایتیں ہیں۔

(۱) وہ دن چڑھنے سے پہلے گھر سے باہر نہیں آتے۔
(۲) رات کو کسی کا جواب نہیں دیتے۔
(۳) مہینے میں ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ اس میں ہم سے نہیں ملتے۔
(۴) بعض دنوں میں اتنے غمگین رہتے ہیں کہ یہ ہوش سے بیگانے ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر بے چین ہوگئے۔ پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی اے اللہ! سعید کے بارے میں میرے گمان کو ناکام مت ہونے دیجیو۔

چنانچہ آپ نے فوراً حضرت سعید اور اہل حمص کو آمنے سامنے لا بٹھایا اور پھر پوچھا۔ ہاں اب کہو تمہیں کیا شکایت ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ دن چڑھنے سے پہلے باہر نہیں آتے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میں اس سے پہلے باہر نکلنا ناپسند نہیں کرتا بلکہ مجبوری یہ ہے کہ میرے گھر میں کوئی خادم نہیں ہے۔ اس لیے میں خود آٹا گوندھتا ہوں پھر انتظار کرتا ہوں حتیٰ کہ وہ خمیرہ ہو جائے پھر اپنی روٹی پکا کر وضو کر کے باہر نکلتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا دوسری کیا شکایت ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رات کو کسی کی آواز کا جواب نہیں دیتے۔ حضرت سعید نے جواب دیا کہ میں دن کا وقت ان کے لیے رکھا ہے اور رات اپنے رب تعالیٰ کے لیے رکھی ہے۔

حضرت عمر نے پوچھا۔ تیسری شکایت کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مہینے میں ان کا ایک دن ایسا ہے کہ یہ اس میں گھر سے باہر نہیں آتے؟ حضرت سعید نے جواب دیا کہ ایک تو یہ کہ میرے پاس خادم نہیں ہے دوسرے یہ کہ میرے پاس دوسرا لباس نہیں ہے کہ میں بدل لوں اس لیے میں بیٹھا رہتا ہوں تاکہ کپڑا سوکھ جائے پھر میں رگڑ لوں (یہ دھو کر سکھانے یا اس کے کسی اور متبادل کا ذکر ہے) پھر میں ان کے پاس دن کے آخری حصے میں جاتا ہوں۔ حضرت عمر نے پوچھا چوتھی شکایت کیا ہے' ان لوگوں نے کہا کہ بعض دن

یہ بڑے غمگین رہتے ہیں؟ تو حضرت سعید نے جواب دیا کہ میں حضرت خبیب بن عدی انصاری کے قتل کے دن مکہ میں موجود تھا۔ قریش ان کا گوشت کاٹ چکے تھے اور انہوں نے اسے ایک لکڑی پر اٹھایا اور کہا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ آج تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے۔ تو خبیب نے کہا کہ مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہوں اور محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ پھر انہوں نے زور سے کہا۔ اے محمد۔

میں جب بھی وہ دن یاد کرتا ہوں اور میرا ان کی مدد نہ کرنا مجھے یاد آتا ہے تو مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے مجھے وہ غم لاحق ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر نے خوشی سے پکار کر کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری فراست کو ناکام نہیں کیا۔

پھر حضرت عمر نے ان کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے اور فرمایا کہ ان کو اپنے معاملات میں استعمال کر کے سہارا لو۔ تو انہوں نے وہ دینار لیکر آل فلاں کی بیواؤں، فلاں قوم کے یتیموں اور فلاں قوم کے پریشان لوگوں تک بھجوا دیئے۔ اس کے بعد چند دینار بچے تو وہ انہوں نے اپنی بیوی کو دے دیئے کہ ان سے گھر کا خرچ چلاؤ۔ اس کے بعد اپنی ذمہ داری کی طرف لوٹ گئے۔

وفات

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ بے سرو سامانی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ ۲۰ ہجری میں ان کی روح اپنے ٹھکانے کی طرف پرواز کر گئی۔ وفات کے وقت بھی یہ حضرت عمر کی طرف سے حمص کے گورنر ہی تھے۔

ان کا نامہ اعمال بالکل سفید تھا دنیا سے ان کا سفینہ اس حال میں روانہ ہوا کہ دنیا کے بوجھ کی کوئی چیز اس پر لدی ہوئی نہ تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

(متوفی ۲۰ ہجری بمطابق ۶۴۱ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس کے دل کی شریانوں میں زہد اتر گیا تھا۔
☆ تاریخ چاہتی تو اس شخص کے پاس سے تیزی سے گزر سکتی تھی مگر۔
☆ اس نے اسے عظیم لوگوں میں شمار کیا۔
☆ زہد کے فرشتوں نے جس کے دل سے مصافحہ کیا۔
☆ جس نے دنیا کے خوف کے بدلے آخرت کی امان خرید لی تھی۔

☆☆☆

''عمیر بن سعد'' وہ کردار ہیں کہ جس کی بازگشت تاریخ کے کانوں اور صفحات پر بار بار سنائی دیتی رہے گی۔ایک زاہد تارک دنیا گورنر جو فتوحات شام میں موجود تھے۔ حضرت عمر نے حمص کا گورنر بنایا وہاں یہ ایک سال رہے۔ پھر مدینے بلوایا تو یہ آ گئے۔ پھر جب واپس بھیجنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

انہوں نے دنیا کو ایمان اور یقین سے بھر دیا۔ ان کی آواز ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھی۔ دنیا کو چھوڑ دیا۔ دنیا کی چیخ و پکار ان کے تقوی کی مضبوط فصیلوں کو توڑ نہیں سکی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ شام میں عمیر سے افضل کوئی شخص نہ تھا۔

زہد کے عجیب واقعات

حضرت عمر نے انہیں حمص کا گورنر بنا کر بھیجا۔ ایک سال تک یہ وہاں رہے اور اس اثنا میں کوئی خبر ان کی نہیں ملی۔ حضرت عمر نے کاتب سے فرمایا کہ عمیر کو خط لکھو۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ہم سے خیانت کی ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا کہ جب ہمارا یہ خط پہنچے تو فوراً چلے آنا اور جو تم نے خراج وغیرہ جمع کیا ہے وہ بھی لیتے آنا۔

خط پڑھتے ہی حضرت عمیر نے اپنا تھیلا نکالا۔ اس میں زادہ راہ اور پیالہ رکھا

پانی کا برتن لٹکایا اور لاٹھی پکڑی اور پیدل ہی حمص سے چل پڑے اور مدینہ پہنچ گئے۔ ان کا رنگ بدل گیا تھا۔ چہرہ غبار آلود' بال بڑے لمبے ہو گئے تھے۔ یہ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمتہ اللہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب دیکر انہیں دیکھا۔ وسوسے سرایت کر چکے تھے۔ پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ جو میرا حال دیکھ رہے ہیں؟ کیا آپ کو صحیح سلامت نظر نہیں آ رہا۔ میرے ساتھ دنیا ہے جس کا اجراس کے سینگوں کے ساتھ ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا تمہارے ساتھ کیا آیا ہے؟ (ان کی مراد تھی مال وغیرہ) عمیر نے جواب دیا۔ کہ میرے ساتھ میرا تھیلا ہے جس میں میرا توشہ اور پیالہ ہے جس میں پانی پیتا ہوں کھانا کھاتا ہوں اور اسی سے کپڑے سر بھی دھوتا ہوں۔ میرا مشکیزہ ہے جس میں میرے وضو اور پینے کا پانی ہے۔ لاٹھی ہے جس سے ٹیک لگاتا ہوں' دشمن سے اگر وہ سامنے آ جائے تو مقابلہ کرتا ہوں۔ خدا کی قسم دنیا میرے سامان کے تابع ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا پیدل آئے ہو؟ انہوں نے کہا ''جی ہاں'' حضرت عمر نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو آپ کے لیے سواری کا انتظام کر دیتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے نہیں کیا اور میں نے کہا بھی نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ ''بہت برے لوگ ہیں جن کے پاس سے تم آئے ہو۔'' تو حضرت عمیر نے جواب دیا۔ ''اے عمر اللہ تعالیٰ نے تمہیں غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور میں نے ان لوگوں کو فجر کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

حضرت عمر نے پوچھا کہ میں نے جس کے لیے تمہیں بھیجا تھا وہ کہاں ہے؟ اور تم نے وہاں کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھے اس بات کا ڈر ہوتا کہ میں آپ کو غم میں مبتلا کر دوں گا تو میں آپ کو کچھ نہ بتاتا۔ آپ نے مجھے بھیجا تو میں اس شہر میں پہنچا۔ وہاں کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور انہیں خراج جمع کرنے کی ذمہ داری دی۔ پھر جب انہوں نے جمع کر لیا تو میں نے وہ آمدنی اس کی جگہوں (مصارف) میں خرچ کر دی۔ اگر آپ کے لیے کوئی چیز بچتی تو میں ضرور لے آتا۔ حضرت عمر نے تعجب سے فرمایا۔ ''تو کیا تم ہمارے پاس کچھ بھی لے کر نہیں آئے؟'' انہوں نے جواب دیا۔

''نہیں''۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمیر کے لیے تقرر نامے کی تجدید کر دو۔ مگر عمیر رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں نہ آپ کے لیے کام کروں گا نہ ہی کسی اور کے لیے۔ کیونکہ واللہ میں بچ نہیں سکا اگرچہ میں نے جن ایام میں آپ کے ساتھ کام کیا ہے انہیں بدبخت نہیں بنایا (یعنی کوئی خیانت کا کام نہیں کیا) اس کے بعد حضرت عمیر بن سعد نے اجازت مانگی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دے دی۔

پھر حضرت عمر نے ان کے پیچھے حارث نامی ایک شخص کو بھیجا اور اسے سو دینار دیئے کہ عمیر بن سعد کے پاس جاؤ اور ان کے پاس مہمان کی طرح ٹھہرو۔ اگر تم ان کے پاس نعمتوں (مالداری) کے آثار دیکھو تو واپس آ جانا اور اگر انہیں تنگدستی کے حال میں دیکھو تو یہ سو دینار انہیں دے دینا۔

چنانچہ حارث ان کے پیچھے گئے دیکھا کہ وہ گھر کی دیوار کے پہلو میں بیٹھے اپنی قمیض (سے جوئیں' مٹی کا غبار وغیرہ) صاف کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت عمیر کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور کہا اترو اللہ تم پر رحم کرے پھر پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟

حارث نے کہا ''مدینہ سے آ رہا ہوں۔''

عمیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ ''امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑا ہے۔''

حارث نے کہا۔ ''اچھے حال میں۔''

عمیر نے پوچھا۔ کہ کیا وہ حدود وغیرہ جاری نہیں کرتے؟

حارث نے کہا۔ کیوں نہیں۔ انہوں نے تو اپنے بیٹے کو غلط بات پر کوڑے مارے تھے جس سے اس کی وفات ہوگئی۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ''اے اللہ عمر کو عزت عطا کر کیوں کہ میں صرف یہی جانتا ہوں کہ وہ تجھ سے شدید محبت کرتا ہے۔''

اس کے بعد حارث ان کے ہاں تین دن مہمان بن کر مقیم رہے۔ ان کے پاس صرف جو کی ایک بوری تھی۔ لہٰذا وہ حارث کو جو کی روٹی کھلاتے اور خود بھوکے رہتے

حتیٰ کہ بڑی مشکل ہوگئی۔ چنانچہ عمیر نے حارث کو کہا کہ تم نے ہمیں تکلیف میں ڈال دیا۔ اگر مناسب سمجھو تو کسی اور کے ہاں منتقل ہو جاؤ۔ یہ دیکھ کر حارث نے سو دینار کی تھیلی نکالی اور ان کو دیکر بتایا کہ یہ امیر المومنین نے آپ کے لیے بھیجی تھی۔ اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرو۔

عمیر پر کپکپی طاری ہوگئی وہ چیخے کہ یہ دنیار مجھ سے دور کرو مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو انہیں مصارف میں خرچ کر دو۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس میں یہ دینار رکھوں تو ان کی بیوی نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر ایک حصہ انہیں دیا چنانچہ عمیر باہر نکلے اور شہداء کے بچوں اور فقراء میں تقسیم کر کے واپس آ گئے اور حارث کو کہا کہ امیر المومنین کو میرا اسلام کہنا۔

حضرت عمر کے پاس حارث آئے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ تنگدستی کی حالت تھی۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ انہوں نے دیناروں کا کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ پھر حضرت عمر نے عمیر کو خط لکھوایا کہ جب میرا خط تمہیں ملے تو فوراً چلے آؤ۔ خط ہاتھ سے رکھنے سے پہلے پہلے۔'' چنانچہ حضرت عمیر آ گئے۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ تم نے دیناروں کا کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جو کیا سو کیا آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم مجھے بتاؤ تم نے کیا کیا؟ چنانچہ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے وہ دینار اپنے لیے آگے بھیج دیئے۔ (روز قیامت کے لیے بھجوا دیئے)۔

حضرت عمر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ دو کپڑے اور ایک اونٹ کھانے کے غلے کا انہیں دے دیا جائے۔ مگر عمیر نے دنیا سے بیزار لہجے میں کہا کہ کھانے کی چیزوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے میرے گھر میں دو صاع جو موجود ہیں جب تک میں انہیں کھا چکوں گا اللہ تعالیٰ اور رزق عطا فرما دیگا۔ البتہ یہ دو کپڑے میں لوں گا کیونکہ میری بیوی کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ انہوں نے وہ دو کپڑے لیے اور اپنے گھر واپس چلے گئے۔ پھر زیادہ وقت نہ

گزرنے پایا کہ حضرت عمیر بن سعد کی وفات ہوگئی۔

ان کی وفات کا سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بڑا شاق گذرا آپ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی اور آنسو بہاتے پیدل نکل پڑے اور سیدھے بقیع الغرقد (مدینے کا ایک قبرستان) پہنچے حضرت عمیر کی قبر پر کھڑے ہوکر ان کے لیے دعا فرمائی۔ پھر اردگرد لوگوں سے بآواز بلند فرمایا تم میں سے ہر ایک اپنی تمنا بیان کرے۔ کسی نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرے پاس مال ہو اور میں اسے راہ خدا میں خرچ کروں۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

''میری تمنا یہ ہے کہ میرے پاس عمیر بن سعد جیسے بہت سے لوگ ہوں اور میں ان سے مسلمانوں کے معاملات میں کام لوں۔ عمیر کی وفات دور فاروقی میں ۲۰ ہجری کے قریب ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۳ عیسوی)

- ☆ میزان عدل میں جن کی پنڈلی احد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوگی۔
- ☆ شرک کے کانوں میں قرآن کی آواز جس نے سب سے پہلے ڈالی۔
- ☆ جس کا ایمان زبردست تھا وہن کو جانتا نہ تھا۔
- ☆ جو پہلے چھ افراد میں سے چھٹے انسان تھے جن کا دل ایمان سے روشناس ہوا۔
- ☆ اپنے کمزور جسم کو ہلاکتوں کے نوکیلے دانتوں کے نیچے ڈالنے والے صحابی۔

☆☆☆

یہ ہیں ام عبد کے صاحبزادے جو وحی کا سورج طلوع ہونے میں حاضر ہوئے جنہیں ہدایت اور نور لڑکپن میں عطا ہوئے۔ سابقین اولین میں اپنا مقام بنایا۔ چھٹے

انسان تھے جن کا دل ایمان سے منور ہوا۔

نبی کریم ﷺ کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے۔ شرک کے کانوں میں سب سے پہلے قرآن کی آواز ڈالی۔ اپنے سچے ایمان کے ذریعے قریش کی کبریائی کو شکست دی۔ سخت تکلیفیں جھیلیں، قریش کے کوڑوں نے انہیں گھیر لیا تھا چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے حکم پر دو ہجرتیں کیں۔ بدر اور دیگر معرکوں میں حاضر رہے۔

نبی کریم ﷺ کے رفیق و راز دار تھے۔ جب لوگوں کو منع کر دیا جاتا تھا تو یہ ان کے ہاں داخل ہو سکتے تھے۔ لوگوں میں رسول اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "میں اپنی امت کے لیے اس چیز سے راضی ہوں جس سے ام عبد کا بیٹا راضی ہے۔ (مستدرک حاکم: ۳/۳۱۷)

حضرت ابن مسعود زہد کا ایک قلعہ اور علم کی ایک محراب تھے۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے دنیا کو پرے دھکیل دیا تھا۔ اپنے نفس کے ساتھ مسلسل محنت کرتے رہے حتیٰ کہ اس کا تزکیہ کر لیا۔

اقوال زریں

آپ کے بے شمار اقوال زریں ہیں جو اس عقل سے نکلے جو یقین سے پر تھی آپ کے یہ اقوال حکمت و دانائی سے بھرپور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چیز اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان پڑی ہو اگر اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت ہوگی تو وہ اسے شیطان سے بچا لے گا اور اگر ضرورت نہ ہوگی تو شیطان کے لیے راستہ چھوڑ دیگا۔ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بچے تیرا گھر تجھے کافی ہونا چاہیے۔ (زیادہ تر گھر میں رہو) اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گناہ کو یاد کر کے رویا کرو۔

اور فرمایا۔ ''دنیا کا خالص پن ختم ہو گیا۔ گدلا پن باقی رہ گیا۔ اب ہر مسلمان کے لیے موت ہی ڈھال ہے۔''

☆ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے لیے علم ہونا کافی ہے اور دنیا سے دھوکہ کھانے کے لیے جاہل ہونا کافی ہے۔

☆ فرمایا کہ ''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کے لیے مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ دنیا کے لیے جمع وہ شخص کرتا ہے جسے عقل نہ ہو

☆ فرمایا کہ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو شخص صبح اسلام کے ساتھ کرے اور شام بھی اس حال میں کرے کہ مسلمان ہو تو اسے ملنے والی دنیا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

☆ فرمایا کہ اگر جہنمیوں سے وعدہ کیا جائے کہ ان کے لیے ایک دن عذاب میں تخفیف کی جائے گی تو وہ خوشی سے مر جائیں۔

☆ جو شخص دنیا میں صبح کرتا ہے تو وہ مہمان ہی ہوتا ہے اور اس کا مال عاریت۔ حقیقت یہ ہے کہ مہمان جانے کے لیے آتا ہے۔ اور عاریت واپس کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

زہد اور دین کے بارے میں ان کے جوامع الحکم

سب سے سچی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ (۲) سب سے مضبوط جڑ کلمہ تقویٰ کی ہے۔ (۳) بہترین ملت' ملت ابراہیمی ہے۔ (۴) بہترین سنت سنت محمدی ﷺ ہے۔ (۵) بہترین راستہ انبیاء کا راستہ ہے۔ (۶) سب سے عزت والی بات اللہ کا ذکر ہے۔ (۷) بہترین قصے قرآن کریم ہے۔ (۸) بہترین کام وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو۔ (۹) بدترین کام بدعت ایجاد کرنا ہے۔ (۱۰) جو کم ہو اور کافی ہو جائے اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈال دے۔ (۱۱) بدترین ملامت موت کے وقت کی ملامت ہے۔ (۱۲) بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ (۱۳) بدترین گمراہی ہدایت

کے بعد گمراہ ہونا ہے۔ (۱۴) بہترین مالداری نفس کی مالداری ہے۔ (۱۵) بہترین توشہ تقویٰ ہے (۱۶) جو دل میں آنے والی بہترین بات یقین ہے(۱۷) شک کفر میں سے ہے(۱۸) بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے(۱۹) شراب گناہوں کو جمع کرنے والی ہے(۲۰) عورتیں شیطان کا پھندا ہیں(۲۱) جوانی جنون کا ایک حصہ ہے۔ (۲۲) نوحہ کرنا جاہلیت کا عمل ہے۔ (۲۳) بعض جمعے میں پیچھے جانے کے لیے آتے ہیں۔ (۲۴) بعض اللہ کا ذکر اسے چھوڑنے کی طرح کرتے ہیں۔ (۲۵) جھوٹ سب سے بڑا گناہ ہے۔ (۲۶) مومن کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (۲۷) مومن کے مال کی حرمت اس کی جان کی طرح ہے۔(۲۸) جو کسی سے درگزر کرے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے گا۔ (۲۹) جو غصہ کو دبائے اللہ اسے اجر دے گا۔ (۳۰) جو کسی کو معاف کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا۔ (۳۱) جو کسی مصیبت پر صبر کرے اللہ اسے اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔(۳۲) بدترین کمانے والا سود کمانے والا ہے۔ (۳۳) کھانے کی بدترین چیز یتیم کا مال ہے۔(۳۴) وہ شخص خوش بخت ہے جسے دوسرے کے ذریعے نصیحت حاصل ہو۔ (۳۵) بد بخت وہ شخص ہے جو ماں کے پیٹ میں بد بخت ہو جائے۔(۳۶) تم میں سے ہر ایک کے لیے اتنا کافی ہے جس پر اس کا نفس قناعت کرے۔ (۳۷) ہر معاملہ آخرت کی طرف (لوٹایا جاتا) ہے۔ (۳۸) ہر عمل کا سرمایہ اس کا انجام (آخر) ہے۔ (۳۹) بدترین خواب جھوٹے خواب ہیں (۴۰) سب سے زیادہ عزت کی موت شہداء کا قتل ہے۔(۴۱) جو مصیبت کو جانتا ہے اس پر صبر کرتا ہے۔ (۴۲) جو مصیبت کو نہیں جانتا وہ انکار کرتا ہے۔ (۴۳) جو تکبر کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے(۴۴) جو دنیا کے پیچھے پڑ جائے وہ اس کو عاجز کر دیتی ہے۔ (۴۵) جو شیطان کی اطاعت کرے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ (۴۶) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سزا دے گا۔

اسلام لانے کا واقعہ

ان کا سینہ صاف ستھری فطرت پر مشتمل تھا اور پاک روح شفافیت کے سمندر

میں تیرتی تھی۔ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں جب پہلی مرتبہ حق کا نور ان کی آنکھوں نے دیکھا۔

''میں قریب البلوغ لڑکا تھا اور عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتا تھا ایک دن نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ آئے اور فرمایا۔ اے لڑکے کیا تمہارے پاس ہمیں پلانے کے لیے دودھ ہے۔ میں نے کہا یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں اور میں آپ کو نہیں پلاؤں گا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی ایک سالہ بکری ہے جس کا ابھی نر بکرے سے واسطہ نہ پڑا ہو؟ میں نے کہا جی ہاں ہے۔ پھر میں وہ بکری ان کے پاس لے آیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور رب تعالیٰ سے دعا فرمائی چنانچہ تھن دودھ سے بھر گئے۔ پہلے نبی کریم ﷺ نے دودھ نکال کر پیا پھر حضرت ابوبکر نے پیا اور پھر میں نے پیا۔ پھر آپ ﷺ نے تھن کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''دودھ خشک کر'' ''دودھ خشک کر'' چنانچہ دودھ خشک ہو گیا۔

یہ دیکھ کر میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یہ کلمات مجھے بھی سکھا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم تو سیکھے سکھائے لڑکے ہو۔'' بس اس دن سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا دل نبی کریم ﷺ کی محبت اور ادب سے معمور ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ کے تذکرے پر رونا

علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمعرات کی رات کو لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے بھی انہیں سنا وہ فرما رہے تھے کہ ''رسول اکرم ﷺ نے کئی بار فرمایا۔ علقمہ کہتے ہیں ٹھیک اسی وقت میں نے دیکھا کہ حضرت ابن مسعود لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ان الفاظ پر ان کی لاٹھی کپکپانے اور تھرتھرانے لگی۔ (یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر نبی سے رونے کی کیفیت میں آ گئے۔ اس کی شدت سے ان کے ہاتھ کپکپائے تو لاٹھی بھی ہلنے لگی)۔

زہد و خشیت کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعود بیمار ہو گئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے پوچھا کہ کیا محسوس کر رہے ہو؟ جواب دیا ''اپنے گناہ'' حضرت عثمان نے پوچھا۔ کس چیز کا دل چاہ رہا ہے؟ جواب دیا میرے رب کی رحمت اور اس کی رضا کو۔ حضرت عثمان نے پوچھا کسی اچھے طبیب کا انتظام کیا جائے؟ جواب دیا کہ طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے۔ حضرت عثمان نے پوچھا کچھ رقم وغیرہ کا انتظام کروں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''

وفات کے وقت آپ رونے لگے۔ کسی نے کہا۔ آپ رو رہے ہیں؟ حالانکہ آپ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ'' کیوں نہ روؤں؟ میں اس چیز پر سوار ہوا جس کا آپ مجھے منع فرماتے تھے۔ اور جو حکم دیا اس کو میں نے چھوڑا۔ دنیا اپنے حال پر چلی جائے گی اور اعمال لوگوں کی گردنوں کے ہار بن کر باقی رہ جائیں گے۔ اگر نیک ہوئے تو معاملہ نیک ہوگا۔ برے ہوئے تو معاملہ بھی برا ہوگا۔

وفات

آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ۳۲ ہجری تھا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۳ عیسوی)

☆ اس نے اپنے دل سے ایک گھر بنایا جس کی روشنی اللہ تعالیٰ کا ذکر تھی۔
☆ بعثت نبوی سے پہلے رب کے لیے نماز پڑھنے والے شخص۔
☆ جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد دیکھنا ہو اسے چاہیے کہ حضرت ابوذر کو دیکھے۔
☆ انہوں نے گھر نہیں بنایا جس کے برباد ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے۔
☆ جس نے اپنے الفاظ سے زہد کے شعار کو پگھلا دیا تھا۔ جس کا ضمیر قناعت کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

☆☆☆

تقویٰ علم اور عمل کی اصل، صحابہ کے گلدستے کا پھول، یہ ہیں حضرت جندب بن جنادہ الغفاری المعروف ابوذر غفاری، نبی کریم ﷺ کے ابتدائی معزز ساتھی، قدیم مسلمان، رسول اکرم ﷺ کی خدمت کی۔ اسلام لائے اور بدر و احد تک اپنی قوم میں مقیم رہے۔ زندگی بڑی خالص گزاری سچائی میں ضرب المثل، سلام اسلام پہلی مرتبہ نبی کریم کو پیش کرنے والے ان کا قبیلہ ان کے ہاتھوں پر اسلام لایا۔ راست گو انسان تھے۔ باطل سے بغاوت کرنے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد شام کے دیہاتی علاقے کی جانب ہجرت کر گئے۔ پھر دمشق میں رہائش پذیر ہوئے۔

نیک معزز انسان تھے کم یا زیادہ مال سے رنجیدہ نہیں ہوتے تھے۔ فقراء کو مالداروں کے اموال میں شرکت کی دعوت دی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (گورنر شام) نے امیر المومنین حضرت عثمان سے شکایت کر دی چنانچہ انہوں نے انہیں مدینے

بلوالیا اور پھر مدینہ کے قریب ربذہ نامی جگہ میں تادم وفات مقیم رہے۔

حضرت ابوذر کو خراج تحسین

نبی کریم ﷺ نے ان کی فضیلت میں ارشاد فرمایا۔ ''زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچا انسان کوئی نہیں ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ ''کہ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ ابوذر علم سے بھرا ظرف ہے۔

واعظ حق گو

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے ایک منبر بنایا تھا جس سے وہ فتنوں کے اندھیروں کو دور کیا کرتے تھے اور آخرت یاد دلایا کرتے تھے۔ وہ لوگوں میں آواز لگاتے پھرتے کہ

میں تمہارا خیر خواہ ہوں تم پر شفیق ہوں' رات کی تاریکی میں قبر کی وحشت کے لیے نماز پڑھا کرو۔ اور دنیا میں یوم حشر کی گرمی کے لیے روزے رکھا کرو' اور سخت دن کے خوف سے صدقہ کیا کرو۔

حضرت ابوذر نے اپنے نفس کا یوں احاطہ کیا ہوا تھا جیسے کلائی کا کنگن سے احاطہ کیا ہوتا ہے۔ اپنے نفس کو ڈانٹتے رہتے اور یہ کہہ کر اسے خوف دلاتے رہتے کہ۔

''کاش میں درخت ہوتا لوگ مجھ سے ٹیک لگاتے' کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔''

ان کا وجدان حرکت میں رہتا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سکیڑ لیے تھے اور رات

کی تاریکیوں میں ذکر الٰہی میں مگن رہتے۔ دن اپنا روزے میں گزارتے۔ دنیا ان پر خواہشات کے تیروں اور دھوکے کی اشیاءِ درہم اور دیناروں سے حملے کرتی مگر وہ ہمیشہ اس کا مقابلہ اپنی عرق آلود پیشانی سے فرماتے۔

زہد کی حالت

دوپہر کے وقت امیر شام حبیب بن مسلمہ نے حضرت ابوذر کو تین سو دینار بھیجے اور کہلوایا کہ انہیں اپنی ضرورتوں میں خرچ کرلیں۔ حضرت ابوذر نے قاصد کو کہا کہ انہیں واپس لے جاؤ یا کہا اسے ہم سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر غیرت کھانے والا نہیں ملا؟ اللہ کی قسم ہمارے لیے یہ سایہ بہت ہے جس کے پیچھے ہم چھپے رہتے ہیں اور بکریوں کا گلہ ہمارے پاس آجاتا ہے ہماری یہ خادمہ اپنی خدمات ہمیں صدقہ کرتی رہتی ہے اور چادر ہمارے لباس سے زائد موجود ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ فاضل زائد مال پر میرا حساب نہ ہوجائے۔

ایک مرتبہ حضرت ابودرداء کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ گھر بنوا رہے ہیں اور لوگوں کی گردنوں پر چٹانی پتھر اٹھوا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوذر نے ان سے فرمایا۔ ”کیا تم گھر بنا رہے ہو؟ جس کی خرابی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے۔ اگر میں تمہارے پاس سے گزرتا اور تم گندگی میں لتھڑے ہوتے تو وہ منظر میرے لیے اس منظر سے زیادہ پسندیدہ ہوتا جو میں دیکھ رہا ہوں۔

سرکاری عہدوں سے بیزاری

کافی عرصے کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے پرانے دوست حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ تو شاید دیکھ نہ سکے۔ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے اپنی بانہیں پھیلا دیں اور خوشی سے پکارے مرحبا اے ابوذرؓ مرحبا میرے بھائی۔ لیکن حضرت ابوذر نے انہیں خود سے دور کیا اور جھڑک کر بولے ”میں تمہارا بھائی

نہیں ہوں۔ میں تو اس وقت تک تمہارا بھائی تھا جب تک تم والی اور امیر (گورنر) نہیں بنے تھے۔

ایک دن ایک شخص ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ اے ابوذر یہ کیا بات ہے کہ آپ جب لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں وہ آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں؟ تو حضرت ابوذر نے فرمایا ''اس لیے کہ میں انہیں خزانے جمع کرنے سے منع کرتا ہوں۔''

ایک مرتبہ ام ذر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے طرز زندگی پر کچھ کہا سنا اور یہ تو وہ تنگدست تھے کہ ان پر خیمہ لگاتے تھے تو فرمانے لگے۔ اے ام ذر ہمارے سامنے ایک کٹھن گھاٹی ہے جو ہلکا ہوگا وہ بھاری سے زیادہ آسانی سے گزر جائے گا۔

کسی نے حضرت ابوذر سے عرض کیا کہ آپ فلاں فلاں لوگوں کی طرح کوئی زمین وغیرہ کیوں نہیں بنالیتے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں اس سے کیا کروں گا کہ میں گورنر بن جاؤں؟ میرے لیے تو پورے دن میں ایک گلاس پانی یا دودھ کافی ہے اور ایک سے دوسرے جمعے تک ایک قفیز گندم کافی ہے۔

ایک دن لوگوں کو نصیحت فرماتے ہوئے خزانے جمع کرنے سے منع فرما رہے تھے تو فرمایا۔ ''تم میں سے کسی کے پاس ایک دینار بھی رات گزارنے نہ پائے نہ درہم نہ سونا چاندی الا یہ کہ کوئی چیز اللہ کے راستے میں خرچ کرنے یا کسی مقروض کو دینے کے لیے رکھی ہو۔ یہ فرما کر آپ واپس چلے گئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا امتحان لینا چاہا تو ایک شخص کو ایک ہزار دینار دے کر رات کی تاریکی میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا' حضرت ابوذر نے رات ہی کو وہ دینار صدقہ کر دیئے۔ پھر فجر کی نماز کے فوراً بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کہا کہ جا کر ابوذر سے کہو کہ میرے جسم کو حضرت معاویہ کی سزا سے بچایئے میں غلطی سے آپ کو دینار دے گیا تھا'' اس شخص نے جا کر یہی کہا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہو

کہ ابوذر نے آپ سے کہا ہے کہ واللہ ان دیناروں نے ہمارے پاس صبح نہیں دیکھی۔ لیکن ہمیں تین دن کی مہلت دیدیں تاکہ ہم آپ کے دینار جمع کرسکیں۔

واقعہ وفات

جلد ہی حضرت ابوذر کو موت نے آ گھیرا' وفات کا وقت قریب آیا تو اہلیہ رونے لگیں تو آپ نے گھٹی گھٹی سی آواز میں فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس لیے رو رہی ہوں کہ مجھے آپ کی تکفین کے لیے کچھ میسر نہیں ہے۔ آپ کے کپڑوں میں اتنے کپڑے نہیں جو کفن بن سکیں۔ یہ سن کر آپ نے ایمان کے ساتھ فرمایا۔ ''مت رو اس لیے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ایک جماعت سے یہ فرماتے سنا تھا کہ تم میں سے ایک شخص ویرانے میں انتقال کریگا اور اس کے جنازے میں مومنوں کی ایک جماعت حاضر ہوگی۔'' چنانچہ اس جماعت میں سے ہر شخص کا اپنے لوگوں یا شہر میں انتقال ہوا اور میں ہی ویرانے میں انتقال کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم نہ تو نبی کریم ﷺ نے جھوٹ کہا نہ میں کہتا ہوں۔ جاؤ راستہ کو دیکھو۔ بہر حال وہ اس ٹیلے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو جاتی پھر راستہ دیکھتیں اور دوبارہ آ کر ان کی تیمارداری کرتیں۔ اسی دوران ایک قافلہ نظر آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک مسلمان شخص انتقال کر رہا ہے۔ اس کو کفن تم لوگ دو گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ شخص کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ۔ یہ سننے کے بعد وہ لوگ بھاگم بھاگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے دیکھا کہ وہ آخری سانسیں لے رہے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر میرے یا میری اہلیہ کے پاس کوئی کپڑا جو میرے کفن کے لیے کافی ہوتا تو میں اپنے ہی کپڑے میں کفن کرواتا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ مجھے وہ شخص کفن دے جو نہ امیر ہو نہ غریب (معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا) نہ نقیب ہو (نمبردار) اور نہ برید (ڈاکیا) وغیرہ ہو۔ اس قافلہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان صفات سے خالی ہوتا۔ صرف ایک

انصاری نوجوان لڑکا ایسا نکلا۔ اس نے کہا۔

چچا جان! میں آپ کو کفن دوں گا۔ میں ان عہدوں میں سے کسی چیز کا حامل نہیں ہوں۔ میں آپ کو اپنی اس چادر میں جو میں نے پہنی ہوئی ہے اوردو ان کپڑوں میں جو میری والدہ نے خود میرے لیے بنے تھے۔ (سوت کات کر بنائے تھے) چنانچہ حضرت ابوذر کو اس نوجوان انصاری لڑکے نے کفن دیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۲ عیسوی)

☆ جن کا دنیا میں گزارے کا سامان مسافر کے توشے کے برابر تھا۔
☆ اپنے نفس پر محنت کرتے رہے حتیٰ کہ اس کا تزکیہ کر دیا۔
☆ ایسا شخص جس پر سختیاں آتیں تو اور نکھر جاتا۔
☆ ہتھیلی اور انگلیوں سے مال کی سخاوت کرنے والا۔

☆☆☆

اپنے رب کے سامنے تواضع کے لیے فقر سے محبت کی۔ تقوے کے قصوں سے خواہشات کا دروازہ بند کر دیا۔ جب گفتگو کرتے تو سننے والوں کی آنکھیں آنسوؤں سے چمکنے لگتیں۔ حکمت کی روشنی' ایمان کا سرچشمہ' قراء کے سردار' یہ ہیں حضرت عویمر بن مالک انصاری خزرجی جو بڑے دانشور تھے۔ بدر کے دن اسلام لائے اور بہادری اور عبادت گزاری میں مشہور ہوئے۔

یہ مدینے کے بڑے تاجر تھے۔ پھر انہوں نے عبادت اور تجارت دونوں کو ساتھ چلانے کی کوشش کی مگر ایسا کر نہ سکے تو عبادت میں لگ گئے اور تجارت چھوڑ دی۔

عہد نبوی ﷺ میں قرآن کریم کو جمع کرنے والے افراد میں شامل تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت معاویہ نے دمشق میں قاضی مقرر فرمایا۔ بڑے

دانا شخص تھے ان کی دانائی نے اسلام میں انہیں برگزیدہ بنا دیا تھا۔ دنیا ان کے ہاتھوں میں عاریت تھی۔ ایک دن دنیا کی بے قدری بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ۔

واللہ! اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو فرعون کو پانی کا ایک گھونٹ بھی دنیا میں نصیب نہ ہوتا۔

ان کے الفاظ دلوں سے گناہوں کا میل کچیل دھو دیتے تھے۔ دنیا ان کے سامنے مزین ہو کر (بناؤ سنگھار کر کے) آئی مگر آپ نے زہد عبادت اور تقویٰ کا خوگر ہو کر اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ حکمت آپ کے لبوں پر جھلملاتی رہتی تھی۔

آپ زمین پر نصیحت اور دانائی کی باتیں پھیلاتے اپنے ساتھیوں کے مابین گھومتے رہتے اور وہ پیغام پہنچاتے رہتے جو آپ نے اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھے تھے۔ جب بھی آپ کوئی مجمع دیکھتے ان کی طرف جاتے اور اپنی آواز ان تک پہنچاتے ہوئے یہ اعلان فرماتے۔

''اللہ تعالیٰ کی ایسے عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ خود کو مُردوں میں شمار کرو' مظلوم کی بددعا سے بچو اور جان لو کہ بے پرواہ کرنے والی کم چیز اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈال دے نیکی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی اور گناہ کبھی نہیں بھولتا۔

وہ لوگوں کو مال جمع کرنے سے ڈراتے اور فرماتے کہ

مال والے لوگ کھانا کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں وہ پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں' وہ پہنتے ہیں ہم بھی پہنتے ہیں وہ سوار ہوتے ہیں ہم بھی سوار ہوتے ہیں۔ اور ان کے زائد اموال کو وہ دیکھتے ہیں تو ہم بھی ان کے ساتھ ان کا مال دیکھتے ہیں اس زائد مال کا حساب ان پر ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

حضرت ابو درداء نے دنیا میں زندہ رہنے کا فلسفہ رضا ہمیں سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں زندہ رہنے کو پسند نہیں کرتا۔ تپتی دھوپ میں (روزے سے) پیاس کی شدت۔ رات میں سجدہ کرنا' اور ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو

اچھی باتیں یوں چنتے ہیں جیسے اچھی کھجوریں چنی جاتی ہیں۔"

حضرت ابو درداء نے لوگوں سے مختلف شخصیت بنائی تھی۔ وہ ایسا سونا تھے جسے سختیاں سوائے نکھارنے کے کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں۔ وہ فرماتے کہ میں تین چیزوں کو پسند کرتا ہوں اور عام لوگ انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ (۱) فقر (۲) بیماری (۳) موت۔ فقر کو تو میں اپنے رب کے سامنے تواضع کے لیے پسند کرتا ہوں اور بیماری کو گناہوں کا کفارہ ہونے کی وجہ سے اور موت کو اپنے رب سے ملنے کے شوق میں پسند کرتا ہوں۔

ایک دن بیٹھے لوگوں کے احوال اور دنیا پرستی میں غور و فکر کر رہے تھے۔ پھر اپنے سر کو جھٹکا تاکہ یہ خیالات ذہن سے نکل جائیں اور زبان کو استغفار کرتے ہوئے حرکت دی۔ فرمایا میں دل کے ٹکڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔" کسی نے پوچھا۔ اے ابو درداء دل کے ٹکڑے ہونے کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا یہ کہ میرے لیے ہر جگہ ہر وادی میں مال بھر دیا جائے۔ (اس سے دل کا بکھرنا مراد ہے کہ دل مختلف جگہوں میں اٹکا ہوا ہو)۔

حضرت ابو درداءؓ کو اپنے گناہوں کا شدید خوف لگا رہتا تھا۔ بہت زیادہ روتے تھے حتیٰ کہ آنکھ میں تکلیف ہوگئی اور آنکھ کی روشنی ختم ہوگئی۔ عیادت کرنے والوں میں سے کسی نے کہا (جو کہ ان کی نیکی اور اللہ تعالیٰ سے قرب کو جانتے تھے) کہ اگر آپ دعا کریں تو آپ کی بینائی لوٹ آئے گی۔ مگر ان کا دل صبر کی لذت سے بھرا ہوا تھا۔ فرمانے لگے۔ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود میں اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا سے فارغ نہیں ہوسکا۔ تو اب آنکھ کی بینائی کے لیے کیسے دعا کروں؟۔

حضرت ابو درداءؓ نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے دین کے لیے گزاری۔ ان کی عقل، فکر، علم اور دانائی سے بھری تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کرنے کو طویل قیام سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ فرماتے "ایک گھڑی کا تدبر و تفکر پوری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی نعمتوں میں غور و فکر کرتے اور وجود کی حکمت پر غور کرتے ہوئے کی۔

حضرت ام درداء سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء کا افضل ترین عمل کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ غور وفکر کرنا اور عبرت حاصل کرنا۔

علم وعمل سے محبت

حضرت ابو درداء علم اور عمل سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ صحابہ کرام فرماتے کہ علم وعمل میں ہم میں سب سے زیادہ پکے اور اتباع کرنے والے ابو درداء ہیں۔ خود ابو درداء فرماتے کہ علم حاصل کرو اگر نہ کرسکو تو اہل علم سے محبت کرو اور اگر محبت نہیں کرسکتے تو ان سے بغض مت رکھو۔ اور فرمایا۔ ''جو شخص نہیں جانتا اس کے لیے ایک مرتبہ ہلاکت ہے اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔''

ان کے دل میں شفافیت ایمان اور اخلاص کی سچائی ڈال دی گئی تھی وہ دنیا کو صرف آخرت کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ یزید بن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابو درداء ان علماء میں سے ہیں کہ جن کے اخلاص کی برکت سے بیماری سے شفا ہو جاتی ہے۔ ابو درداء کے زہد اور خوف کا یہ حال تھا کہ جب دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کر چکتے اور وہ واپس چلے جاتے تو پھر سے ان کو آواز دیکر بلاتے اور پوچھتے کہ تمہارا مسئلہ کیا تھا؟ چنانچہ دوبارہ سن کر پھر فیصلہ فرماتے۔

کسی وقت ذکر وتسبیح سے فارغ نہ بیٹھتے کوئی ان کے پاس سے گزرتا تو شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ دن میں کتنی تسبیح پڑھ لیتے ہیں۔ جواب دیا ایک لاکھ الا یہ کہ گنتی میں کوئی رہ جاتی ہو۔ اتنا فرما کر پھر سے تسبیح پڑھنے لگے۔

جب حضرت ابو درداء دمشق گئے تو وہاں لوگوں کو اونچی اونچی عمارتیں بناتے اور مال جمع کرنے پر مائل دیکھا تو سڑکوں پر نکل گئے اور لوگوں کو پکارا۔ اے دمشق والو اپنے ایک خیر خواہ بھائی کی بات غور سے سنو۔'' چنانچہ لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ ''میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں تم لوگ وہ عمارتیں بنا رہے ہو جس میں رہو گے نہیں

اور وہ کچھ جمع کر رہے ہو جو کھاؤ گے نہیں۔ اور اس کی امید کر رہے ہو جو حاصل نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں نے خوب عمارتیں بنائیں دور کی امیدیں باندھیں اور خوب سارا مال جمع کیا۔ چنانچہ ان کی امیدیں دھوکہ بن گئیں جمع کردہ مال بھوسہ اور عمارتیں و مکانات قبریں بن گئے۔''

ابو درداء رضی اللہ عنہ کے گھر کا حال

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام گئے اور وہاں بھی رعیت کے احوال معلوم کرنے لگے اور اپنے ساتھیوں صحابہ کے حال کو دیکھنا شروع کیا۔ چنانچہ وہ ابو درداء کے مکان پر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ''السلام علیکم'' آواز آئی۔ ''وعلیکم السلام'' کون؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''کیا میں اندر آجاؤں۔'' ابو درداء انہیں پہچانے نہیں۔ فرمایا۔ ''آجایئے۔'' حضرت عمر نے دروازے کو دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ دیکھا کہ دروازے میں کنڈی تھی ہی نہیں جس سے دروازہ بند کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر دیکھا تو گھر میں اندھیرا تھا۔ چراغ نہیں تھا۔ لہٰذا زمین ٹٹولتے ہوئے حضرت ابو درداء کے قریب پہنچ گئے اور بیٹھ گئے۔ بچھونے کو ٹٹولا تو وہ زمین تھی اور تکیہ ٹٹولا تو وہ اونٹ کی کمر پر رکھنے والا کپڑا تھا۔ اوڑھنے کا کپڑا ٹٹولا تو وہ ایک پتلی سی چادر تھی۔ اتنے میں حضرت ابو درداء نے پوچھا کون ہے۔ امیر المومنین ہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ ''ہاں'' پھر فرمایا اللہ رحم کرے۔ تم پر کچھ وسعت کر دوں؟ حضرت ابو درداء نے زاہدین کی ثابت قدمی سے جواب دیا۔ ''اے عمر کیا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمائی تھی؟ حضرت عمر نے پوچھا کون سی حدیث؟ حضرت ابو درداء نے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''تم میں سے ہر ایک کے گزارے کا سامان مسافر کے توشہ سفر کے برابر ہونا چاہیے۔'' حضرت عمر نے فرمایا ''ہاں یاد ہے''۔ حضرت ابو درداء نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا۔ ''اے عمر ہم نے ان کے بعد کیا کیا؟ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء دونوں

روتے رہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہوگئی۔

حضرت ابودرداء بستر پر دراز تھے۔ حدیر سلمی عیادت کے لیے آئے تو دیکھا کہ وہ اونی جبہ پہنے لیٹے ہوئے ہیں اور پسینے میں شرابور ہیں۔ حدیر نے کہا۔ اے ابو درداء آپ کو کس نے روکا ہے کہ آپ ان کپڑوں کو نہ پہنیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیئے ہیں اور اس سے نرم بچھونا استعمال کریں۔ حضرت ابو درداء نے نقاہت کے ساتھ مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ہمارا ایک گھر (دار آخرت) ہے ہم اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور وہیں ہمیں جانا ہے اور ہلکے بوجھ والا بھاری بوجھ والے سے بہتر ہے۔

خوف خدا کا حال

جب وفات ہونے لگی تو آپ رو پڑے۔ یہ دیکھ کر ام درداء نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی! آپ رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں رو رہا ہوں۔ اور کیوں نہ روؤں؟ مجھے نہیں معلوم کہ میرے کتنے گناہ آگے پہنچ چکے۔ پھر اور رونے لگے اور فرمایا سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب میں رب تعالیٰ سے ملوں تو وہ کہیں یہ نہ فرمائے کہ مجھے سب پتہ ہے (جو جو اعمال تم نے کیے) تو اس وقت میں کیا کروں گا؟

پھر اپنے بیٹے اور بیوی کی طرف ناصحانہ نظروں سے دیکھا اور فرمایا۔ اے ام درداءؓ میرے اس مرنے کی طرح (موت) کے لیے عمل کرنا (پھر بیٹے کو کہا) میرے بیٹے اپنے باپ کی موت کی طرح موت کے لیے عمل کرنا۔

وفات

اس کے بعد کلمہ شہادت کا ورد کرتے رہے بار بار بے ہوش ہوتے اسی حال میں وفات ہوگئی۔ ان کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرگئی۔ شام میں ۳۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ اس وقت عمر بہتر سال تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ﴾

(متوفی ۳۶ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی)

☆ جس نے اپنی روح کو نبی کریم ﷺ کی زندگی کے بدلے بیچ دیا تھا۔

☆ جو زمین پر چلتا پھرتا شہید تھا۔

☆ جس نے اپنا سارا کا سارا مال صدقہ کر دیا۔

☆☆☆

تاریخ نے اس کا جنم دن اس روز لکھا جب اس نے نبی کریم ﷺ سے مصافحہ کیا۔ اس کے اسلام لانے کی بازگشت ایسی بجلی کی کڑک تھی جس نے شرک کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

یہ ہیں طلحۃ الخیر جو ان پہلے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ایمان کی خوشبو سونگھی وہ اپنے شوق کے پروں سے نور کے اترنے کی جگہ اڑ کر گئے اس مبارک جماعت میں شامل تھے۔ جسے اسلام نے سنوارا اور منتخب کیا۔

عشرہ مبشرہ میں سے ایک' چھ افراد کی شوریٰ کے ایک ممبر' ان لوگوں میں شامل جن سے رسول اکرم ﷺ راضی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ قریش کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔ ایمان کی آواز ان کے دل میں نقارے کی آواز سے بھی بلند تھی۔ باوجود اپنی دولت اور مرتبے کے انہوں نے تکلیف سہنے والوں کا کردار اختیار کیا۔

وہ ایک کچھار کے شیر کی طرح نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔ ان کے دو ہاتھ تھے ایک ہاتھ سے وہ تلوار چلاتے اور دوسرے سے نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے موت کو انتہائی قریب سے دیکھا مگر خوفزدہ نہیں ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ ''جسے خواہش ہو کہ وہ زمین پر چلتے پھرتے کسی شہید کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ طلحہ کو دیکھے۔ (ترمذی:۳۷۴۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''طلحہ نے واجب کر لی'' یعنی اپنے اوپر جنت

واجب کرلی۔

سخاوت وزہد

بڑے سخی انسان تھے۔ مال ان کے پاس ہوتا تو دل کو تکلیف دیتا تھا۔ اپنا مال خرچ کرتے اور مسکینوں کے دل کو خوش فرماتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغیر سائل کے مانگے طلحہ کی طرح خوب زیادہ عطا کرنے والا شخص نہیں دیکھا۔

حضرموت سے حضرت طلحہ کے پاس سات لاکھ درہم آئے۔ رات کو چڑیا کی طرح بڑے بے چین رہے۔ تو یہ کیفیت دیکھ کر ان کی زوجہ ام کلثوم (جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاجزادی تھیں) نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے سہمے سے لہجے میں فرمایا آج رات میں نے غور وفکر کیا تو میں نے کہا کہ اس شخص کا گمان اپنے رب کے ساتھ کیسا ہوگا جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کے گھر میں اتنا مال رکھا ہو۔ ام کلثوم نے کہا کہ جب صبح ہو تو برتن اور تھالیاں منگا کر (ان میں رکھ کر) تقسیم کر دینا۔ یہ سن کر حضرت طلحہ نے فرمایا۔ اللہ تم پر رحمت کرے تم ایک موفق باپ کی موفق بیٹی ہو (اچھی بات کہنے اور اچھی رائے دینے والے جس سے دوسرے کو سمجھ آ جائے)۔ چنانچہ حضرت طلحہ نے صبح تھالیاں اور پیالہ منگوائے اور مہاجرین وانصار میں یہ درہم تقسیم کر دیئے۔

پھر انہیں ان کی زوجہ نے کہا۔ اے ابو محمدؓ کیا اس مال میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے؟ تو حضرت طلحہ بولے کہ پھر تم نے آج پورے دن میں کیوں نہیں کہا؟ لو یہ باقی درہم رکھ لو۔ یہ کہہ کر تھیلی نکال کر انہیں دی تو اس میں مشکل سے ایک ہزار درہم بچے ہوں گے۔

ایک اعرابی نے آ کر حضرت طلحہ سے کچھ مانگا اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ تو حضرت طلحہ نے فرمایا کہ تم نے وہ واسطہ دیا ہے کہ آج تک کسی نے یہ واسطہ دے کر مجھ سے کچھ نہیں مانگا۔ میری ایک زمین ہے جس کے بدلے حضرت عثمان تین لاکھ درہم

دے رہے ہیں۔ لیکن میں نے ابھی تک بیچی نہیں ہے جاؤ وہ زمین لے لو۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں عثمان کو زمین بیچ کر رقم تمہیں دے دوں اگر چاہو تو زمین ہی رکھ لو۔'' بہر حال حضرت طلحہ نے زمین بیچ کر اس کی قیمت میں ملنے والی رقم اس سائل کو دیدی۔

دونوں ہاتھوں سے اللہ کے راستے میں لٹانے والا

حضرت طلحہ کی ایک زوجہ محترمہ حضرت سعدیٰ بنت عوف مریہ کہتی ہیں کہ میں ایک دن حضرت طلحہ کے پاس آئی تو دیکھا کہ بڑے غم وفکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ کیا میری کسی بات نے آپ کو غمگین کر دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں واللہ تم تو بہت اچھی بیوی ہو۔ لیکن میرے پاس رقم ہے اس نے پریشان کر رکھا ہے۔ سعدیٰ نے کہا کہ غم کس بات کا؟ اپنی قوم کو یہ رقم بانٹ دو۔'' یہ سنتے ہی حضرت طلحہ نے آواز لگائی۔ اے لڑکے میرے پاس میری قوم کو بلا کر لے آؤ۔ چنانچہ انہوں نے قوم والوں کو مال تقسیم کر دیا۔ سعدیٰ کہتی ہیں کہ میں نے حساب رکھنے والے سے پوچھا کہ انہوں نے اپنی قوم کو کتنی رقم دی تو غلام نے جواب دیا کہ چار لاکھ۔

حضرت طلحہ تاجر تھے۔ انہوں نے بنو تمیم کا کوئی بے سہارا شخص نہیں چھوڑا جس کی امداد (کر کے اسے غنی) نہ کیا ہو۔ اس کا قرض نہ اتارا ہو۔ وہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہر سال دس ہزار درہم بھجوایا کرتے تھے۔ اور ایک دن ایک لاکھ درہم صدقہ کیے۔

شہادت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل کے دن شہید ہو گئے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف تھے۔ بصرہ میں ۳۶ ہجری میں تدفین ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر باسٹھ سال تھی۔ ان کی قبر بصرہ کی نمایاں جگہ میں ہے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۶ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی)

☆ سلمان ہم سے ہیں گھر کے آدمی ہیں۔ (الحدیث)
☆ وہ شخص جسے تاریخ نے اسلام کی محراب سے جنم دیا۔
☆ جس نے تورات اور انجیل سے حقیقت تلاش کی اور پھر اسے اسلام میں پایا۔
☆ ایسا شخص جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے چراغ سے منور کر دیا تھا۔

☆☆☆

یہ اپنے آپ کو سلمان الاسلام کہتے۔ پہلے اصبہان کی مجوسی قوم سے تعلق تھا۔ ''جبان'' نامی قصبے میں پلے بڑھے پھر شام چلے گئے۔ پھر موصل، پھر نصیبین، پھر عموریہ گئے اور فارسی مذہب اور یہود و نصاریٰ کی کتب پڑھیں پھر جب آخری نبی کی آمد کے بارے میں سنا کہ وہ جزیرہ عرب میں آنے والا ہے تو بلاد عرب کا رخ کر لیا۔ راستے میں نبو کلب کا قافلہ ملا۔ ان سے کچھ خدمت لی اور پھر زبردستی غلام بنا کر بیچ دیا ان سے بنو قریظہ کے ایک یہودی نے خرید لیا اور مدینہ لے آیا۔

پھر جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی آمد کی خبر سنی تو آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور علامات نبوت دیکھنے کے بعد آپ ﷺ کے قدموں میں گر کر رونے لگے۔ پھر اسلام لے آئے مگر اسلام لانے کو خفیہ رکھا اور اسلام کے ذریعے آزادی حاصل کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے آقا نے غزوہ بدر اور احد میں انہیں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان کی مدد کی تاکہ یہ خود کو آزاد کرا لیں۔ (نبی کریم ﷺ نے بالآخر ان کے باغ میں کھجور بو کر انہیں آزادی دلانے میں اصل کردار ادا کیا تھا۔)

انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کو ظاہر کیا اور پھر غزوہ احزاب میں شریک ہوئے اور خندق بھی ان ہی کے مشورے پر کھودی گئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت

میں مستقل رہے۔ عراق پر مسلمانوں کے حملے تک مدینہ میں ہی رہے اور پھر مدائن کی فتح میں شریک ہوئے اور حضرت عمر نے انہیں مدائن کا گورنر مقرر فرمایا۔ چنانچہ یہ وہیں رہے اور اسی حال میں ان کی وفات ہوئی اور ان کی قبر ایوان کسریٰ کے قریب مشہور ہے۔

بڑے تجربہ کار، طاقتور، زاہد اور متقی انسان تھے۔ گدھے کی سواری کرتے اور بچوں تک کے ساتھ کھیل لیتے تھے حالانکہ گورنر تھے۔ دنیا کی محبت میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ دل کی فصیل پار کر سکے۔ انہوں نے اپنے سینے سے نفس کے شیطان کو نکال پھینکا تھا۔

سلمان اہل بیت میں سے ہیں

ایک مرتبہ مہاجرین اور انصار میں اختلاف ہو گیا۔ انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت سلمان سے کہا کہ اپنا نسب بتایئے؟ حضرت سلمان نے فرمایا میں اسلام کے سوا کسی کو اپنا باپ نہیں جانتا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب سلمان کے ساتھ تنہائی میں ہوتے تو کسی اور کی طرف رخ نہ کرتے (کسی اور کی ضرورت نہ ہوتی)

حضرت سلمان سے کسی نے پوچھا کہ حکمرانی میں کیا چیز ناپسند ہے؟ فرمایا حکمرانی کرنے کا مزہ اور اسے چھوڑنے کی کڑواہٹ (دونوں ہی ناپسند ہیں)۔

تواضع وانکساری

ایک مرتبہ حضرت سلمان قریش کے حلقہ کو پھلانگتے ہوئے گزرے تو ایک شخص نے کہا تمہاری اوقات اور تمہارا نسب کیا ہے۔ کس بنیاد پر تم قریش کی گردنوں کو پھلانگ رہے ہو؟ یہ بات سن کر سلمان کو رونا آ گیا۔ ان کی گھٹی ہوئی سانسیں بکھر چکی تھیں فرمانے لگے کہ

''تم نے میری اوقات اور میرا نسب پوچھا ہے میں ایک گندے نطفے سے بنا

ہوں اور آج فکر اور عبرت کا سامان ہوں۔ کل کو مرنے کے بعد بدبودار سڑی لاش ہوں گا اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے میزان قائم ہوں گے اور لوگوں کو فیصلہ سنانے کے لیے بلایا جائے گا اور اعمال نامے ترازو میں رکھے جائیں گے تو اگر ترازو کا پلڑا (میرے حق میں) جھک گیا تو میں معزز کریم شخص ہوں اور اگر ترازو کا پلڑا نہیں جھکا تو میں کمینہ اور ذلیل ہوں۔ یہ ہے میری اوقات اور سب لوگوں کی اوقات۔

زہد و کسب

حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین کو اپنے اسلامی بھائی حضرت سلمان فارسی سے ملنے کا شوق ہوا۔ تو انہیں بلوالیا اور اپنے ساتھ رکھ کر خوب خدمت کی۔ پھر (کچھ عرصے بعد) پوچھا کہ ''میرے بھائی تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو تو بتا دیں؟ تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ایک دستر خوان پر گھی اور گوشت ایک ساتھ رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے دو لباس ہیں ایک آپ گھر میں پہنتے ہیں اور دوسرا پہن کر باہر نکلتے ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات ہے؟ انہوں نے فرمایا۔نہیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''ایسا آئندہ اب کبھی نہیں کروں گا۔''

حضرت سلمانؓ دنیا کے دراہم کو خرچ کردیتے تاکہ آخرت کا خزانہ حاصل ہوسکے۔ آپ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا اور آپ تیس ہزار کے قریب مسلمانوں کے امیر تھے۔ آپ لوگوں کو خطبہ ایسی عبا پہن کر دیا کرتے تھے جس کا کچھ بچھاتے اور کچھ حصہ اوڑھ کر سوتے تھے۔ جب وظیفہ ملتا تو اسے اللہ کے راستے میں خرچ کردیتے اور صدقہ کردیتے تھے۔

حضرت سلمان اپنے ہاتھ سے کام کرکے کماتے اور اسی کمائی سے کھاتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک درہم کے کھجور کے پتے خریدتے اور ان کو صحیح کرکے (قابل استعمال مختلف اشیاء بنانے کے لیے) بازار میں تین درہم میں بیچ دیتے۔ ایک درہم کے مزید پتے لے لیتے۔ ایک درہم گھر کے خرچ کے لیے دیتے اور ایک درہم صدقہ کردیتے۔ اور فرماتے کہ اگر کام کاج کرنے سے مجھے عمر رضی اللہ عنہ (امیر المومنین) بھی منع کریں

گے تو میں باز نہیں آؤں گا۔

مدائن میں آپ کا کوئی گھر نہ تھا۔ حالانکہ یہ مدائن کے گورنر تھے یہ جہاں ہوتے وہاں سائے میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کو کہا کہ ہم آپ کے لیے ایک گھر بنا دیں تاکہ آپ دھوپ کی تپش اور سردی میں ٹھنڈ سے بچ سکیں۔ (آپ نے انکار کیا مگر) وہ شخص اصرار کرتا رہا چنانچہ آپ نے ہاں کہہ دی۔ پھر جب وہ شخص جانے لگا تو آپ نے پیچھے سے آواز دی اور فرمایا کہ ایسا گھر بنانا جیسا میں نے بنانے کی نیت کی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ایسا گھر آپ کے لیے بنائیں کہ جب آپ کھڑے ہوں تو اس کی چھت سے سر ٹکرا جائے اور جب لیٹیں تو پاؤں دیوار سے ٹکرا جائیں۔ آپ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ چنانچہ جیسا کہا تھا ویسا گھر بن گیا۔

ایک دن سخت گرم دھوپ میں آپ باہر نکلے۔ موٹا سا اونی جبہ پہنا ہوا تھا۔ کسی نے کہا کہ اگر آپ اس سے نرم کپڑا پہن لیں تو اچھا ہے۔ حضرت سلمان نے اپنا سر انکار میں ہلایا اور متواضعانہ لہجے میں فرمایا۔ کہ میں ایک غلام ہوں اور ویسا ہی لباس پہنتا ہوں جیسا کہ کوئی غلام پہنتا ہے۔ جب میں مروں گا تو ایسا لباس پہنوں گا جس کے کنارے کبھی بوسیدہ نہیں ہوں گے۔

اقوال زریں

حضرت سلمان صیقل شدہ قلب اور سرسبز و شاداب دل کے مالک تھے۔ روتے اور فرماتے کہ مجھے تین شخصوں نے حیرت میں ڈال دیا حتیٰ کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ (۱) دنیا کی امید کرنے والا شخص حالانکہ موت اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ (۲) غافل شخص حالانکہ اس سے غفلت نہیں برتی جا رہی۔ (اللہ تعالیٰ اسے ہر دم نظر میں لیے ہوئے ہے) (۳) خوب منہ پھاڑ کر ہنسنے والا شخص۔ حالانکہ اسے نہیں معلوم کہ اس سے رب تعالیٰ ناراض ہے یا اس سے خوش ہے؟

تین باتوں نے مجھے غم میں ڈال دیا حتی کہ مجھے رونا آ گیا۔ (۱) نبی کریم

ﷺ' ان کی جماعت اور چاہنے والوں کی جدائی۔ (۲) قیامت کی ہولناکی۔ (۳) رب کے سامنے کھڑا ہونا۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے جنت میں بھیجے جانے کا حکم دیا جائیگا یا جہنم میں بھیجا جائے گا۔

آخری لمحات

حضرت سلمان بستر مرگ پر موت سے لڑ رہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ان کی عیادت کرنے تشریف لائے جب ان کے نزدیک بیٹھے تو حضرت سلمان رونے لگے حتیٰ کہ ان کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ آپ کیوں روتے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ سے راضی تھے اور کل آپ ان سے حوض کوثر پر ملیں گے۔ حضرت سلمان نے جواب دیا کہ ''میں موت سے ڈر کر نہیں رو رہا اور نہ ہی دنیا کی حرص میں رو رہا ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ تم میں ہر ایک کا گزارے کا سامان اتنا ہونا چاہیے کہ جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے۔'' اور میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں اس حد سے آگے نکل گیا۔ یہ کہہ کر پھر رونے لگے (حالانکہ ان کے پاس صرف ایک پیالہ ایک صفائی کی کوئی چیز اور ایک کپڑے دھونے کا برتن تھا)۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ ''اے ابو عبداللہ ہمیں بھی کوئی نصیحت کر دیں (کوئی وعدہ لے لیں) تاکہ ہم آپ کے بعد اس پر عمل کریں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ''جب کوئی ارادہ کرو تو اس وقت اللہ کو یاد کرنا۔ اور جب کوئی فیصلہ کرنے لگو اور جب تقسیم کرنے لگو تو اپنے خرچ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔''

وفات

۳۶ ہجری میں آپ کی روح آسمانوں کے دروازوں کے پاس پہنچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے ترکہ کی کل قیمت بیس اور چند درہم تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

☆☆☆

سیدنا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

(متوفی ۳۶ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی)

☆ جن کا دل ان کی زبان سے پہلے ایمان لایا۔
☆ جنہیں نبی کریم ﷺ نے اختیار دیا کہ وہ مہاجرین میں سے ہو جائیں یا انصار بن جائیں۔
☆ جو نفاق کی بیخ کنی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔
☆ رسول اللہ ﷺ کا راز چھپا کر رکھنے والے صحابی۔
☆ وہ واحد صحابی جنہیں رسول اکرم ﷺ نے منافقین کے نام بتا دیئے تھے۔

☆☆☆

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

ان کی والدہ نے انہیں ایمان کی تلقین کی تو ان کا دل نبی کریم ﷺ کی محبت سے معمور ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت کا سرمہ آنکھوں کو لگنے سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔ یہ ہیں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جن کے گھر والوں کے دل قرآن کریم نے پرسکون کر دیئے تھے۔ پھر ان کے دل میں نبی کریم ﷺ کی ملاقات کا شوق بھر گیا چنانچہ انہوں نے اپنی لاٹھی اپنی گردن پر رکھی اور مکہ چل دیئے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور خود کو نبی کریم ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کر دیا اور ہر قسم کی خدمت آپ کے سامنے رکھ دی۔ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو حذیفہ مستقل خدمت میں آ گئے جیسے کہ آنکھ دوسری آنکھ کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔

نفاق سے بری حذیفہ رضی اللہ عنہ

ان کی شفاف طبیعت نفاق کو نہیں جانتی تھی۔ اسلام نے اسے اور بھی چمک عطا کر دی۔ کھلی بصیرت کے ساتھ زندگی گزاری۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور کسی کو نہیں بتائے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ

معمول بنالیا تھا کہ جس شخص کی نماز جنازہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نہیں پڑھتے تھے یہ بھی اس کے جنازے میں شریک نہ ہوتے۔ اس طرح اس خوف سے کرتے کہ کہیں مرنے والا منافق نہ ہو۔

آخرت کا خوف

کافروں نے حضرت حذیفہ کو جنگ بدر میں شریک ہونے نہیں دیا تھا مگر اس کے بعد یہ ہر جنگ میں شریک رہے اور انہیں جھپٹنے والے عقابوں کے حملے کا شکار بنا کر رکھ دیا۔ (عقاب کی طرح دشمن پر جھپٹتے عقاب کی طرح بہادری دکھاتے) جہنم کی آگ کے خوف نے حذیفہ کو ہر برائی کے حوالے سے گویا بھسم کر کے رکھ دیا۔ زیادہ تر خاموش رہتے اور ہم نشینوں کی خواہش پر ہی بولتے اور جب بات کرتے تو ان کے دہن مبارک سے نور اور موتی گرتے۔

خود فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھلائی کے بارے میں پوچھتے اور میں برائی کے بارے میں اس ڈر سے پوچھتا کہ کہیں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

ایک دن لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خبردار فتنوں کی جگہوں سے بچو۔'' کسی نے پوچھا کہ فتنے کی جگہیں کیا ہیں؟ فرمایا کہ امیروں کے دروازے۔ کیونکہ تم میں سے کوئی وہاں جاتا ہے تو اس کی جھوٹ بول کر تصدیق کرتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جو اس میں ہوتی نہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میری خواہش ہے کہ اگر کوئی شخص میرے اموال کی اصلاح (ونگرانی) کرنے والا ہوتا تو میں دروازے بند کر کے (عبادت میں) بیٹھ جاتا حتیٰ کہ اسی حال میں اللہ تعالیٰ سے جا ملتا۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ تم لوگ سب سے پہلے خشوع کھو بیٹھو گے اور سب سے آخر میں اپنے دین میں سے نماز کو کھو بیٹھو گے۔

کوتاہ امیدی

انہیں آرزو کی کمی نے کمزور کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ اپنے اعمال کو وقت پورا ہونے

سے پہلے ہی نمٹانے کی کوشش کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ سے صبح کے وقت ملے اور پوچھا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ جب تم بیت الخلاء کے لیے جاتے ہو تو نہایت آہستہ قدموں کے ساتھ جاتے ہو؟ اور جب بیت الخلاء سے نکلتے ہو تو بڑی تیزی سے چلتے ہوئے جاتے ہو؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بیت الخلاء کے لیے آتا ہوں تو اس وقت باوضو ہوتا ہوں اس لیے آہستہ چلتا ہوں اور جب بیت الخلاء سے نکلتا ہوں تو بے وضو ہوتا ہوں لہٰذا تیز اس لیے چلتا ہوں کہ کہیں وضو کرنے سے پہلے پہلے موت نہ آجائے۔ یہ سن کر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تمہاری امید تو بڑی طویل ہے مجھے تو ایک قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم رکھنے پر بھی موت کا خوف ہوتا ہے۔

اپنا حال اور اپنی فرمانبرداری و نیکی کو چھپانے میں بہت احتیاط فرماتے ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے رو رہے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے پیچھے ایک شخص کو بیٹھے دیکھا وہ آپ کے رونے کی آواز سن چکا تھا۔ چنانچہ اس سے بڑی لجاجت سے فرمایا کہ یہ بات کسی سے مت کہنا۔

امیری میں فقیری

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب کسی جگہ کسی شخص کو امیر بنا کر بھیجتے تو وہاں کے زعماء کو خط لکھتے کہ میں فلاں کو امیر بنا کر بھیج رہا ہوں۔ لہٰذا اس کی اطاعت کرنا۔ چنانچہ جب حضرت حذیفہ کو مدائن بھیجا تو حسب معمول لکھا کہ میں فلاں کو بھیج رہا ہوں۔ اس کی اطاعت کرنا۔ ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ کوئی بڑی شان و شوکت والا آدمی ہوگا۔ لہٰذا وہ استقبال کرنے کے لیے باہر نکلے۔ ادھر سے حضرت حذیفہ گدھے پر سوار دونوں ٹانگیں ایک طرف کو کیے ہوئے ان کے پاس سے گزرے (اتنی عاجزی سے بیٹھنے والے کو) وہ لوگ پہچان نہ سکے کہ یہ امیر ہو سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے

لوگوں سے پوچھا کہ امیر (گورنر) کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ ابھی یہاں سے گزر کر گئے ہیں چنانچہ وہ ان کے پیچھے واپس آئے اور ان سے ملے تو ان کے ایک ہاتھ میں روٹی اور دوسرے ہاتھ میں تھوڑا سا پانی تھا۔ انہوں نے حضرت حذیفہ سے عرض کیا۔ آپ ہم سے جو مطالبہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں؟ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا کہ جب تک میں تمہارے ہاں ہوں میرے کھانے اور میرے جانور کے چارے کا انتظام کر دیا کرنا۔ پھر حضرت حذیفہؓ وہاں کافی عرصہ رہے پھر حضرت حذیفہؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر بلوایا اور جب ان کے آنے کا وقت معلوم ہوا تو راستے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ دیکھا تو حضرت حذیفہ اسی طرح گدھے پر سوار آ رہے ہیں جس طرح یہاں سے گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر خوش خوش چمکتے چہرے کے ساتھ حضرت حذیفہ سے ملے اور انہیں اپنے ساتھ لپٹا کر فرمایا۔ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔

آخری لمحات

رات کے وسط میں حضرت حذیفہ نے موت کو قریب آتے محسوس کیا تو بہت شدید روئے کسی نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ جواب دیا کہ میں دنیا پر حسرت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ موت مجھے دنیا کی زندگی سے زیادہ پسند ہے لیکن اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں وہاں کس حال میں جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ یا ناراضگی کے ساتھ؟

پھر بڑی کمزوری آواز میں فرمایا۔ (اس وقت تکلیف بڑھ چکی تھی) ''یہ کونسا وقت ہے؟ کسی نے بتایا کہ رات کا درمیانہ پہر ہے۔ فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ بٹھا دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے قبلہ رخ کر دو۔ قبلہ رخ بٹھا دیا گیا۔ تو انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اے اللہ میں تجھ سے آگ میں صبح کرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں مالداری پر فقر کو اختیار کرتا تھا اور عزت پر ذلت کو ترجیح دیتا تھا اور موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔ جو شخص فاقہ کے ساتھ آئے وہ پسندیدہ ہوتا ہے ندامت کے

ساتھ آنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ (مرنے کے بعد جسے ندامت ہو)

پھر حضرت حذیفہ نے پوچھا کہ تم میرا کفن لے آئے؟ انہوں نے کہا ''جی ہاں۔'' تو فرمایا کہ میرا کفن شاندار نہ ہو کیونکہ اگر کسی مردے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بھلائیاں نیکیاں ہوں تو اس کا کفن اس سے اچھے کفن سے بدل دیا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس سے وہ کفن بھی چھین لیا جاتا ہے۔

وفات

پھر آپ نے مصافحے کے انداز سے ہاتھ بڑھایا گویا موت سے مصافحہ کر رہے ہوں۔ پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ آپ کا انتقال مدائن میں ۳۶ ہجری میں ہوا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(متوفی ۵۹ ہجری بمطابق ۶۷۹ عیسوی)

☆ انہوں نے اپنے دل کا چراغ بنایا جس کی روشنی نبی کریم ﷺ کے ارشادات تھے۔

☆ تاریخ نے ان کا نام زاہدین کے قافلے میں رکھا۔

☆ جس کے بارے میں زہد اور تقویٰ آپس میں جھگڑتے تھے۔

☆☆☆

ان کا زہد دنیا کی دیوار میں گولے کی طرح آ کر لگا۔ ان کی نیک صفات نے زمانے کو بھر دیا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن صخر دوسی ہیں جنہوں نے یتیم اور کمزور و بے سہارا بچے کی سی پرورش پائی۔ مدینہ آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے چنانچہ رغبت اور شوق کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

یقین سے بھرپور زندگی

ان کی زندگی یقین کے عطیے سے رنگی ہوئی تھی ان کا سینہ علم کا خزانہ تھا۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے اور سب سے زیادہ خدمت نبوی ﷺ میں رہنے والے شخص تھے۔ نبی کریم ﷺ کے پیچھے ہر جگہ پہنچ جاتے، ان کے پاس ایسے کان تھے جو غور سے سنتے، ایسا دل تھا جو محفوظ کرتا تھا۔ مضبوط ایمان اور تیز حس والے شخص تھے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا عامل انہیں بنایا تھا لیکن جب انہیں نرم مزاج اور عبادت میں بہت زیادہ مشغول دیکھا تو انہیں معزول کر دیا۔ ان کی زندگی روزہ اور نماز اور زھد و جہاد کے ساتھ چلتی رہی۔ انہوں نے اپنے دل کو ترک دنیا کا شربت پلا دیا تھا، خواہشات کے خیالات بھی ان کی ساعت سے نہیں ٹکراتے تھے ۔ روزہ ان کی روح کی غذا اور دل کی خوش بختی کا راز تھا۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بازار میں چکر لگاتے اور پھر گھر آ کر اپنے گھر والوں سے کہتے کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اگر وہ کہتے کہ نہیں ہے تو فرماتے کہ میرا روزہ ہے۔ آپ مہمان کو پسند کرتے اور کھانا کھلانے میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔

ایک شخص نے بتایا کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں مہمان بنا، چھ ماہ آپ کے پاس رہا میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان سے زیادہ کوئی چست اور مہمان نواز نہیں دیکھا۔

عثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سات دن مہمان رہا چنانچہ آپ، آپ کی زوجہ اور خادم رات کے تین حصوں میں نماز پڑھا کرتے۔ پہلے ایک پڑھتا پھر دوسرے کو اٹھا دیتا پھر وہ تیسرے کو اٹھا دیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک درویش

ایک مرتبہ ان کی بیٹی پاس آ کر بیٹھی تو آپ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، میری بچی سونے سے ملمع لباس مت پہننا میں تجھ پر آگ کی لپٹوں کا خوف کرتا ہوں،

ریشم مت پہننا اس سے مجھے تیرے جل جانے کا خوف ہے۔

مدینہ میں ایک شخص نے اپنا مکان بنوایا جب وہ مکان مکمل ہو گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ اس شخص نے آپ سے کہا کہ ''حضرت مجھے بتایئے کہ میں اس کے دروازے پر کیا لکھوں؟ آپ نے فرمایا، لکھ دے کہ میں اس کے بگڑنے کے لئے بناتا ہوں، موت کے لئے پیدا ہوا ہوں اور اپنے وارث کے لئے مال جمع کر رہا ہوں۔'' وہاں ایک اعرابی کھڑا تھا اس نے پکار کر کہا۔ اے شیخ تم نے بہت بری بات کہی۔ یہ سن کر وہ شخص بولا۔ تیرا ستیاناس ہو یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

تواضع کی حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تواضع، ان کے نزدیک دنیا کی بے وقعتی اور اس کی رنگینیوں کی بے حیثیتی پر یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ ایک دن وہ بازار سے اپنی کمر پر ایندھن لادے ہوئے گزر رہے تھے، ان دنوں آپ خلیفہ مروان بن حکم کی طرف سے گورنر تھے۔ لوگوں نے جب آپ کو دیکھا تو کہا کہ امیر محترم کے لئے راستہ چھوڑو۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جواب دیا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی دے اتنا راستہ ہی کافی ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فلسطین پہنچے تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں چپاتی پیش کی، جب آپ کے سامنے کھانے کے لئے رکھی گئی تو آپ رونے لگے تو کسی نے پوچھا ''اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ اسے رسول اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے تادم آخر نہیں دیکھا۔

آخری لمحات

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بستر مرض پر بیٹھے رو رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا

''کیوں روتے ہیں؟ فرمایا کہ میں تمہاری اس دنیا پر نہیں رو رہا لیکن اپنے لمبے سفر اور توشے کی کمی پر رو رہا ہوں، کیوں کہ میں جنت اور جہنم کو جانے والے راستے پر آ گیا ہوں مگر مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کون مجھے اچک لے؟

وفات

مروان حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض وفات میں ملنے کے لئے آیا اور کہا، اے ابوھریرہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا کرے۔ حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا،

''اے اللہ میں تجھ سے ملنا پسند کرتا ہوں تو تو بھی میرے ملنے کو پسند کر''

جب مروان وہاں سے نکلا تو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے کوچ کا وقت آن پہنچا۔ آپ نے موت سے مسکراتے ہوئے مصافحہ فرمایا اور ۵۹ھ میں مدینہ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی عمر مبارک اٹھہتر سال تھی۔ جنت البقیع میں آپ کے جسد اطہر نے سکونت اختیار کی

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما

(متوفی ۷۳ھ بمطابق ۶۹۳ء)

☆ ان کے استاد نبی کریم ﷺ اور ان کے والد حضرت عمرؓ تھے۔

☆ ان کے نزدیک مال خادم تھا سردار نہ تھا۔

☆ زہد ان کے سر سے لے کر پاؤں تک بھرا تھا۔

☆☆☆

بچپن ہی میں اسلام کی خوشبو حاصل کی، سرسبز و شاداب ضمیر اور نرم جلد کے مالک تھے، اپنے والد کے ہمراہ مدینے ہجرت کی، بدر اور احد کے دن ننھے قرار دیئے گئے تھے لہٰذا جنگ خندق پہلا غزوہ تھا جس میں شریک ہوئے۔ بیعت رضوان میں شامل تھے، فتح مکہ میں شرکت کی۔

لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے والد کے ساتھ مشابہہ تھے۔ سخاوت کو گود لیا اور اسے دوست بنالیا۔

اسلام ان کے لیے مقدر ہی اس لیے کیا گیا تھا تاکہ اپنے دل کو وحی کے نور سے معمور کریں۔ قریش کے جوانوں میں اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو انہیں تھا۔ انہیں خلافت کی پیش کش ہوئی۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور خلافت کو اپنی پیٹھ دکھادی۔

اتباع سنت کے خوگر

اپنی زندگی نبی کریم ﷺ کے طریقے اور نقش قدم کی اتباع سے لذت حاصل کرتے گزاری حتیٰ کہ حج کے راستے میں جہاں نبی کریم ﷺ نے آرام فرمایا تھا یہ بھی وہاں اتباعاً آرام فرماتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ اگر عبداللہ رات کو (تہجد کی) نماز پڑھا کرے تو یہ بہت اچھا آدمی ہے چنانچہ اس دن سے رات کو بہت کم سونے لگے۔ (زیادہ تر عبادت فرماتے) (بخاری حدیث ۱۱۲۲)

حضرت ابن عمر کو خراج تحسین

حضرت سعید بن میّب فرماتے تھے کہ اگر میں کسی کے بارے میں گواہی دیتا کہ یہ اہل جنت میں سے ہے تو میں ابن عمر کے بارے میں گواہی دیتا۔

طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ تقویٰ والا کسی کو نہیں دیکھا۔ دنیا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پچھاڑنا چاہا مگر حضرت ابن عمر نے اسے پچھاڑ دیا اور دنیا نے ان سے جنگ کی تو انہوں نے اسے شکست دیدی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک دنیا کی طرف مائل ہوا اور دنیا اس کی طرف مائل ہوئی۔ سوائے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے۔

وہ چیخ چیخ کر اعلان کرتے کہ ”جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو اور جب شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو۔“

زہد و عبادت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس لیے پیدا کیے گئے تھے کہ اپنے پاس موجود مال کی بیخ کنی کریں۔ لہٰذا یہ اس کو انفاق کے ذریعے پاک کرتے رہے اور ایک دن میں تیس ہزار درہم صدقہ کردیتے اور پھر پورا مہینہ ایسے گزرتا جس میں ایک ٹکڑا گوشت کا بھی نصیب نہ ہوتا۔

اگر کسی دن عشاء کی جماعت فوت ہو جاتی تو اس دن پوری رات عبادت میں گزارتے پوری زندگی میں (کم از کم) ایک ہزار غلاموں کو آزاد کیا۔ ہر چھوٹے بڑے کو گزرتے ہوئے سلام کرتے۔ کسی یتیم یا مسکین کے بغیر ایک لقمہ بھی نہیں تناول فرماتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو ہاتف بنا رکھا تھا جس کی آواز ان کے دماغ میں گونجتی رہتی تھی۔ اپنے اموال کو غریبوں کی ضرورت اور غربت کی تکلیف دور کرنے کے لیے بھیجتے رہتے۔ اپنے معلم اول کے راستے پر چلے لہٰذا دنیا کی دھوکے بازی کے سامنے کھڑے نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ ایک مجلس میں ان کے پاس بائیس ہزار درہم آئے تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے پہلے انہیں تقسیم فرما دیا۔ جب سے رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوئی انہوں نے ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی (کوئی تعمیر نہیں کروائی)۔

حضرت ابن عمر کو جب کوئی چیز اچھی لگتی تو اسے رب تعالیٰ کی قربت میں پیش کر دیتے (یعنی صدقہ کر دیتے تھے)۔ یہ بات ان کے غلام جب اچھی طرح پہچان گئے تو ان میں سے کوئی نہ کوئی مسجد میں چادر لپیٹ کر (عبادت کیلئے) بیٹھ جاتا۔ حضرت عمر جب اسے اس اچھی حالت میں دیکھتے تو آزاد کر دیتے۔ کسی نے آپ کو بتایا کہ اے ابن عمرؓ، واللہ یہ لوگ صرف آپ کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے نام پر دھوکہ دے گا ہم اس سے دھوکہ ضرور

کھائیں گے۔

حضرت ابن عمرؓ کی ایک باندی جس کا نام ''رمیثہ'' تھا وہ ہر طرح سے خوبصورت تھی۔ حضرت ابن عمر نے جب اسے دیکھا اور وہ انہیں اچھی لگی تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔'' کہ تم نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز میں سے خرچ نہ کرو۔'' (آل عمران:۹۲) اور میں تجھے دنیا میں پسند کرتا ہوں لہٰذا جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔

ایک دن ٹھنڈا پانی پیا تو روئے اور بہت زیادہ روئے۔ تو کسی نے پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ'' ان جہنمیوں اور ان کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ (آڑ) ڈال دی جائے گی۔'' (سباء:۵۴) اور میں جانتا ہوں کہ جہنمیوں کو پانی سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ ہوگی۔

ایک دن کسی نے بتایا کہ فلاں انصاری کا انتقال ہوگیا اور اس نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم چھوڑے ہیں۔'' تو افسوس کے ساتھ فرمایا لیکن درہموں نے اسے نہیں چھوڑا۔

ایک مرتبہ تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ مدینہ سے کئی میل دور سے مچھلی لائی گئی اور ان کے لیے بھونی گئی اور پتلی روٹیاں پکائی گئیں۔ پھر جب افطار کے وقت دستر خوان پر سجائی گئی تو پہلے اسے دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ اسے فلاں قوم کے یتیموں کے پاس لے جاؤ۔ بیوی نے عرض کیا کہ آپ اپنی خواہش تو پوری فرمالیں پھر لے جائیں گے۔ تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے پاس لے جاؤ اگر وہ یتیم اس سے خواہش پوری کرلیں گے تو میں نے بھی اپنی خواہش پوری کرلی۔

غرور نفس کو زہد سے کچل دینا

ان کا وجدان آخرت کے خوف اور شوق سے لرزتا رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے زہد سے نفس کے غرور کو کچل دیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے ساتھ سفر میں

ہمرکاب ہوا۔ وہ جب بھی کھانا کھاتا ایک لقمہ لیکر ہاتھ صاف کر لیتا۔ پانی پیتا تو محض ایک گھونٹ پیتا۔ حضرت ابن عمر نے اس سے پوچھا کہ بھائی کیا بات ہے؟ آپ بغیر کھائے پیٹ بھر لیتے ہو اور بغیر پیئے سیر ہو جاتے ہو؟ تو آنسوؤں کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک پیٹ نہ بھروں گا جب تک کہ میں یہ نہ دیکھ لوں کہ کل میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ جنت میں ہے یا جہنم میں؟ اس کی بات سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے افسوس کے ساتھ سر جھکا لیا اور پھر تا دم آخر کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ہزاروں درہم خرچ سودا ادھار میں

ایوب بن وائل بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر کے پاس حضرت معاویہ کے ہاں سے چار ہزار درہم آئے اور ایک دوسری جگہ سے چار ہزار درہم اور دو ہزار درہم تیسرے آدمی نے بھیجے۔ پھر وہ دوسرے دن بازار آئے تو جانور کے لیے چارہ ادھار خریدنے کے لیے آئے۔ ایوب کہتے ہیں کہ مجھے کل آنے والی رقم کا علم تھا۔ چنانچہ میں ان کی باندھی کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ تم سچ سچ بتاؤ۔ کیا کل ابو عبدالرحمٰن کے پاس چار ہزار درہم حضرت معاویہ کے ہاں سے اور دوسرے فلاں کے پاس سے نہیں آئے تھے۔ اس نے کہا ''کیوں نہیں؟ ایوب نے پوچھا کہ پھر وہ آج چارہ ادھار لینے کیوں بازار آئے تھے؟ تو باندی نے جواب دیا کہ ''انہوں نے رات گزرنے سے پہلے ہی وہ درہم تقسیم کر دیئے تھے۔

یہ سن کر ایوب بازار میں آئے اور چیخ کر کہنے لگے۔ ''اے تاجرو! تم دنیا کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ ادھر حضرت ابن عمر کے پاس کل دس ہزار درہم آئے تھے اور صبح کو وہ اپنے جانور کے لیے چارہ ادھار لینے آئے تھے؟

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت ابن عمر رات کو سب گھر والوں کے ساتھ ایک تھالی میں کھانا کھاتے

تھے۔ایک مرتبہ ایک سائل آیا اور راہ خدا میں کچھ دینے کا سوال کیا تو حضرت ابن عمر ثرید میں سے اپنا حصہ لیکر اسے دینے گئے واپس تشریف لائے تو تھالی کا کھانا چٹ ہو چکا تھا۔(لہذا خود بھوکے رہے۔ایسا کئی بار ہوا)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کوڑھ کے مریضوں کو بلا کر ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور فرماتے کہ شاید قیامت کے دن ان میں سے کوئی بادشاہ ہو۔

ایک دن ان کے گھر والوں نے کوئی خاص کھانا بنایا اور روٹی کے ساتھ ان کے سامنے رکھا۔حضرت ابن عمر کا یہ ارادہ ہوا کہ یہ کھانا مساکین کو دے دیں' اتنے میں گھر والوں نے وہ کھانا اٹھا کر رکھ دیا تا کہ وہ اسے تقسیم نہ کر سکیں۔تو حضرت ابن عمر نے آواز لگائی کہ تم نے مجھے مسکینوں کو کھانا کھلانے سے محروم کر دیا۔ ہے تا کہ میں اسے اپنے پیٹ میں ڈال لوں۔واللہ میں آج کھانا چکھوں گا ہی نہیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے لیے کوئی معجون وغیرہ بنالیں؟ تو آپ نے پوچھا کہ معجون کیا ہوتا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک چیز ہے جسے اگر آپ کھائیں تو ہاضمہ کو آسان کرتی ہے۔تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ واللہ چار مہینے ہو گئے کہ میں نے اب تک ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا کیونکہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہا ہوں جو ایک مرتبہ بھوکے رہتے تھے دوسری مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو موٹا کھر درا لباس پہنے دیکھا تو اسے رحم سا آیا۔تو وہ ایک نرم کپڑا لیکر آیا۔آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ نرم تھا چنانچہ آپ نے وہ اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں اس کو پہنوں تو کہیں متکبر اور اترانے والا نہ بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ متکبر اور اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چار جوانوں کی آرزوئیں

ایک مرتبہ حجر اسماعیل میں چار نوجوان جمع ہوئے مصعب بن زبیر' عروہ بن

زبیر، عبداللہ بن زبیر، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، انہوں نے آپس میں کہا اپنی اپنی تمنا بیان کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ میں خلافت کی تمنا کرتا ہوں۔ حضرت عروہ نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ مجھ سے علم حاصل کیا جائے۔ حضرت مصعب نے کہا کہ میری تمنا ہے کہ عراق کا امیر بنوں اور عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت الحسین کو اپنے نکاح میں جمع کروں۔ حضرت ابن عمر نے کہا کہ میں تو صرف مغفرت کی تمنا کرتا ہوں۔

چنانچہ ان میں سے ہر ایک کی تمنا حرف بحرف پوری ہوئی اور امید واثق یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مغفرت بھی ہو چکی ہوگی۔

حضرت ابن عمر حرم میں چل رہے تھے کہ حجاج بن یوسف کے کسی ساتھی کا تیر ان کے پاؤں میں آ کر لگا تو یہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ حجاج عیادت کے لیے آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں اسے جانتا جس نے آپ کو زخمی کیا ہے تو میں اسکی گردن اڑا دیتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تو نے ہی تو مارا ہے۔" اس نے کہا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ جس دن تو نے اللہ تعالیٰ کے حرم میں اسلحہ داخل کیا (اسی دن مارا)۔

وفات

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ صرف گرم دھوپ کی پیاس اور رات تہجد کی محنت (کے ختم ہونے چھوٹ جانے) کا۔ آپ کا انتقال مکۃ المکرمہ میں ۷۳ہجری میں ہوا۔ اور حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت سعید بن مسیّب کا قول ہے کہ "حضرت ابن عمر کا جس دن انتقال ہوا۔ وہ تو چلے گئے مگر اب کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو ابن عمر جیسے اعمال کر کے اللہ تعالیٰ سے ملنے کو چاہتا ہو۔

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کا قول ہے کہ ابن عمر کی وفات ہوگئی اور وہ فضائل میں عمر کی طرح تھے۔

سیدنا حضرت ھرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۶ ہجری بمطابق ۶۴۷ عیسوی)

☆ جس کی قبر پر آسمان بھی رویا۔

☆ جو اپنے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے، مؤمنوں کے دل ان کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ کر دیئے۔

☆ جن کی رگوں میں انبیاء کرام کی محبت دوڑتی تھی۔

☆☆☆

اپنے نفس کے لیے مردہ کو اختیار کیا جس پر سابقین اولین نے بھی رشک کیا۔ ایسا شخص جس نے اپنے آنسوؤں اور اپنے خون سے زمین کو سیراب کر دیا۔ یہ ہیں عابد و زاہد، سرگرداں، و سیاح۔ آٹھ بڑے اور مشہور زھاد میں سے ایک ''ھرم بن حیان العبدی ازدی'' بنو عبدالقیس سے تعلق تھا، کمانڈر اور فاتح، بڑے عبادت گزار تابعی تھے۔ ان کا نام ھرم (بوڑھا) اس لیے پڑا کہ یہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال تک رہے حتیٰ کہ ان کے دانت نکل آئے تھے۔ جنگوں میں بنو عبدالقیس کے امیر ہوتے تھے۔

اقوال زریں

ان کے دل سے دنیا کی محبت نکل گئی تھی اور آخرت کی محبت داخل ہوگئی تھی۔ ان کے اقوال دلوں کو کھینچتے ہیں۔ اور عقلوں کو جکڑ لیتے ہیں۔ ان کے بعض اقوال یہ ہیں۔ (۱) جو شخص دنیا پر آخرت کو ترجیح دے وہ دانا حکیم ہے اور جو اللہ کی نافرمانی نہ کرے وہ کریم ہے۔

لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ خبردار فاسق عالم سے بچنا۔'' چنانچہ ان کا یہ قول لوگوں کے سینوں سے ہوتا ہوا حضرت عمر بن خطاب تک جا پہنچا۔ وہ تو خوف کے مارے کانپ اٹھے۔ پوچھا کہ ''فاسق عالم'' کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے جواب بھیجا کہ واللہ اے امیر المومنین میری مراد نیک تھی (مطلب یہ تھا کہ) امام علم کی بات

کہے مگر فسق کا عمل کرے تو اس کے عمل کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔''

زہد و عبادت

جہنم کی آگ کے ذکر سے خوف کے مارے ان کا جگر جل چکا تھا اور یہ زندگی کی موجوں کا مقابلہ گناہوں سے چھٹکارا پانے کے لیے کرتے رہے۔

ایک دن ھرم بن حیان کے پاس صحابی رسول حممہ دوسی رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے پاس رکے جب رات ہوئی تو ھرم رونے لگے۔ ہچکیاں لے کر آنسو بہاتے روتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ ان سے حممہ دوسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ فرمانے لگے کہ مجھے وہ رات یاد آ گئی جس کی صبح آسمان کے تارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ اس نے مجھے رلا دیا۔

یہ دونوں حضرات کبھی کبھار آگ کے پاس صبح کرتے پھر گلدستوں کے بازار میں جاتے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کرتے اور کبھی یہ لوہاروں کے پاس جاتے اور آگ سے پناہ کی دعا کرتے۔

کبھی کبھار ھرم بن حیان رات کو گھومتے رہتے اور روتے ہوئے چیختے کہ میں نے اس آگ جیسی آگ نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والے سو رہے ہوں اور اس جنت جیسی جنت نہیں دیکھی کہ جس کے طلبگار سو رہے ہوں۔

عمل اللہ کے حکم پر ہے

وہ فرماتے کہ اگر مجھے بتا بھی دیا جائے کہ میں اہل جہنم سے ہوں تو بھی میں عمل کرنا نہیں چھوڑوں گا تا کہ مجھے میرا نفس ملامت نہ کرے۔''

ھرم بن حیان امیر (گورنر) بنائے گئے تو انہوں نے خیال کیا کہ ان کی قوم والے ان سے ملنے ضرور آئیں گے چنانچہ ایک آگ روشن کی گئی جو ان کے اور ان لوگوں کے درمیان روشن کی گئی تھی۔ چنانچہ جب وہ آئے تو انہوں نے دور سے انہیں

سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیکر فرمایا۔ ''میری قوم کو خوش آمدید۔ آؤ نزدیک آجاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ واللہ ہم میں قریب آنے کی استطاعت نہیں ہے۔ آپ کے اور ہمارے درمیان آگ حائل ہے۔ تو ھرم نے جواب دیا تو کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم مجھے اس سے بڑی آگ میں جہنم میں ملو؟ یہ سن کر وہ لوگ چلے گئے۔

آخری وصیت

ھرم بن حیان کو ایک معرکہ میں نیزہ کا زخم لگا انہیں زخمی حالت میں اٹھا کر لایا گیا۔ پھر ان پر غشی طاری ہوگئی۔ شہادت کا وقت قریب آ گیا تو لوگ ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ وصیت فرمایئے۔ تو ھرم نے ایسی آواز میں کہا کہ لگتا تھا کہ ابھی موت اسے شکست دیدے گی۔'' فرمایا۔ میری چادر بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا پورا نہ ہو تو غلام کو بیچ دینا اور میں تمہیں سورہ نحل کی آخری آیات کی وصیت کرتا ہوں۔

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ الاية﴾ (الخ سورہ نحل ۱۲۵ تا آخر)

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت وعظ کے ذریعے بلاؤ اور ان سے اس بات کے ذریعے مناظرہ کرو جو اچھی ہو۔''

شہادت اور قبر پر کرامت کا ظہور

اس کے بعد آپ کی روح ایک گرم دن میں رب تعالیٰ کے پاس پرواز کرگئی۔ جب تدفین سے فارغ ہوئے تو ایک بادل آیا اور عین ان کی قبر پر رکا اور اس پر اپنا پانی برسایا۔ ایک قطرہ بھی قبر سے ادھر ادھر نہ گرا سب قبر پر ہی گرے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر وہاں گھاس اگ آئی تھی۔

☆☆☆

سیدنا عمرو بن عتبہ رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۳۲ ہجری بمطابق ۶۵۳ عیسوی)

☆ نماز کی محراب میں شب بیداری کو پسند کرتے تھے۔

☆ اپنی گنگناہٹ سے شیر کی دھاڑ کو شکست دی۔

☆ ان کی دعا رحمت کی کنجی تھی رکوع رات کا چراغ اور روزہ دن کی غذاء تھی۔

☆☆☆

وہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے تھے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے ڈریں زاہد اور عبادت گزار' یکسو اور متواضع یہ ہیں حضرت عمرو بن عتبہ بن فرقد السلمی رحمتہ اللہ علیہ ''جو کہ کوفہ کے مشہور عابد تھے اور عبادت نے انہیں روایت حدیث کی فرصت نہ دی۔

اپنی زندگی ذکر الٰہی روزہ اور نماز میں خرچ کی۔ ثقہ تھے جب ان کے ساتھی جنگ کے لیے نکلتے تو ان کی کثرت نماز کی بناء پر رات کو چوکیداری کے لیے کسی کو نہیں کھڑا کرتے تھے۔ ان کے زہد اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے بڑے عجیب وغریب واقعات ہیں جنہیں سننے اور پڑھنے والے انہیں گپ شپ سمجھتے ہیں۔

عمرو بن عتبہ کے عجیب واقعات

عمرو بن عتبہ کے ایک خادم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن شدید گرمی میں گرم دوپہر میں ہم بیدار ہوئے تو ہم نے عمرو بن عتبہ رحمتہ اللہ علیہ کو ڈھونڈا مگر وہ نہ ملے تو ہم ان کی تلاش میں نکلے تو انہیں ایک پہاڑ میں دیکھا کہ وہ سجدہ میں گرے ہوئے ہیں اور اوپر ایک بادل ان پر سایہ کیے ہوئے ہے۔

ایک دن ہم نے رات میں انہیں نماز پڑھتے دیکھا۔ اتنے میں ایک شیر کی دھاڑ سنی تو ہم لوگ بھاگ گئے مگر وہ کھڑے نماز پڑھتے رہے۔ ہلے تک نہیں۔ ہم نے بعد میں پوچھا۔ کہ آپ شیر سے ڈرے نہیں؟ تو انہوں نے زاہدوں کے لہجے میں کہا کہ میں

اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ اس کے سوا کسی سے ڈروں۔

زہد کا حال

روزانہ ان کی دو روٹیاں ہوتیں ایک صبح سحری میں کھاتے اور دوسری سے افطار کرتے۔ عمرو بن عتبہ اپنی بھرپور کوشش اور محنت سے زہد کے سمندر میں تیرتے رہے۔ دنیا سے دور ہٹ کر اسباب آخرت کی طرف متوجہ تھے۔ ان کے والد انہیں ان کے ان اعمال اور نسک کی بناء پر چاہتے تھے اور ان کے نجی کاموں میں مدد کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے تو وہ اپنے والد سے کہتے۔ ابا جان میں تو غلام ہوں اپنی گردن چھڑانے کے لیے محنت کر رہا ہوں۔ مجھے اس کے لیے عمل کرنے دیجئے۔ والد فرماتے کہ "میرے بیٹے میری محبت تم سے دو طرح کی ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ رضا کیلئے (۲) باپ کی بیٹے سے محبت۔" عمرو نے کہا۔ ابا جان آپ نے مجھے جو مال بھیجا ہے وہ ستر ہزار درہم ہے اگر آپ کو چاہیے تو موجود ہے مجھ سے لے لیں اور اگر نہیں تو مجھے خرچ کرنے کی اجازت دے دیں باپ نے اجازت دے دی تو انہوں نے سب درہم خرچ کر دیئے (صدقہ کر دیئے) ایک درہم بھی نہ بچا۔

عمرو نے ایک گھوڑا چار ہزار درہم میں خریدا اور اسے اللہ کے راستے میں دوڑانے کے لیے بھیج دیا۔ مگر ان لوگوں نے اسے کھلانا پلانا شروع کیا تا کہ اس کی قیمت بڑھ جائے تو عمرو رحمتہ اللہ علیہ نے کہلوایا کہ "یہ جو قدم بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں دشمن کے خلاف اٹھاتا ہے وہ قدم مجھے چار ہزار درہم سے زیادہ پسند ہیں۔"

کبھی جب رات مکمل تاریک ہو جاتی تو یہ گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے اور قبرستان میں کھڑے ہو کر آوز لگاتے۔ اے اہل قبور' اعمال نامے لپیٹ دیئے گئے۔ اعمال اٹھا لیے گئے۔ پھر رونے لگتے۔ اور خوف اور رنج کی حالت میں قدموں پر گر جاتے حتیٰ کہ صبح اسی حال میں ہو جاتی۔ پھر یہ لوٹ آتے اور صبح کی نماز میں شریک ہوتے۔

دعاؤں کا قبول ہونا

بڑے مستجاب الدعوات دل کے شفاف' الفاظ کے تیز تھے اپنی دعا سے خیر کے تیر چلایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگیں اس نے دو عطا کیں اور ایک کا میں منتظر ہوں۔ پہلی دعا میں نے زہد عطا کرنے کی کی تھی۔ چنانچہ اب مجھے پرواہ نہیں کہ کیا آیا اور کیا گیا۔ دوسری دعا میں نے نمازوں پر طاقت ملنے کی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بھی عطا فرمادی اور تیسری دعا شہادت کی مانگی تھی اور اب میں اس کی امید لگائے بیٹھا ہوں۔

شہادت

(ان کی تیسری دعا یوں قبول ہوئی کہ) جب جہاد کے لیے نکلے تو انہوں نے ایک سفید جبہ پہنا اور پھر فرمایا کہ واللہ اگر میرا خون اس جبے پر بہہ جائے تو بہت اچھا لگے گا چنانچہ جب قتال کا شور بلند ہوا تو انہیں تیر آ کر لگا۔

ابراہیم بن علقمہ کہتے ہیں کہ میں خون کو اس جگہ سے بہتے ہوئے دیکھا جہاں انہوں نے ہاتھ رکھا ہوا تھا چنانچہ یہ شہید ہو گئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آذربائیجان میں ۳۲ ہجری میں شہید ہوئے اور مرج ہی میں دفن ہوئے جہاں کی تمنا کیا کرتے تھے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت اویس القرنی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۳۷ ہجری بمطابق ۶۵۷ عیسوی)

☆ کالی رنگت عام سے نسب اور لوگوں میں ظاہری بے وقعتی کے باوجود تاریخ نے انہیں عظیم لوگوں میں شمار کیا۔

☆ زمین والوں کے لیے بے نام ونشان مگر اہل آسمان کے لیے جانے پہچانے انسان۔

☆ موت کی یاد نے جس کے لیے کوئی خوشی نہیں چھوڑی۔

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کی شکل وصورت وحی کی رہنمائی نے محفوظ کروائی۔ جس نے دعا کے ہاتھوں سے گناہوں کو دھویا۔ یہ ہیں حضرت اویس بن عامر بن جزء بن مالک القرنی'' آٹھ مشہور زاہدین میں سے ایک' متقدمین عبادت گزاروں میں سے اور تابعین کے سرداروں میں سے ایک شخصیت۔ نسلی تعلق یمن سے تھا۔ دیہاتوں' پہاڑوں اور ریگستانوں میں رہتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے دور مبارک کو پایا مگر اپنی والدہ کی خدمت نے انہیں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری سے روکے رکھا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ مگر یہ دیدار نہ کرسکے۔ اس کے بعد مدینہ ایک وفد کے ہمراہ آئے۔

گھر والے سمجھتے کہ مجنون ہیں اس لیے دروازے کے قریب ایک چھوٹا سا کمرا بنوا دیا چنانچہ پھر کئی سال تک وہ لوگ ان کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ ان کا کھانا ان گھٹلیوں سے ہوتا جو وہ گلیوں سے جمع کرتے جب جمع ہو جاتیں تو انہیں بیچ دیتے۔ اگر کوئی پڑی ہوئی کھجور مل جاتی تو اسے اپنی افطار کے لیے بچا رکھتے۔ ان میں ہر چیز چیخ چیخ کر زہد کا اعلان کرتی۔ اپنے کاندھے سے دنیا کے غبار کو جھاڑ چکے تھے اور شوق کے ساتھ آخرت کو تلاش فرماتے۔

اویس قرنی کا تعارف بزبان رسول ﷺ

نبی کریم ﷺ نے ان کا قصہ اپنے صحابہ کو بیان کیا اور ان کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا۔ ''اچھے تابعین میں ایک شخص ہیں جن کا نام اویس ہے ان کی والدہ بھی ہیں۔ اویس کو برص کے نشان ہیں اسے کہنا کہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔''

مدینہ آمد

آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ زبان سے ادا ہو کر بڑی قوت کے ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں اتر گئے۔ چنانچہ جب بھی یمن سے کوئی وفد آتا بڑے اشتیاق سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں اویس بن عامر موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ایک وفد میں وہ تشریف لے ہی آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ اویس بن عامر ہیں؟

انہوں نے جواب دیا ''جی ہاں''

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مراد سے تعلق تھا پھر قرن سے ہے؟

انہوں نے فرمایا۔ ''جی ہاں''

آپ نے پوچھا پہلے آپ کو برص تھا اب صرف ایک نشان رہ گیا ہے؟

انہوں نے فرمایا ''جی ہاں''

حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کی والدہ بھی ہیں؟

انہوں نے فرمایا ''جی ہاں''

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ ''تمہارے پاس اویس بن عامر قرنی اہل یمن کے وفد کے ساتھ آئیں گے جو پہلے مراد پھر قرن سے ہوں گے۔ ان کو برص تھا مگر اب ایک نشان رہ گیا ہے ان کی والدہ بھی ہیں۔ اگر اویس اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو وہ اسے ضرور پوری فرمائے گا۔'' اگر تم یہ کرسکو کہ

وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کر دیں تو ایسا ضرور کرنا۔"
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے گزارش کی کہ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں تو حضرت اویس رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ اب کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا کہ کوفہ جانے کا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا وہاں کے گورنر کو آپ کا خیال کرنے کا لکھ دوں؟ حضرت اویسؒ نے فرمایا کہ مجھے کمزور لوگوں میں سے ہونا زیادہ پسند ہے۔

کوفہ میں شہرت

چنانچہ جب اگلے سال حج کے موقع پر کوفہ کے معززین میں سے ایک شخص حج پر آیا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ حضرت اویس کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ اس نے افسوس سے عرض کیا۔ "بوسیدہ گھر اور کم سامان کے ساتھ۔"
چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رسول اکرم ﷺ کی وہی حدیث سنائی۔
جب یہ شخص کوفہ پہنچا تو حضرت اویس کے ہاتھ چومنے لگا۔ اور بہتے آنسوؤں سے گزارش کی کہ میرے لیے استغفار فرمائیں۔ حضرت اویس نے فرمایا کہ تم ابھی تازہ تازہ ایک نیک سفر سے واپس آئے ہو تم میرے لیے استغفار کرو۔ پھر پوچھا کہ کیا تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے تھے؟ اس نے کہا "جی ہاں" بس اب میرے لیے استغفار کر دیں۔ حضرت اویس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "کہ جب تک تم مجھ سے یہ وعدہ نہ کرو گے کہ بعد میں میرا انداق نہیں بنواؤ گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث سنی ہے وہ کسی اور سے ذکر نہیں کرو گے میں استغفار نہیں کروں گا۔ اس شخص نے وعدہ کر کے ہاں کہہ دی۔ تو آپ نے اس کے لیے استغفار کیا۔

پہاڑوں میں چلے جانا

مگر تھوڑے ہی دن بعد اہل کوفہ پر ان کا راز افشاء ہو گیا اور نبی کریم ﷺ

کے الفاظ مبارکہ اہل کوفہ کے کانوں تک اس شخص کے ذریعے پہنچ گئے۔ چنانچہ لوگوں کا ایک سیلاب امڈ آیا جوان سے مغفرت کی دعا کروانے پہنچا۔ یہ دیکھ کر حضرت اویس پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے جہاں انہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔

کپڑوں کی عدم دستیابی

حضرت اویس کی باتیں جادو کی طرح دل میں اتر جاتی تھیں اور عقل کو جکڑ لیتی تھیں۔

اسیر بن جابر کہتے ہیں کہ اویس ایسی بات کرتے تھے جو دلوں میں اتر جاتی تھی۔ پھر ہم نے انہیں گم کر دیا تو میں نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو ایک شخص نے بتایا کہ ہاں میں جانتا ہوں۔ ادھر اویس قرنی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم اس کا ٹھکانہ جانتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں۔ تو میں اس کے ساتھ گیا حتیٰ کہ ان کے غار تک پہنچ گیا تو وہ میرے پاس نکل آئے میں نے ان سے عرض کیا۔ میرے بھائی آپ کو ہم سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''کپڑوں کی عدم دستیابی نے۔'' تو میں نے انہیں ایک چادر دی۔

حضرت اویس اپنے کپڑے بھی صدقہ کر کے ننگے بیٹھ جاتے تھے حتیٰ کہ اتنا لباس نہ میسر ہوتا کہ وہ اس کو پہن کر جمعہ کی نماز میں چلے جائیں وہ روٹی کے ٹکڑے زمین سے چنتے ان میں سے آدھے کھا لیتے اور آدھے صدقہ کر دیتے۔

اپنی معذوری کا رب کے سامنے اظہار

ان کے چیختے فقر کے باوجود جب رات ہو جاتی اور ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا تو وہ اپنی بانہیں پھیلا کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے اور آسمان کی طرف رخ کر کے کہتے۔ ''اے اللہ آج ہر بھوکے جگر کے لیے میں تجھے معذرت پیش کرتا ہوں کیونکہ میرے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے سوائے اس کھانے کے جو میرے پیٹ میں گیا

اور میرے گھر میں کوئی لباس نہیں سوائے اس کے جو میری کمر پر موجود ہے۔

ایک مرتبہ ھرم بن حیان ان کے پاس آئے اور عرض کیا۔ حضرت مجھے وصیت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا کہ جب سونے لگو تو موت کا انتظار کرو اور جب کھڑے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دل اور نیت کی اصلاح فرما دے۔"

حضرت اویسؒ قرنی کا شعار

حضرت اویسؒ کا شعار یہ تھا کہ "سختیوں میں حق کے ساتھ لگے رہو اور خوشی میں بھی باطل کے ساتھ لطف نہ اٹھاؤ لہٰذا وہ جہاں حق دیکھتے وہ اسے اپنا لیتے۔

عین اس وقت جب جنگ صفین کا طبل بج چکا تھا۔ دونوں لشکر آمنے سامنے تھے۔ شامی لشکر میں سے ایک شخص نے آواز لگائی کیا تم میں اویس قرنی موجود ہیں؟ جواب ملا" ہاں موجود ہیں۔ تمہیں ان سے کیا لینا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ "اویس قرنی تابعین میں احسان کے ساتھ اچھے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

موت کی یاد نے ان سے ہر خوشی چھین لی تھی اور ان کی زندگی غم اور خوف کی حالت میں گزر رہی تھی۔ چنانچہ ایک شخص جس کا تعلق "مراد" سے تھا وہ حضرت اویس کے پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا کہ آپ کی صبح کس حال میں ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے صبح ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ دن کیسے گزر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے دن کیسے گزرتے ہیں کہ جب صبح ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ شام نہیں دیکھ پائے گا اور جب شام ہو تو اس کا گمان ہو کہ صبح نہیں دیکھ پائے گا۔ اور جنت کی خوشخبری ملے گی یا جہنم کی؟ اے مراد (قبیلے) کے بھائی! موت اور اس کی یاد مومن کے لیے کوئی خوشی باقی نہیں چھوڑتی۔

کرامات اور وفات

حضرت اویس قرنی کی کرامات دیومالائی کہانیوں کی طرح ان کی زندگی میں بھی مشہور تھیں اوران کے بعد بھی مشہور ہیں۔

عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم آذربائیجان میں جہاد میں تھے ہمارے ساتھ حضرت اویس قرنی بھی تھے۔ جب ہم واپس ہوئے تو حضرت اویس بیمار ہو گئے تو ہم انہیں اٹھالائے اوران کی وفات ہوگئی تو ہم نے پڑاؤ کر دیا۔ دیکھا تو وہاں ایک قبر کھدی ہوئی پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے اور خوشبو لگا کفن بھی موجود ہے چنانچہ ہم نے اس پانی سے انہیں غسل دیا اور وہ کفن انہیں پہنا کر اس قبر میں تدفین کر دی۔

جب ہم آگے نکل گئے تو ہم میں سے کسی نے دوسرے کو کہا کہ چلو ہم ان کے لیے دعا وغیرہ کر کے واپس آتے ہیں چنانچہ ہم واپس گئے تو وہاں قبر کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ ایک قول کے مطابق ان کی وفات جنگ صفین کے دوران ہوئی تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عامر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۵۵ ہجری بمطابق ۶۷۵ عیسوی)

- ☆ قریب تھا کہ وہ انبیاء جیسے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے۔
- ☆ ایسا شخص جس کے کپڑوں کو خیر نے بوسہ دیا۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرتے جیسے کہ اسے دیکھ رہے ہوں۔
- ☆ وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے تھے کہ اس کے سوا کسی سے ڈریں۔

☆☆☆

ذکر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا نور بنایا۔ اس امت کے راہب تھے۔ ان میں سے تھے جن پر زہد ختم ہو جاتا ہے۔ رہنما اور ولی۔ یہ ہیں ابوعمر عامر بن عبداللہ بن عبدالقیس عنبری۔ بنوعنبر سے تعلق رکھنے والے تابعی تھے۔ بصیرہ کے تابعین

میں سب سے پہلے عبادت گزاری اور شنک میں مشہور ہونے والے۔ زہد و عبادت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہی سے قرآن سیکھا۔ ان کا دل آخرت سے اٹکا رہتا۔ ان کے خواب امیدوں کے باغ میں گھومتے رہتے تھے۔

حضرت مالک بن دینار نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس امت کے راہب ہیں۔

خوف خدا اور صرف خوف خدا

ان کے اندر اللہ عزوجل کا خوف قرار پکڑ چکا تھا۔ چنانچہ جب ذکر کیا جاتا تو یہ چڑیا کی طرح تڑپنے لگتے۔ فرماتے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر چیز کو ڈراتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ اسے ہر چیز سے خوف دلاتا ہے۔

ایک دن یہ نماز پڑھ رہے تھے تو شیطان سانپ کی شکل بنا کر ان کی قمیض کے نیچے سے داخل ہو کر گریبان سے نکلا۔ مگر عامر نہ ہلے اور نہ ہی ڈرے۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ نے سانپ کو خود سے دور کیوں نہ کیا؟ تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ اس کے سوا کسی اور سے ڈروں' واللہ مجھے اس بات کا احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کب داخل ہوا اور کب نکلا۔

نمازوں سے محبت

نماز کی محراب میں کھڑے ہونے اور نفس کو باغ و بہار کرنے سے محبت رکھتے۔ چنانچہ جب سورج طلوع ہو کر خوب چمکنے لگتا تو یہ نفل نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور نماز عصر تک نمازیں ہی پڑھتے رہتے۔ اس کے بعد لوٹ آتے تو طویل قیام کی وجہ سے ان کی پنڈلیاں سوجی ہوئی ہوتی تھیں۔ فرماتے اے نفس تجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے لیے تجھے بنایا گیا ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ ''عامر نے خود پر لازم کر رکھا تھا کہ وہ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھیں گے۔ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے اور

سب سے آخر میں نکلتے اور جب کوئی انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیتا تو نماز مختصر کر دیتے۔

توکل اور خدا پر بھروسہ

اللہ تعالیٰ پر قوی بھروسہ اور بہت زیادہ توکل والے انسان تھے۔ ایسے پہاڑ تھے کہ مصائب کے سامنے سرخم نہ فرماتے۔

چنانچہ ایک دن انہیں بتایا گیا کہ آپ کے گھر کے قریب آگ لگ گئی ہے۔ جواب دیا کہ آگ کو چھوڑ دُ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ اور پھر نماز کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ الفاظ کانوں نے سنے ہیں۔ آگ بھڑکتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور جب ان کے گھر تک پہنچ گئی تو اس نے راستہ بدل لیا۔

مال کو کوئی وزن اور حیثیت نہیں دیتے تھے۔ اس شخص کی طرح خرچ فرماتے جسے فقر کا خوف نہ ہو۔ ان کا انفاق اس شخص کی مانند تھا جو یقین رکھتا ہو کہ مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔ چنانچہ عامر جب اپنا وظیفہ نکالتے تو اسے اپنے کپڑے کی ایک طرف باندھ لیتے اور راستے میں جس مسکین سے ملتے اسے دیتے چلتے اور پھر جب گھر پہنچتے تو وہ پوٹلی اپنے گھر والوں کی جانب اچھال دیتے تو جب وہ اس پوٹلی کے درہم وغیرہ گنتے تو وظیفہ کی رقم کے برابر ہی ملتے (پورے ہوتے)۔

زہد و توکل

ایک دن ان کی بھتیجی دودھ کی بنی روٹی ان کے افطار کرنے کے لیے لائی۔ اتنے میں ایک سائل نے آواز لگائی۔ کون ہے جو بھوکے پیٹ کو کھانا کھلائے؟ حضرت عامر نے سائل کی بات سے متاثر ہو کر اپنی بھتیجی سے کہا کہ اے بھتیجی! کیا یہ روٹی میری ہے اور میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں؟ اس نے کہا کیوں نہیں؟ چنانچہ حضرت عامر نے سائل کو وہ روٹی دیدی۔ تو ان کی بھتیجی دوسری چیز لے آئی تو حضرت عامر نے فرمایا لاؤ لاؤ تو وہ ایک کھجور لائی تو آپ نے کھجور کھا کر اوپر سے پانی پی لیا۔ پھر فرمایا۔ میری

بھتیجی یہ پیٹ ایک برتن ہے جو چیز اس میں ڈالو گے یہ بھر جائے گا اور وہ چیز ذخیرہ بن کر باقی رہے گی جو تم آگے بھیجو گی۔"

اپنے گھر میں دنیاوی چیزوں کو نہیں رکھا تھا۔ سوائے ہلکی پھلکی چیزوں کے۔ چنانچہ ایک دن ابن قدامہ کی باندی ان کے ہاں آئی۔ آپ نماز میں مشغول تھے۔ اس نے آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے تسبیح کہی تو وہ اندر داخل ہوگئی۔ دیکھا تو گھر میں پانی کے مٹکے کے سوا کچھ نہ تھا اور آپ نے بھی ہلکے درجے کے کپڑے پہن رکھے تھے اور کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عامر جب بازار میں پھلوں کے پاس سے گزرتے فرماتے تھے کہ یہ سب ختم ہو جائیں گے اک جائیں گے۔

ایک مرتبہ عامر چار زانو بیٹھے دنیاوی زندگی کی حکایت اور اس کی رنگینیوں کی حقیقت لوگوں کو بتا رہے تھے۔ فرمایا کہ

میں نے لوگوں کی زندگی چار چیزوں میں دیکھی ہے۔ لباس، عورتیں، نیند اور طعام۔ چنانچہ لباس کی مجھے پرواہ نہیں جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں اور اپنے کندھے پر ڈالوں۔ عورتوں کی بھی مجھے پرواہ نہیں کہ میں عورت کو دیکھوں یا دیوار کو۔" البتہ نیند اور کھانے نے مجھ پر غلبہ کر لیا ہے ان کا کچھ حصہ مجھے پہنچتا ہے۔ اللہ کی قسم میں اپنی محنت سے ان کا ضرر خود سے دور کروں گا۔ حسن کہتے ہیں کہ واللہ وہ اپنی محنت سے ان کا ضرر دور کرتے رہے حتی کہ وہ اللہ کے پاس چلے گئے۔

ایک دن بیٹھے رو رہے تھے اور آنسو بہہ رہے تھے کہ کسی نے کہا۔ اے عامر آپ کو کس چیز نے رلایا ہے؟ بھیگی آنکھوں سے جواب دیا کہ مجھے اس رات پر تعجب ہوا جس کی صبح کو قیامت کا دن ہوگا۔

ایک دن ذبح ہونے والی چڑیا کی طرح تڑپ رہے تھے اور ان کے سینے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس طرح دہرے ہوئے جا رہے تھے جیسے دانے توے پر مڑ جاتے ہیں۔ پھر پکارنے لگے۔ اے اللہ جہنم کی آگ نے مجھے سونے سے روک دیا ہے

لہٰذا میری مغفرت فرما دے۔

ان کی امیدیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ موت انہیں جوتے کے تسمے سے زیادہ قریب محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک دن ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔ یہ نماز مختصر کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جلدی سے اپنی ضرورت بتاؤ مجھے جلدی ہے۔ اس شخص نے کہا۔ آپ کو کس چیز کی جلدی ہے؟ فرمایا اللہ تجھ پر رحم کرے۔ مجھے ملک الموت سے ملنے کی جلدی ہے (کہ معلوم نہیں وہ کب آجائے) چنانچہ جب وہ شخص چلا گیا تو عامر پھر نماز پڑھنے لگے۔

شادی سے احتراز

ایک مرتبہ بصرہ کے گورنر نے ان کے پاس کسی کو بھیج کر پوچھوایا کہ آپ کسی عورت سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے انہیں ترک نہیں کیا البتہ پیغام نکاح دینے کی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔ (مطلب تھا کہ حور عین کو پیغام نکاح دینے اور اس سے شادی کرنے کے لیے عبادت گزاری میں لگا ہوا ہوں)۔

شبہ والی چیزوں کا ترک

امیر نے ان سے پوچھا کہ آپ پنیر کیوں نہیں کھاتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسی سرزمین پر ہوں جہاں مجوسی رہتے ہیں اگر دو مسلمان گواہی دیں کہ اس میں مردار ملا ہوا نہیں ہے تو میں اسے کھا لوں گا۔

امراء کے دروازوں سے کنارہ کشی

امیر نے پوچھا کہ آپ کو امراء کے پاس آنے سے کس نے منع کیا ہے؟ فرمایا تمہارے دروازوں پر ضرورت کے طلب گار ہوا کرتے ہیں لہٰذا ان کو بلاؤ اور ان کی ضرورتیں پوری کرو۔ پھر ان لوگوں کو بلانا جنہیں تم سے کوئی طلب نہیں۔

ایک دن ایک ذمی پر ظلم ہوتے دیکھا تو اس پر اپنی چادر ڈال دی پھر آواز

لگائی میں اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے عہد کو ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ آپ نے اسے ان سے چھڑا لیا اور اس سے ظلم کو دور کیا۔

آخری وقت کے ارشادات

حضرت عامر بن قیس کے مرض میں شدت آ گئی حتیٰ کہ وہ بستر پر لا کر بٹھا دیئے گئے۔ لوگ عیادت کرنے آنے لگے۔ عامر رونے لگے تو کسی نے پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب کی یہ آیت رلا رہی ہے۔

﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (المائدہ آیت ۲۷)

''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے ہی قبول فرمائے گا۔''

پھر مسلسل تکلیف میں رہے حتیٰ کہ موت کا وقت نزدیک آ گیا تو بہت زیادہ روئے۔ کسی نے پوچھا کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ موت سے ڈر کر نہیں رو رہا نہ ہی دنیا کی حرص ہے۔ لیکن میں گرم دوپہر میں روزے کی حالت میں پیاس کی شدت اور سرد راتوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کی لذت چھوٹنے پر رو رہا ہوں۔ اپنے طویل سفر اور توشے کی قلت پر رو رہا ہوں کیونکہ میں ڈھلان اور چڑھائی کے اس راستے پر آ گیا ہوں جہاں جنت ہے یا جہنم اور مجھے نہیں معلوم کہ میں کس جگہ ڈالا جاؤں گا۔

وفات

اس کے بعد انہوں نے اپنی آخری سانس لی اور ان کی روح اپنے رب کی طرف پرواز کر گئی۔ بیت المقدس میں ۵۵ ہجری میں انتقال ہوا۔

☆☆☆

سیدنا ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۶۲ ہجری بمطابق ۶۸۱ عیسوی)

☆ جنت میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے رفیق۔

☆ جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزے کو جمع فرمایا۔

☆ شام کے مہکتے پھول۔ زاہدوں کے قطب۔

☆☆☆

انہوں نے خیر کے لیے ایک روشن دان بنا رکھا تھا جو فضیلت دیکھتے اسے حاصل کر لیتے جنگوں میں ان کی کڑک دار آواز نقارے کی آواز سے زیادہ بلند ہوتی تھی۔ یہ ہیں حکیم الاسلام عبداللہ بن ثوب الخولانی جو کہ ثقہ فقیہ تابعی اور بڑے عابد و زاہد تھے۔

یمن سے تعلق تھا۔ مخضرمی ہیں جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی اسلام لائے مگر خلافت ابوبکر میں مدینے تشریف لائے اور پھر شام ہجرت کر گئے۔ اس کی سیرت اور زندگی معجزات کے مشابہہ ہے جہاں ہوتے کرامات انہیں گھیرے رہتیں۔ ان پر بڑی سختیاں آئیں مگر یہ عظیم چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

یمن کے بے وقوف مدعی نبوت اسود عنسی نے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا اور اس نے انہیں آگ میں ڈلوا دیا۔ مگر یہ آگ میں صحیح سلامت رہے۔ جنگوں کے کمانڈر حضرات ان کی آمد سے بشارت پاتے اور انہیں آگے رکھتے تھے۔

ملعون اسود عنسی اور حضرت ابومسلم رحمتہ اللہ علیہ

یمن میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور شیطان نے اس کی خواہشات اس کے لیے مزین کر دیں چنانچہ اس نے حضرت ابومسلم کو بلوایا اور بات چیت کی۔ کہنے

لگا کہ ”کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ مطمئن دل سے نکلی آواز سے آپ نے فرمایا ”جی ہاں“ اس نے پوچھا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟“ حضرت ابو مسلم نے فرمایا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ اس نے اپنا سوال پھر دہرایا تو انہوں نے بھی اپنا یہی جواب دہرایا۔ حضرت ابو مسلم رحمتہ اللہ علیہ کے جواب گولوں کی طرح اسود عنسی کی ہیبت کو توڑ رہے تھے۔ اس نے کالے دل کے ساتھ رعونت سے ایک بڑی آگ بھڑکائے جانے کا حکم دیا اور اس آگ میں حضرت ابو مسلم خولانی کو پھنکوا دیا مگر آگ انہیں نقصان نہ پہنچا سکی اور یہ آگ سے صحیح سلامت نکل آئے۔

اسود عنسی کو اس کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اگر اس کو یونہی آزاد چھوڑ دیا تو یہ آپ کے علاقوں میں فساد مچائے گا۔ لہٰذا اسود عنسی نے انہیں وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو یہ یمن سے نکل کر مدینے تشریف لے آئے۔

حضرات شیخین اور حضرت ابو مسلم

جب حضرت ابو مسلم مدینے پہنچے تو نبی کریم ﷺ کا سانحہ ارتحال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر خلیفہ تھے۔ یہ آئے اور مسجد نبوی ﷺ کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں حضرت عمر کی نظر ان پر پڑی۔ ان سے پوچھا۔ بھائی کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا یمن سے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ اس اللہ کے دشمن نے ہمارے ساتھی کے ساتھ کیا کیا جسے اس نے آگ میں ڈال دیا تھا اور آگ نے اسے نقصان نہیں پہنچایا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ وہ عبداللہ بن ثوب ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہیں وہ تمہی تو نہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ”ہائے اللہ، جی ہاں میں ہی ہوں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے معانقہ کیا ان کی آنکھوں کے دمیان بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور دونوں کے

درمیان انہیں بٹھایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے موت نہ دی تاوقتیکہ میں امت محمد ﷺ کے اس شخص کو دیکھ لوں جس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جو حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن (رحمٰن کے دوست) کے ساتھ پیش آیا۔

دنیا کے ذکر سے اعراض

دنیاوی خواہشات اور رنگینیاں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں اور یہ کسی ایسے شخص کے پاس نہ بیٹھتے جو دنیاوی بات کر رہا ہوتا۔ یہ ایسے شخص کے پاس سے اٹھ جاتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ یہ ایک مسجد میں داخل ہوئے وہاں کچھ لوگوں کو بیٹھے دیکھا وہ اس طرح بیٹھے تھے جیسے اللہ کا ذکر کر رہے ہوں چنانچہ یہ ان کے پاس بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک یہ کہہ رہا تھا کہ میرا غلام آیا اور اسے یہ ملا وہ ملا۔ دوسرا کہہ رہا تھا میں نے غلام سامان دیا وغیرہ۔ حضرت ابو مسلم نے ان کی طرف دیکھا اور حیرت سے سبحان اللہ کہا اور فرمایا۔

''جانتے ہو تمہاری اور میری مثال کیسی ہے؟ ایک شخص نے شدید بارش سے بچنے کے لئے ادھر ادھر دیکھا تو ایک بڑا دروازہ دیکھا تو سوچنے لگا کہ میں اس مکان میں داخل ہو جاؤں تاوقتیکہ بارش ختم ہو جائے چنانچہ وہ اندر گیا تو دیکھا کہ مکان کی چھت نہیں تھی۔'' میں بھی تمہارے پاس آ کر بیٹھا امید تھی کہ تم اللہ کا ذکر اور نیکی کے بات کر رہے ہو گے مگر تم تو دنیا دار نکلے۔

عبادت اور خشوع

حضرت ابو مسلم کثیر عبادت اور بہت خشوع والے تھے۔ مسجد میں ایک کوڑا لٹکا رکھا تھا۔ اگر نماز میں نیند یا سستی پیدا ہوتی تو یہ کوڑا اٹھا کر اپنی پنڈلی پر ایک دو ضرب لگاتے پھر دوبارہ نماز پڑھنے لگ جاتے۔

ایک مرتبہ دو آدمی ان کے گھر مہمان آئے ان کی زوجہ نے کہا کہ وہ مسجد میں ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ آئے دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں تو پیچھے بیٹھ گئے اور دیکھا کہ رکوع میں اتنی دیر لگائی جتنی دیر تین یا چار سو رکعتوں میں لگتی ہے۔ بہرحال جب انہوں نے سلام پھیرا تو وہ کہنے لگے کہ اے ابومسلم ہم کافی دیر سے آپ کے منتظر تھے۔آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے تمہاری آمد کا علم ہوتا تو میں تمہاری طرف ضرور متوجہ ہو جاتا۔

کرامات

حضرت ابومسلم کی کرامات بے شمار ہیں اور کرامات کے ظہور پر خاموش رہتے۔ کسی سے حیرت کی نظر یا تعریفی کلمات کے منتظر اور خواہش مند نہ ہوتے جس سے وہ شہرت کے آسمان پر پہنچیں یا بزرگی جتائیں۔

ایک دن ان کی بیوی نے آواز دی۔ اے ابومسلم ہمارے پاس آٹا نہیں ہے'' پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک درہم ہے جو سوت بیچ کر حاصل ہوا ہے۔ فرمایا کہ لاؤ مجھے دو اور تھیلا بھی دے دو۔

پھر بازار میں آئے تو ایک فقیر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ ''اے ابومسلم مجھے صدقہ دیجئے۔ انہوں نے وہ درہم انہیں دے دیا۔ اور اس کے بعد اس تھیلے میں برادہ اور بڑھئی کے ہاں کی مٹی ڈال دی اور خاموشی سے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بیوی نے دروازہ کھولا تو یہ تھیلا خاموشی سے دروازے کے ساتھ رکھ کر تیزی سے واپس ہو گئے۔ رات گئے واپس لوٹے تو بیوی نے ان کے سامنے روٹیاں رکھیں۔ انہوں نے حیرت سے فرمایا یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے کہا کہ اس آٹے سے بنائی ہیں۔ جو آپ دروازے کے ساتھ رکھ گئے تھے۔ چنانچہ ابومسلم روٹی کھاتے جاتے اور روتے جاتے۔

دریا کو بغیر کشتی پار کرنا

ایک مرتبہ حضرت ابومسلم روم کے علاقے میں کسی جنگ میں شریک تھے۔

مجاہدین کے سامنے دریا (یا نہر) آ گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پار کرلو اور پھر خود سب کے سامنے دریا میں اتر گئے۔ دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی اتر گئے اور پار ہو گئے اور پانی گھوڑوں کے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتا تھا (حالانکہ دریا بہت گہرا تھا)۔

خلیفہ کو نصیحت

(جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو) حضرت ابومسلم ان کے پاس تشریف لے گئے وہ کرسی خلافت پر بیٹھے تھے اردگرد لوگ ان کی تعظیم کے لیے موجود تھے۔ ابومسلم نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ ''السلام علیک یا اجیر المومنین۔'' اے مومنوں کے مزدور السلام علیک'' لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے اور درباز میں سرگوشیاں شروع ہوگئیں کسی نے کہا اے...... خاموش امیر المومنین کہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سر جھکا لیا تھا۔ فرمانے لگے ابومسلم کو مت ٹوکو' کیونکہ اسے زیادہ معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا ہے۔ حضرت ابومسلم حضرت معاویہ کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں لوگوں کے معاملے کا ذمہ دار (امیر) بنا دیا ہے تو اس کے ہاں تمہارے جیسے لوگوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے ایک مزدور اجرت پر رکھا ہو اور اپنی بکریوں کا رکھوالا بنا دیا ہو اور اس شرط پر اس کے لیے اجرت رکھی ہو کہ اگر وہ گلے کے ساتھ اچھی محنت کرے ان کے جسموں کی حفاظت کرے اون بڑھائے۔ چنانچہ اگر وہ معاہدے کے مطابق کام کرے حتیٰ کہ چھوٹا جانور بڑا ہو جائے۔ لاغر بکری موٹی ہو جائے' بیمار صحیح ہو جائے تو وہ اسے اجرت دے گا اور زیادہ بھی دے گا لیکن اگر اس نے ریوڑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ غفلت برتی اور کوئی بکری ہلاک ہوگئی۔ موٹی بکری لاغر ہوگئی اور ان کا دودھ اور اون ضائع ہو گئے تو مالک اس کی اجرت روک لے گا اور غصہ ہو کر سزا بھی دے گا۔

لہٰذا آپ اپنے لیے وہ انداز اختیار کریں جس میں آپ کے لیے خیر اور اجر

ہو۔'' یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا۔ اے ابومسلم ہم نے تمہیں اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہ جانا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیق

رات کا آخری پہر تھا۔ مسلمان رومی سرزمین سے واپس آرہے تھے تو وہ ایک آبادی سے گزرے جو حمص سے چار میل کے فاصلے پر تھی۔ اچانک ایک راہب اپنے صومعے (عبادت خانہ) سے نکل کر آیا اور ان سے گویا ہوا۔ ''کیا آپ لوگ ابومسلم خولانی کو جانتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ''جی ہاں'' اس نے کہا کہ جب ان سے ملو تو ان کو میرا سلام کہنا کیونکہ ہم اپنی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ وہ جنت میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے۔'' لیکن تم لوگ اب انہیں زندہ پا نہ سکو گے۔ بہرحال یہ لوگ جو دمشق کے قریب غوطہ نامی جگہ پہنچے تو وہاں حضرت ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۶۲ ہجری بمطابق ۶۸۱ عیسوی)

☆ جن کا دل آسمان کے تاروں سے ملا ہوا تھا۔

☆ ان کی قرآن کی تلاوت دل کے تاروں کو ہلا دیتی تھی۔

☆ مشک سے بھرا تھیلا جسے حرکت دیں تو خوشی و استعجاب بڑھائے۔

☆☆☆

یہ ہیں بلبل زاہدین قراء کی زینت اس امت کے ربانی حضرت ابوشبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک النخعی الھمدانی' ثقہ تابعی ہیں یہ (نسک کے راستے پر) چلے حتیٰ کہ زاہدین کی جماعت میں پہنچ گئے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے علم کی روایت کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فقہ و سمجھ حاصل کی۔ ایمان کی تلوار سے معرکوں کے غبار کو چیرا لہٰذا بڑے معرکے سر کئے' صفین میں شریک تھے۔ خراسان کے جہاد میں حصہ لیا۔ کوفہ میں رہائش رکھی۔ عراق کے فقیہ تھے۔ طریقے اور صفات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہہ تھے۔

ان کی آواز مزامیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح بڑی سریلی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ فرماتے کہ قرآن کی تلاوت سناؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔" یہ پانچ دنوں میں ایک قرآن ختم فرماتے' لاولد انتقال ہوا۔ حضرت مرہ رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی تعریف میں فرمایا کہ "علقمہ رحمتہ اللہ علیہ (بن قیس) اس امت کے ربانی تھے۔"

صاحب علم و فضل

علم و فضل والے تھے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ بھی ان سے مسائل پوچھا کرتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کے بارے میں یہ تعریفی کلمات ارشاد فرمائے۔"

"میں جو چیز پڑھتا ہوں یا جانتا ہوں وہ بات علقمہ بھی پڑھتے اور جانتے ہیں۔ ایک دن قابوس بن ابی ظبیان نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ اصحاب رسول ﷺ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ ان کے والد نے فرمایا "اس لیے کہ میں نے خود اصحاب رسول ﷺ کو دیکھا ہے وہ ان سے سوال کرتے اور مسائل میں فتویٰ لیتے ہیں۔

اس قدر بڑے علم کے باوجود انہوں نے کبھی حلقہ درس نہیں بنایا نہ ہی کبھی کسی ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھے بلکہ وہ حلقوں سے دور ہی بھاگتے تھے۔

کسی نے ان سے عرض کیا کہ آپ مسجد میں کیوں نہیں بیٹھتے تاکہ لوگ آپ کے پاس بیٹھیں اور آپ فتویٰ دیں۔ یہ سن کر ان کے بدن میں رعشہ سا طاری ہو گیا۔

آپ نے سر ہلاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ میری گردن روندی جائے اور کہا جائے کہ ''یہ علقمہ ہے۔''

بادشاہوں کی چوکھٹ سے احتراز

انہوں نے اپنی پیٹھ امراء کے دروازوں کی طرف کر دی تھی اور کبھی کسی حکمران کی چوکھٹ پر بھی نہ چڑھے کسی نے انہیں کہا کہ آپ سلطان کے پاس کیوں نہیں جاتے تاکہ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ انہوں نے غصہ میں فرمایا۔ واللہ میں ان کی دنیا سے کچھ حاصل نہیں کروں گا الا یہ کہ وہ اسی کے مثل مجھ سے دین حاصل کریں اور ڈرتا ہوں کہ جتنا میں ان سے لوں وہ مجھ سے اس سے کم حاصل کریں گے۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ ابن زیاد جب بصرہ اور کوفے کا گورنر بنا تو اس نے انہیں بلوایا مگر یہ نہیں گئے تو کسی نے ابو وائل سے پوچھا کہ یہ کیوں نہیں گئے تو انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ علقمہ کے پاس چلو تو انہوں نے علقمہ کے پاس جا کر ان سے یہ بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جان رکھو کہ تم جب بھی ان حکمرانوں سے کچھ حاصل کرو گے تو یہ اس سے افضل چیز تم سے واپس لیں گے۔'' (نوٹ کتاب میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے ہم نے اپنی یادداشت سے بڑھا دی ہے: ان کان صحیحا فمن اللہ والا فمنی)

وفات

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے اوپر جاہلیت کے رونے کی طرح مت رونا اور میری وجہ سے کسی کو تکلیف مت دینا' دروازہ بند کر دو اور میرے جنازے کے پیچھے کوئی عورت نہ چلے نہ ہی آگ لے کر چلنا۔ اگر تم اتنا کر سکو کہ میرے آخری الفاظ لا الہ الا اللہ ہوں تو ایسا کر لو (یعنی مجھ سے زیادہ باتیں مت کرو تاکہ کلمہ پڑھتے ہوئے ہی میری وفات ہو جائے)۔

چنانچہ کوفہ میں ۶۲ ہجری میں ان کا پاک بدن مٹی کے حوالے کر دیا گیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ربیع بن خثیم رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۶۳ ہجری بمطابق ۶۸۲ عیسوی)

☆ ایسے شخص کہ جنہیں رسول اکرم ﷺ دیکھتے تو پسند فرماتے۔

☆ ان کی سرگوشی تسبیح، گفتگو اللہ تعالیٰ کی حمد اور بلند آواز کلمہ اور تکبیر کی آواز ہوتی۔

☆☆☆

ایسا نوجوان جس نے تاریخ کے کانوں میں زہد کا گیت اتارا۔ زہد کے راستے پر جوانی کی ابتداء سے چلا۔ یہ متقی پرہیز گار اور عبادت گزار نوجوان محراب زہد، ابو یزید ربیع بن خثیم ثوری کوفی ہیں جو بڑے سرکردہ اور عقلمند انسان تھے نبی کریم ﷺ کا زمانہ انہوں نے پایا۔ شہرت کی روشنی سے فرار کے لیے بے قیمت کپڑے پہنتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کا زہد وعبادت مشہور ہوا۔ ان کے لب ذکر الٰہی سے رکتے نہ تھے۔ رضا سے ایسا لباس بنایا تھا جو دنیا میں انہیں چھپاتا تھا۔ زاہدین کا راستہ گم نہیں کیا اور ان کا زہد فقر سے فرار کے لیے بھی نہ تھا بلکہ ایسے شخص کا زہد تھا جس نے بہت کچھ (دنیاوی دولت وعزت سے) پایا مگر اسے ترک کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا۔ "اے ابو یزید اگر تمہیں رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو ضرور پسند فرماتے اور تمہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے۔" شعبی سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے ذکر کیا کہ ربیع ہم سب میں بڑے متقی و پرہیز گار تھے۔" علقمہ بن مرثد نے فرمایا کہ زہد آٹھ تابعین پر ختم ہو گیا ان میں سے ایک حضرت ربیع بھی تھے۔

ذکر وفکر ان کی غذا تھی

ذکر اور فکر ان کو آسمان کے دروازوں تک ان کی معراج اور اسراء تھے۔ ایک دن "ابن الکواء" آپ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ اپنے سے بہتر شخص کی طرف میری رہنمائی

کریں۔ تو ربیع نے فرمایا کہ جس کی گفتگو خیر خاموشی تفکر اور چلنا تدبر ہو۔ وہ شخص مجھ سے بہتر ہے۔ ایک دن ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کی صبح کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ ہم نے گناہ کی حالت میں صبح کی اپنا رزق کھا رہے ہیں اور اپنا وقت پورا ہونے کے منتظر ہیں۔

حضرت ربیع نے ذکر کو دل کی غذاء اور روشنی بنا لیا تھا چنانچہ ایک دن کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے تو کسی نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھیں گے؟ فرمایا کہ اگر میرے دل سے موت کا ذکر ایک لمحے کے لیے بھی جدا ہو گیا تو میرے دل کا معاملہ بگڑ جائے گا۔

نماز روزے سے محبت

نماز اور روزے سے بے انتہا محبت تھی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جاگنے کے تو عاشق تھے انہیں کوئی چیز غافل نہیں کر سکتی تھی۔ ایک حصے پر فالج ہو گیا تھا تو دو افراد کے سہارے مسجد جاتے۔ کسی نے کہا۔ اے ابو یزید اللہ تعالیٰ نے تمہیں رخصت دی ہے اگر آپ نماز گھر میں پڑھیں (تو جائز ہے) آپ نے جواب دیا "لیکن میں حی علی الفلاح پکارتے سنتا ہوں اور جو شخص اسے سنے تو اسے چاہیے کہ اس کی پکار پر لبیک کہے اگرچہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر جائے۔

ربیع جب سجدہ کرتے تو یوں لگتا کہ کسی نے کپڑے پھینک دیئے ہوں۔ چنانچہ چڑیا آ کر ان پر بیٹھ جایا کرتی تھیں۔

شہرت سے دور رہنا

وہ یہ پسند کرتے تھے کہ اندھیرے میں رہیں۔ شہرت کی روشنی اور ظاہر ہونے سے بہت دور رہیں۔ ان کی باندی کا بیان ہے کہ حضرت ربیع کا ہر عمل چھپ کر ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس آتا اور یہ قرآن پڑھ رہے ہوتے تو قرآن کو کپڑے سے چھپا لیتے (تاکہ وہ مشہور نہ کر دے کہ وہ تلاوت کرتے رہتے ہیں)۔

اپنے نفس کو طاعت کے کوڑے سے سدھا لیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کا گھوڑا چوری ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ چور کے لیے بد دعا کریں تو آپ نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ میں دعا

کروں گا۔'' پھر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

''اے اللہ اگر وہ چور مالدار ہے تو اس کی مغفرت فرما اور اگر غریب ہے تو اسے غنی فرما۔''

بنو تمیم کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں حضرت ربیع بن خثیم کے پاس دس سال بیٹھا مگر ان کی زبان سے دنیا کے کسی معاملے کے بارے میں الفاظ نہیں سنے صرف دو موقع ایسے آئے کہ انہوں نے دنیاوی بات کی اور یہ بات کی۔(۱) کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟ (۲) تمہارے ہاں کتنی مسجدیں ہیں۔

جہنم کی آگ کی یاد نے ان کی نیند کو بے چین کر دیا تھا۔ ایک دن ان کی صاحبزادی نے ان سے پوچھا۔''ابا جان کیا بات ہے دنیا کے سارے لوگ سوتے ہیں مگر آپ نہیں سوتے۔ ان کے چہرے پر غم کا ہالہ قائم تھا فرمایا۔ بیٹی مجھے جہنم (کی آگ) سونے نہیں دیتی۔

آخری لمحات

جب آپ کو مرض کے تیر لگے تو آپ بستر پر پڑ گئے۔ فرمانے لگے کہ ''موت سے بہتر کوئی غائب نہیں جس کا مومن انتظار کرے۔ جب ان کی بیماری بڑھ گئی تو ان کی صاحبزادی رونے لگیں تو انہوں نے فرمایا میری بچی مت رو بلکہ یہ کہہ ''آج خوشخبری ہو کہ میرے والد کو خیر ملی ہے۔

کسی نے کہا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلا لاتے ہیں؟ فرمایا کہ عاد ثمود اور اصحاب الرس اور دوسرے زمانوں کے لوگوں میں بھی مریض اور معالج تھے۔ مگر نہ دوا کرنے والا بچا اور نہ ہی دواء دینے والا۔ موت کی خبر دینے والا اور مرنے والا سب ہی ہلاک ہو گئے۔

وفات

واقعہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی وفات کوفہ میں ۶۳ ہجری میں ہوئی اس وقت کوفہ پر عبید اللہ بن زیاد گورنر تھا۔

سیدنا حضرت مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ

☆ جو سوئے تو صرف سجدے کی حالت میں۔

☆ خوف کی محراب میں سرگرداں۔

☆ رات کے اندھیروں کا راھب۔

☆☆☆

امام، رہنما، ثقہ تابعی، عارف باللہ، چمکتے دل کے مالک۔ یہ ہیں۔ ابو عائشہ مسروق بن عبدالرحمٰن الھمدانی، یمن سے تعلق تھا۔ حالت صغر میں چوری ہو گئے تھے لہٰذا مسروق نام پڑھ گیا۔ مخضرمی ہیں نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں ایمان لائے اور عہد صدیقی میں مدینے آئے۔ خود کو علم اور ورع (تقویٰ) کے میدان ہی میں پایا۔ کوفے میں مقیم تھے۔ غریب تنگدست انسان تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام پوچھا تو جواب دیا۔ مسروق بن اجدع، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اجدع تو شیطان کا نام ہے۔ تم مسروق بن عبدالرحمٰن ہو۔ چنانچہ پھر یہی نام باقی رہا۔

علمی فضیلت

حضرت شریح سے زیادہ مسائل کو جاننے والے تھے۔ جب نماز پڑھتے تو گویا وہ رات کی تاریکی میں عبادت کرنے والے راہب ہوتے۔ جنگ قادسیہ میں ایک ہاتھ بیکار ہو گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق جیسا کوئی بیٹا نہیں جنا۔ جب عبیداللہ بن زیاد کوفہ آیا تو اس نے پوچھا کہ یہاں لوگوں میں سب سے زیادہ افضل شخص کون ہے؟ جواب ملا کہ حضرت مسروق ہیں۔''

محنت کے بازو پر چادر لپیٹ لی اپنی لاٹھی گردن پر رکھی اور علم کے حلقوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اصحاب حدیث کے ہمراہ حدیث کی عنان کو گھماتے رہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ دنیا کے کسی کونے میں میں نے مسروق جیسا علم کی طلب

رکھنے والا شخص نہیں دیکھا۔

ایک دن مسروق کوفے سے بصرہ ایک شخص سے ایک آیت کا مفہوم پوچھنے گئے تو اس شخص کو بھی اس کا علم نہ تھا چنانچہ اس نے ایک اور عالم کا پتہ بتایا جو شام میں رہتے تھے چنانچہ یہ اس کی تلاش میں شام روانہ ہو گئے۔

زہد و ورع کے عجیب قصے

زہد اور ورع کے عجیب قصے ہیں جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے چنانچہ حج کرنے گئے تو وہاں ایک دن بھی نہ سوئے۔ اگر سوتے تو سجدے کی حالت میں سوتے۔ اور واپسی تک پیشانی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بچھائی۔

ان کی زوجہ فرماتی ہیں کہ وہ اس قدر نماز پڑھتے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ انہیں قاضی کا عہدہ سونپا گیا تو کبھی اس کی تنخواہ نہیں لی بلکہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ یہ بھی فرماتے کہ مجھے اچھا گمان صرف اس وقت ہوتا ہے جب خادم یہ کہے کہ گھر میں نہ آٹا ہے نہ کوئی درہم وغیرہ۔''

دنیا کی حقیقت

ایک دن یہ اپنے خچر پر سوار تھے ان کے پیچھے ان کا بھتیجا بیٹھا تھا۔ آپ نے اسے کہا کہ تجھے دنیا دکھاؤں؟ یہ کہہ کر حیرہ کے پرانے کچرا گھر کے پاس لے گئے۔ فرمایا کہ ''یہ ہے دنیا۔ لوگوں نے کھایا اور اسے فنا کر دیا۔ پہنا تو اسے بوسیدہ کر دیا۔

ایک دن گرمی کے موسم میں روزے کی حالت میں غشی طاری ہوگئی۔ صاحبزادی نے عرض کیا۔ ابا جان روزہ توڑ دیں۔ آپ نے فرمایا تم نے میرے ساتھ یہ کہہ کر کیا چاہا؟ اس نے کہا کہ ''نرمی اور آسانی چاہی تھی۔ فرمانے لگے۔ ''میری بچی میں تو اپنے لیے اس دن میں آسانی تلاش کر رہا ہوں جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ پھر فرمانے لگے کہ کسی شخص کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے

لگے۔ اور کسی شخص کے لیے اتنا جہل کافی ہے کہ اس کو اپنے عمل پر عجب (تکبر خود پسندی) پیدا ہونے لگے۔

ان کی زوجہ فرماتی ہیں کہ ہم نے انہیں جب بھی دیکھا' کثرت نماز کی بناء پر ان کی پنڈلیاں سوجی ہوئی نظر آئیں۔

آخری لمحات

جب موت کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ کسی نے کہا یہ رونا پیٹنا کیسا؟ فرمایا میں کیوں نہ روؤں یہ تو ایک وقت ہے اور مجھے یہ نہیں معلوم کہ کہاں لے جایا جائے گا۔ میرے سامنے دو راستے ہیں نہیں معلوم جنت میں لے جایا جائے گا یا جہنم میں لے جایا جائے۔

حضرت مسروق دنیا سے بالکل خالی ہاتھ چلے گئے۔ ان کی ملکیت میں کچھ نہ تھا بالکل اس طرح کہ جب پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پڑوس سدھار گئے تو لوگوں نے ان کے کفن کے لیے رقم ڈھونڈھی تو کچھ نہ ملا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ

"ان کے کفن کی قیمت کی ادائیگی کے لیے قرض لے لو۔"

بہر حال کوفہ میں ۶۳ ہجری میں ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

سیدنا احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۶۳ ہجری بمطابق ۶۸۲ عیسوی)

☆ ایک شخص جو شرف سے دور بھاگتا تھا اور شرف اس کے پیچھے چلا آتا تھا۔

☆ صحابیت کے شرف سے محروم ہوئے مگر نبی کریم ﷺ کی رضا سے محروم نہ ہوئے۔

☆ شاید وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی میں سردار بن جاتے۔

☆☆☆

عرب کے یکتا لوگوں میں سے ایک شخص' حکمت اور زہد کا شہسوار' یہ ہیں۔

حضرت احنف بن قیس بن معاویہ بن حصین المری سعدی تمیمی، کنیت ابو بحر تھی۔ احنف اس لیے مشہور ہوئے کہ ان کی پنڈلیاں ٹیڑھی تھیں (حنف) کے معنی ٹیڑھی پنڈلیوں والا ہونا ہے چہرے کی بدصورتی اور کوتاہ قد ہونے کے باوجود وہ دھاۃ عرب (عرب کے ذہین ترین لوگوں) اور اسلام کے عظیم سپوتوں میں شمار ہوتے تھے۔

بنو تمیم کے سردار، ایک فصیح اور بہادر شخص، بردباری ضرب المثل تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی۔ جس پر انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور فرماتے کہ رسول اکرم ﷺ کی دعا کے علاوہ میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کی وجہ سے قیامت میں نجات کی امید ہو۔

بصرہ میں پیدا ہوئے، یتیمی میں جوان ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا مگر آپ ﷺ کا دیدار نہ کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے پاس وفد لیکر گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ چنانچہ ان کے پاس ایک سال رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر بصرہ واپس آ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ احنف کو اپنے قریب کرو اس سے مشورہ کیا کرو اور اس کی بات سنا کرو۔

خراسان کی فتوحات میں شریک تھے۔ یوم جمل کے فتنہ سے الگ ہو گئے تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ہمراہ تھے۔

اپنا محاسبہ کرتے ہوئے فرماتے کہ میں نے خود کو قرآن کریم پر پیش کیا تو میں نے خود کو اس آیت کے زیادہ مشابہ پایا۔ اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور نیک اعمال کو خلط کر دیا اور دوسرے برے کیے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

زہد و تواضع

حضرت احنف تنہائی میں جا کر ہاتھ اٹھا کر گڑگڑاتے۔ اے اللہ اگر تو مجھے

عذاب دے تو میں اس کا اہل ہوں اور اگر تو مجھ کو معاف کر دے تو تو اس کا اہل ہے۔"

فرماتے کہ تعجب ہے اس شخص پر جو پیشاب کی جگہ سے دو مرتبہ گزرنے کے باوجود تکبر کرتا ہے۔

حضرت احنف اپنی قوم میں بڑے اونچے مقام پر تھے حتیٰ کہ اپنی عقل، حلم اور زہد کی بناء پر ان کے سردار بن گئے۔ تو لوگوں نے ان کی عزت افزائی کے لیے عرض کیا کہ ہم آپ کے چوکیدار (دربان) مقرر کر دیں؟ تو آپ نے تواضع اور انکساری سے فرمایا کہ میں نے دربان (داروغہ) کے بارے میں صرف جہنم میں ہونا سنا ہے۔ واللہ میرے لیے کبھی کوئی دربان مقرر نہیں کیا جائے گا۔

وفات تک ان کا گھر بانس کی چھپٹیوں کا بنا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ سفر سے واپس آئے تو اپنے گھر کی چھت کو بدلا ہوا دیکھا۔ (یا اس پر لال یا سبز رنگ ہوا دیکھا) تو ٹھٹک کر رہ گئے۔ کسی نے پوچھا کہ چھت کو کیسا دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا بھائی معاف کرنا جب تک اسے نہیں بدلو گے میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔

کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے سردار بنایا۔ فرمایا کہ اگر لوگ پانی کی برائی کریں تو میں پانی بھی نہ پیوں۔

خشوع وخوف الٰہی

حضرت احنف کسی بیمار شخص کی طرح بے چین رہتے اور کسی گمشدہ بچے کی ماں کی طرح جہنم کے عذاب کے خوف سے رویا کرتے تھے۔ حضرت احنف کا خادم جو ان کی تنہائی کے حال سے واقف تھا۔ بیان کرتا ہے کہ وہ اکثر جب تنہائی میں جاتے تو قرآن کریم ہی مانگتے۔ اور ان کی عام طور سے رات کی نماز دعاؤں پر مشتمل ہوتی۔ (زیادہ تر دعا میں مشغول ہوتے) ان کو جب بھی کسی گناہ کا احساس ہوتا یا کوئی عیب ظاہر ہوتا تو وہ اپنا ہاتھ چراغ کے اوپر رکھ دیتے اور خود سے کہتے محسوس کر (درد ہوتا ہوا) پھر فرماتے اے احنف محسوس کر تجھے فلاں دن فلاں کام پر کس نے اکسایا تھا۔

روزے سے محبت

ان کی روزے سے محبت اس درجہ تھی کہ انتہائی بڑھاپے میں بھی روزے رکھا کرتے تھے چھوڑتے نہیں تھے انہیں کہا گیا کہ آپ بوڑھے ہیں روزے سے اور کمزوری بڑھ جائے گی؟ تو فرمانے لگے کہ میں بڑے طویل سفر کے لیے انہیں ذخیرہ کررہا ہوں۔

عرب کے بڑے بردباد اور مشہور شخص تھے ایک دن یہ بصرہ کے مضافات میں اکیلے کہیں چل رہے تھے کہ ایک شخص ان کے سامنے آیا اور انہیں برا بھلا کہنے اور عیب لگانے لگا اور یہ چپ چاپ چلتے رہے جب یہ آبادی کے قریب ہوئے تو احنف اس کی طرف مڑے اور نرمی سے فرمایا۔ اے بھتیجے اگر کچھ اور کہنا باقی رہ گیا ہو تو وہ بھی کہہ لو۔ کیونکہ اگر میری قوم نے تمہاری باتیں سن لیں تو تمہیں ان لوگوں سے تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

پڑوس کے حقوق کا خیال

ایک مرتبہ احنف بن قیس اپنے گھر کی چھت پر چڑھے تو اچانک ان کی نظر پڑوسی پر پڑ گئی۔ فوراً کپکپاتی آواز میں فرمایا برا کیا برا کیا۔ مجھے پڑوسی پر بغیر اجازت داخل کر دیا گیا۔ آئندہ اس گھر کی چھت پر کبھی نہیں چڑھوں گا۔

ایک مرتبہ احنف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کے ساتھ خاموشی سے بیٹھ گئے کوئی بات نہ کی۔ حضرت معاویہ نے بڑے تعجب سے کہا۔ آپ بات کیوں نہیں کرتے؟ احنف نے بڑے حوصلے سے کہا کہ اگر جھوٹ بولوں تو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور سچ بولوں تو تمہارا خوف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکوہ کبھی کسی سے نہیں کرتے تھے ایک دن کہنے لگے کہ میری چالیس سال سے آنکھ کی روشنی ختم ہو چکی ہے مگر آج تک میں نے کسی سے اس کا شکوہ نہیں کیا۔

ایک مرتبہ لوگ ان کی تعریف کرتے ہوئے آئے کہنے لگے۔ اے ابو بحر، ہم

نے آپ سے زیادہ باوقار اور بردبار شخص نہیں دیکھا۔ یہ سن کر حیاء سے ان کا چہرہ لال ہوگیا۔ ان کی تعریف کا انکار کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ لیکن میں نے خود کو تین معاملات میں بڑا جلد باز پایا ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا؟ تو فرمایا۔ "(۱) نماز کا وقت جب ہو جائے تو میں جلدی کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اسے ادا کرلوں۔ اور بے شوہر کی عورت کا جب پیغام نکاح کفو سے آجائے تو میں جلدی کرتا ہوں حتیٰ کہ اس کا نکاح کرادوں اور جنازہ جب اٹھایا جائے تو میں جلدی کرتا ہوں حتیٰ کہ اسے اس کی قبر تک پہنچادوں۔

کرامات

ان کی بڑی کرامات بھی مشہور ہیں۔ ایک دن چیونٹیاں بہت ہوگئیں اور احنف کو ان سے تکلیف ہوئی تو کرسی لانے کا حکم دیا اور کرسی کو ان کے بل کے پاس رکھ کر بیٹھ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور کہا کہ تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ بس اب رک جاؤ ورنہ ہم تمہیں تکلیف دیں گے۔ چنانچہ چیونٹیاں رک گئیں اور اپنے بل میں چلی گئیں۔

بے مثال حلم

ان کے بے مثال حلم کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دن احنف بن قیس اپنے گھر کے دالان میں بیٹھے تھے۔ اچانک لوگ ان کے بیٹے کی قتل شدہ لاش اور ان کے بھتیجے کو رسیوں میں جکڑ کر لائے اور کہا کہ آپ کے بھتیجے نے آپ کے بیٹے کو قتل کردیا ہے۔ یہ سن کر احنف نے ذرا سی جنبش بھی نہ لی اور نہ اپنے بیٹھنے کے انداز کو بدلا۔ بڑی نرمی سے اپنے بھتیجے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ میرے بھتیجے! تم نے اپنے رب کا گناہ کیا ہے اور اپنے ہی تیر سے خود کو مارا ہے اور اپنے چچا زاد بھائی کو قتل کیا ہے۔ پھر اپنے دوسرے بیٹے کو مخاطب کرکے فرمایا۔ میرے بیٹے اپنے چچا زاد کی رسیاں کھول دو اور اپنے بھائی کی نعش دفنانے کا انتظام کرو اور اس کی ماں کے پاس دیت کے سو اونٹ لے جاؤ اس لیے کہ وہ بیچاری عورت ہے۔

وفات

احنف بن قیس حضرت مصعب بن زبیر کے دوست تھے۔ ان کے پاس وفد لیکر کوفہ گئے اور ان ہی کے پاس ۶۳ ہجری میں وفات ہوگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت صفوان بن محرز رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۷۴ ہجری بمطابق ۶۹۳ عیسوی)

☆ جس نے نماز کی شمعوں سے رات کو روشن کیا۔
☆ ان کا گھر ان کی قبر تھا۔
☆ ایسا شخص جو الحمد للہ کہتا تو لوگوں کو رلا دیتا۔

☆☆☆

جس نے اخلاص کو دل کی گہرائیوں سے چھوا۔ جس کے الفاظ دلوں تک راستہ بنا لیتے تھے۔ یہ ہیں عابد' صالح ایک بڑے ولی صفوان بن محرز بن زیاد المازنی جو جلیل القدر تابعی نمازوں میں بہت کھڑے ہونے اور رونے والے شخص تھے۔

عبادت کے سمندر میں سرگرداں' دنیا کو پہچانے مگر اس کے سامان سے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی۔ رات کے اندھیرے کو اپنی نماز کی شمع سے دور کرتے۔ دنیاوی گفتگو انہیں پسند نہ تھی۔ دنیا میں بادشاہ بن کر اس طرح زندگی گزاری کہ دنیا ان کے قدموں کے نیچے اور عزت و تقویٰ کا تاج ان کے سر پر تھا۔

صفوان کے معمولات

اپنی زندگی ایک روٹی سے افطار کرتے گزار دی۔ پانی کے چند گھونٹ پیتے تو سیراب ہو جاتے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ فجر کی نماز کے بعد اپنی گود میں قرآن کریم رکھ کر پڑھتے حتیٰ کہ چاشت کا وقت ہو جاتا۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے

حتیٰ کہ زوال کا وقت قریب آ جاتا۔ چنانچہ یہ اٹھ کر خود کو زمین پر ڈال دیتے اور ظہر تک سوجاتے۔ وفات تک ان کا یہی معمول رہا۔ جب ظہر کی نماز پڑھ لیتے تو عصر تک نفل نمازیں پڑھتے۔ عصر کے بعد قرآن کریم لیکر اصفرار شمس تک قرآن پڑھتے رہتے۔

حضرت ابو الحسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے گرد لوگ جمع تھے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ چنانچہ بآواز بلند فرمایا۔ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو دنیا کی حلال چیزوں میں بھی اس طرح رغبت نہیں رکھتے جس طرح تم حرام چیزوں میں نہیں رکھتے۔ میں ایسے لوگوں سے بھی ملا ہوں جن کی نیکیوں کے بارے میں اس سے زیادہ ڈر ہے کہ وہ قبول نہ کی جائیں جتنا تمہارے گناہوں کے نہ قبول ہونے کا ہے۔ اور میں ایسے لوگوں سے بھی ملا ہوں جو زمین پر بیٹھ کر کھاتے ہیں اور زمین پر ہی سوتے ہیں۔ ان میں سے ایک صفوان بن محرز بھی ہیں۔

صفوان کا زہد

صفوان کبھی دنیا میں عمارتوں کے بنانے میں دنیا والوں کے ساتھ نہیں ہوئے۔ نہ حلال اور پاک اور من پسند چیزوں کے جمع کرنے میں ان کا ساتھ دیا جن پر انسان کی رال ٹپکتی ہے۔ انہوں نے خود کے لیے زمین میں چھوٹا سا تہہ خانہ سا بنا رکھا تھا جس میں سویا کرتے تھے۔ جب صفوان روٹی کھا لیتے تو کمر مضبوط ہو جاتی اور اس پر پانی پی لیتے اور کہتے۔ ”دنیا اور دنیا والوں کو ہمارا سلام ہے۔ (دنیا اور اس کی لذتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں)۔

ساحر بیان، صفوان

صفوان کی گفتگو کیا تھی بلبل کی کوک تھی۔ جب الفاظ زبان سے نکلتے لوگوں کے آنسو چھلک پڑتے۔ ان کی گفتگو (زبان سے نہیں) دل کی گہرائی سے نکلتی تھی اور لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتی۔ صفوان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھتے تو ساتھی (حلقہ احباب) آپس میں ذکر و اذکار اور آخرت کی گفتگو میں مشغول ہو جاتے مگر اپنی

باتوں میں انہیں کوئی رقت اور کشش نظر نہ آتی تو کہتے۔ اے صفوان ہمیں بیان کیجئے۔ اور جب کبھی صفوان صرف الحمد للہ کہتے تو دلوں پر رقت طاری ہو جاتی اور ان کے آنسو مشکیزے کے کھلے منہ کی طرح بہنے لگتے۔

مستجاب الدعوات صفوان

حضرت صفوان کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے۔ دعا قبول ہو جاتی رد نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن امیر بصرہ نے حضرت صفوان کے بھائی کو گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا۔ صفوان نے کسی معزز کو نہیں چھوڑا کہ جس سے فائدہ ملنے کی آس ہوتی اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس سے اپنے بھائی کی رہائی کے سلسلے میں بات کی۔ چنانچہ رات کو مصلے پر ہی غم کی حالت میں سو گئے خواب میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے صفوان اپنی حاجت کو اس کی اصل جہت سے مانگو۔" چنانچہ بڑبڑا کر اٹھے۔ وضو کیا نماز پڑھی اور دعا کی اور ان کی آواز یوں بلند ہوگئی جیسے بجلی آسمان کے دروازوں کو ہلا رہی ہو۔"

چنانچہ دعا کی برکت سے امیر بصرہ "ابن زیاد" کا دل نرم ہو گیا اور وہ اپنی نیند سے بیدار ہو گیا۔ اس کے دل پر رعب طاری تھا اور خوف کے مارے پیشانی عرق آلود تھی۔ چنانچہ اس نے اسی وقت آواز لگائی کہ "صفوان بن محرز کے بھائی کو میرے پاس لیکر آؤ' میری نینداس کی وجہ سے حرام ہوگئی ہے۔ چنانچہ اہلکار اسے لے آئے۔ ابن زیاد نے اسے کہا کہ بغیر کسی ضمانت یا اور کسی چیز کے چلے جاؤ۔ چنانچہ ان کا بھائی وہاں سے رہائی پا کر نکل آیا اور حضرت صفوان کو پتہ تک نہیں چلا اور اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت صفوان نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اس نے آ کر سارا قصہ بیان کیا۔

وفات

حضرت صفوان بن محرز رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ۷۴ ہجری میں بصرہ میں ہوا۔ اس وقت بشر بن مراون وہاں کا گورنر تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت اسود نخعی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۷۵ ہجری بمطابق ۶۹۴ عیسوی)

☆ روزہ جن کی اسراء اور نماز معراج تھی۔
☆ بعض صحابہ جن سے رؤیت نبی کی بناء پر ہی فائق تھے۔
☆ ایسا شخص جو کہ زہد کے دروازے سے تاریخ میں داخل ہوا۔

☆☆☆

رات کے ستاروں میں سے ایک ستارہ زہد کے آٹھ قلعوں میں سے ایک قلعہ' جنہیں زہد کی بنا پر یہ نصیب ہوا کہ وہ نماز اور روزے میں مشغول رہیں۔ یہ ہیں حضرت اسود بن یزید بن قیس النخعی' کوفہ کے عالم تھے۔ علقمہ بن قیس کے بھتیجے مگر عمر میں علقمہ سے بڑے تھے۔ زاہد' متقی' پرہیز گار اور حافظ۔ ان کی عبادت راہبوں کی طرح کی تھی۔ اپنی ذات سے ایک لشکر تشکیل دے لیا تھا جو نفس کے حملوں کا مقابلہ کیا کرتا۔

مخضرمی تھے' جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے مگر نبی کریم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے تھے۔ سادات تابعین میں سے تھے۔ صحابہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان کے روحانی چشموں سے فیضیاب ہوئے۔ گشت کرنے والے زاہدین میں سے تھے۔

حضرت علقمہ بن مرثد کا قول ہے کہ زہد آٹھ تابعین پر مکمل ہو گیا۔ ان میں سے ایک حضرت اسود بن یزید بھی ہیں۔ حضرت عمارہ کہتے ہیں کہ اسود راہبوں میں سے ایک راہب تھے۔

عبادت و زہد

ان کی زندگی پاک اور لہو ولعب سے دور گذری اور کسی کے خیال سے بھی زیادہ حیرت انگیز گذری۔ آپ رمضان المبارک میں دو راتوں میں قرآن ختم کرتے اور رمضان کے علاوہ ہر چھ راتوں میں اور صرف مغرب اور عشاء کے درمیان سوتے تھے۔

اسود نخعی نے حج و عمرے تقریباً اسی کیے تھے اور حج اور عمرے کی نیت الفاظ

میں ادا نہیں کرتے تھے۔ کسی نے یہ بات ذکر کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نیت کو جانتا ہے۔ جب حاجیوں کا اژدھام ہوتا اور حاجی حضرات ان معطر فضاؤں میں بکھرے اپنی اور تلبیہ کی آواز سے فضا کو بھر رہے ہوتے۔ ایسے میں اسود نخعی آواز لگاتے۔ ''لبیک غفار الذنوب'' اے گناہوں کے خوب معاف کرنے والے میں حاضر ہوں۔

اسود نخعی صحن محراب میں شب بیداری سے محبت کرتے اور رات کی تاریکی میں اپنی آواز دھیمی رکھ کر (مناجات کرنے کے عاشق تھے۔ گرمیوں کے روزوں نے انہیں بیمار کر دیا حتیٰ کہ ان کا جسم کثرت صیام کے باعث کبھی ہرا ہو جاتا کبھی پیلا پڑ جاتا۔ کسی نے کہا کہ اپنے بدن کو کیوں تھکا رہے ہو؟ بڑی دھیمی سی آواز میں فرمایا۔ واللہ میرا ارادہ صرف اسے راحت پہنچانے کا ہے۔

وفات

حضرت اسود بستر مرگ پر جا پہنچے اور روتے کپکپاتے راتیں گزارتے آنسو خوف کے مارے رخساروں پر بہتے رہتے۔ کسی نے کہا یہ رونا دھونا کیسا؟ فرمایا میں کیوں نہ روؤں؟ اس کا مجھ سے زیادہ حقدار کون ہے؟ واللہ اگر خدا کی طرف سے میری مغفرت ہو بھی گئی تو مجھے اپنے کیے پر ضرور حیا آئے گی۔ پھر جلد ہی انہیں موت نے آن لیا اور انہوں نے ۷۵ ہجری میں کوفہ میں اپنے رب کا پڑوس اختیار فرما لیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت یزید بن اسود رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۷۵ ہجری بمطابق ۶۹۴ عیسوی)

☆ ایسی آواز جسے آسمان والے پسند کرتے تھے۔
☆ ایسا شخص جس کی دعا کی گنگناہٹ کو بارش کا فرشتہ پسند کرتا تھا۔
☆ جس کی گفتگو آسمانوں کے کانوں میں نسیم صبح کی ہلکوریوں سے زیادہ بھلی لگتی تھی۔

☆☆☆

جس شخص نے اپنی آواز سے دنیا کی کبریائی کو ہلا کر رکھ دیا اس کی دعا رزق کی

کنجی تھی۔ جو مستجاب الدعوات تھا۔ جس کے وسیلے سے لوگ بارش کی دعا کرتے تھے۔ خوف خدا سے بھرپور ایک زاہد' صاحب کرامات ولی اور نیک انسان۔ یہ ہیں حضرت ابو الاسود یزید بن اسود (رحمتہ اللہ علیہ) مخضرمی تھے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ مگر رسول اکرم ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی۔ کسی نے پوچھا آپ کی عمر کتنی ہے؟ کہنے لگے کہ میں نے اپنی قوم میں عزیٰ کی پوجا ہوتے دیکھی ہے۔

مستجاب الدعوات اور دعاؤں کا وسیلہ

آسمان نے پانی روک لیا (قحط سالی ہوگئی) چنانچہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور اہل دمشق نماز استسقاء کے لیے نکلے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آواز لگائی۔ ''یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آوازیں لگانا شروع کیں تو یہ لوگوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے منبر کے پاس پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر منبر پر بیٹھ گئے اور حضرت معاویہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے۔

''اے اللہ ہم تیرے دربار میں ہم میں سے اچھے اور افضل آدمی کے ذریعے سفارش کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم یزید بن اسود جرشی کے واسطے سے سفارش کرتے ہیں۔ اے یزید اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھائیے۔'' حضرت یزید نے ہاتھ اٹھائے لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بادل آسمان پر چھا گئے اور ہوا چلنی شروع ہوگئی اور ایسی بارش ہوئی کہ لگتا نہیں تھا کہ لوگ گھروں کو بھی پہنچ سکیں گے۔

ضحاک بن قیس نماز استسقاء کے لیے نکلے مگر بارش نہ ہوئی نہ ہی بادل آئے۔ تو ضحاک نے کہا یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ کسی نے جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر آواز دی کہ ''یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ یزید میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو کھڑے ہو جاؤ۔'' بہرحال حضرت یزید کھڑے ہوگئے اور لوگ ان کی طرف مڑ گئے۔ انہوں نے اپنی گردن پر رکھے کپڑے کا کنارا اٹھایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے

لگے" اے اللہ اے رب۔ تیرے بندے تیری قربت طلب کر رہے ہیں۔ ان کو بارش عطا کردے۔" چنانچہ جب لوگ واپس ہوئے تو وہ بارش میں بھیگ رہے تھے۔ جب یہ منظر دیکھا تو ہاتھ اٹھائے اور پھر دعا کی۔ (اے اللہ اس ضحاک نے بھی مجھے مشہور کردیا ہے۔ اس سے مجھے راحت (نجات) عطا فرما۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ضحاک قتل ہوگیا۔

وفات

حضرت یزید بن اسود رحمتہ اللہ علیہ کی پاکیزہ روح دنیا سے ۷۵ ہجری کے قریب کوچ کرگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت صلہ بن اشیم رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۷۶ ہجری بمطابق ۶۹۵ عیسوی)

☆ ایسا زاہد شیر جس کی چوکیداری کرتا تھا۔
☆ ایسا شخص کہ شیر نے جس کی بات مانی اور اس پر حملہ کرنے سے باز رہا۔
☆ جس نے مسکراتے ہوئے شہادت سے مصافحہ کیا۔

☆☆☆

جس گھڑی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہا وہ وقت چھوٹا ہوگیا۔ اسلام ان کے لیے اس لیے مقدر ہوا کہ اللہ انہیں شہداء کے قافلے میں شامل کرے۔

یہ ہیں ابو صہباء حضرت صلہ بن اشیم عدوی بصری زہد کے باغ۔ رات کے راہب دن کے شہسوار بڑے تابعی ہیں۔ ان کے محاسن بیان سے باہر ہیں۔ جس نے دنیا کے ثمن سے حورعین کا مہر ادا کیا۔

ان کا دل ایمان باللہ اور اللہ کے خزانوں پر بھروسے سے معمور تھا۔ ان کے دل کو خوف خدا کے شعلوں نے جھلسا دیا تھا۔ پھر رضا کا سورج روشن ہوا۔ جس نے ان کی دنیا کو منور کردیا۔

موت کا اعلان کرنے والے کی آواز نے اطراف کو ہلا دیا۔ ایک شخص نے آکر ان کے کانوں کو بڑی بھاری خبر سنائی۔ ''اے ابن اشیم تمہارے بھائی کا انتقال ہوگیا۔'' آپ نے بزبان رضا اناللہ'' پڑھی اور اس شخص کو کہا قریب آؤ اور کچھ کھالو۔ بھائی کی موت کی اطلاع تو مجھے بہت عرصہ پہلے مل چکی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ بیشک تم بھی مرنے والے ہو اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں۔'' (الزمر آیت ۳۰)

عبادت وزہد اور کرامت

جب اندھیرا اپنے پردوں کو دنیا پر پھیلا دیتا اور لوگوں کے پہلو بستروں میں پہنچ جاتے تو دنیا کے غموں سے بھاگ کر یہ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے اس قدر نمازیں پڑھتے کہ اپنے بستر تک آ نہیں پاتے اگر آ پاتے تو گھٹنوں کے بل ہی آتے۔

جعفر بن زید کہتے ہیں کہ ہم لوگ افغانستان میں کابل کے علاقے میں مسلمانوں کے ایک لشکر میں جنگ کے لیے نکلے۔ لشکر میں صلہ بن اشیم بھی تھے۔ جب رات نے اپنے پردے پھیلا دیئے۔ ہم ابھی راستے ہی میں تھے کہ لشکر نے پڑاؤ کر دیا اور کچھ کھانے کی چیزیں ہاتھ کیں اور رات کا آخری کھانا کھا کر اپنے خیموں میں آرام کے لیے چلے تو میں نے صلہ بن اشیم کو بھی اپنے خیمے کی طرف جاتے دیکھا وہ بھی لوگوں کی طرح گئے اور اپنا پہلو بھی ان لوگوں کی طرح سونے کے لیے ٹکا دیا۔

میں نے دل میں کہا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو انہیں عابد سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ اتنا طویل قیام کرتے ہیں کہ پاؤں سوج جاتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ واللہ آج رات میں انہیں چھپ کر دیکھوں گا کہ یہ رات میں کیا کرتے ہیں۔'' چنانچہ جب لشکر نیند میں ڈوب گیا تو میں نے انہیں بستر سے نکل کر آتے دیکھا کہ وہ لشکر سے اندھیرے کی طرف چھپ کر جا رہے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جنگل میں داخل ہوگئے۔ جو لگتا تھا کہ اس میں طویل عرصے سے کسی کے قدم نہیں پڑے۔ چنانچہ ان کے پیچھے چلتا رہا' جب وہ ایک دور جگہ میں پہنچے تو اندازے سے قبلہ رخ ہوکر نماز شروع کر دی وہ اپنے پرسکون

اعضاء اور دل سے نماز پڑھ رہے تھے جیسے اس وحشت سے انہیں انس حاصل ہو رہا ہو۔

اسی دوران میں نے ایک شیر کو جنگل کی مشرقی جانب سے آتے دیکھا مجھے جب شیر کے ہونے کا یقین ہوا تو خوف کے مارے میرا دل اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور میں بھاگ کر ایک اونچے درخت پر اس کے شر سے بچنے کے لیے چڑھ گیا ادھر شیر مسلسل صلہ بن اشیم کے قریب ہوتا رہا مگر وہ اپنی نماز میں یونہی مستغرق رہے۔ حتیٰ کہ شیر ان سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ واللہ صلہ بن اشیم نے اس کی طرف مطلق التفات نہ کیا اور نہ اس کی پرواہ کی۔ جب وہ سجدے میں تھے تو میں نے کہا شیر اب تو انہیں چیر پھاڑ کھائے گا۔"

پھر جب وہ سجدے سے اٹھے تو شیر ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے انہیں غور سے دیکھ رہا ہو۔ چنانچہ جب انہوں نے سلام پھیرا تو نہایت اطمینان سے شیر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اے درندے اپنا رزق کسی اور جگہ پر ڈھونڈ اور پھر کچھ نامعلوم الفاظ کہنے کے لیے ہونٹ ہلائے جنہیں میں سن نہ سکا۔ اور شیر آہستہ سے مڑا اور جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔

زہد اور ورع

حضرت صلہ کا احاطہ کرنے والے زہد اور ورع کے ہالہ میں اتنی طاقت نہیں کہ تاریخ اس شخص کی سخاوت اور اس بہادری کو فراموش کر دے جو دشمنوں کے دل ان کے پیروں میں گرا دیتی تھی۔ چنانچہ ابن اشیم کی آواز دشمنوں کے لیے ایسی تھی جیسے بکریوں کے ریوڑ میں شیر کی دہاڑ اور مسلمانوں کے قائدین لشکر انہیں اپنی اپنی صفوں میں لانے کے لیے اپنی سی کوششیں کیا کرتے۔

ایک مرتبہ جنگ کے لیے نکلے جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے اور دشمن کے جھنڈے بلند ہو گئے تو حضرت صلہ بن اشیم اور ان کے ایک ساتھی مسلمانوں کی صفوں سے نکلے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس کر انہیں کاٹنے لگے اور نیزے اور تلوار کے واروں پر رکھ لیا۔ حتیٰ کہ لشکر کا اگلا حصہ شکست کھا کر زخم خوردہ پیچھے بھاگا۔ یہ دیکھ کر دشمن کے

کمانڈر کے اعصاب ڈھیلے ہو گئے اور سانس پھول گئی کہنے لگا کہ مسلمانوں کے لشکر کے دو آدمیوں نے ہم پر اتنی مصیبت اتار دی ہے تو جب یہ سب لڑیں گے تو کیا حال کریں گے لہٰذا مسلمانوں کی بات مان لو اور ان کی اطاعت قبول کر لو۔"

آخری معرکہ

بلاد ماوراء النہر میں ایک لشکر نکلا۔ لشکر کے اگلے حصے میں صلہ بن اشیم تھے ان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی تھا۔ چنانچہ تلواروں کی جھنکار بلند ہوئی گردنیں اڑنے لگیں اور لڑائی سخت ہوگئی۔ تو ابن اشیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو آواز دی۔ میرے بیٹے۔ آگے بڑھ اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کر یہاں تک کہ میں تجھے اللہ کے ہاں شمار کروں جس کے ہاں امانتیں ضائع نہیں ہوتیں۔ بیٹا باپ کی آواز پر تیر کی طرح نکلا اور سچے عزم کے ساتھ صفوں کو چیرتا رہا حتیٰ کہ شہید ہو کر گر گیا۔

جب اس بہادر بیٹے کے باپ نے اپنے سپوت کی شہادت کی خبر سنی تو اپنے بیٹے کے ساتھ مل جانے کے لیے ہوا کی تیزی سے نکلے اور دشمنوں سے قتال کرتے رہے حتیٰ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں تلے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

جب ان دونوں حضرات کی شہادت کی خبر بصرہ پہنچی تو عورتوں نے سیاہ کپڑے پہنے اور حضرت صلہ بن اشیم کی بیوی سے اظہار افسوس کرنے گئیں۔ مگر اس نے ایمان سے معمور دل کے ساتھ کہا کہ۔

"اگر تم میرے پاس مبارکباد دینے آئی ہو تو تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر تم کسی اور کام کے لیے آئی ہو تو لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

تاریخ شہادت

حضرت صلہ بن اشیم اور ان کے صاحبزادے نے ۷۶ ہجری میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۸۲ ہجری بمطابق ۷۰۱ عیسوی)

☆ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والوں میں ایک فرشتہ۔

☆ جب ذکر کرتے تو دل جسم میں (نکل کر) اڑ جاتا۔

☆ دنیا سے زہد کے ذریعے بچے شیطان سے اس کی مخالفت کے ذریعے اور نفس سے خواہشات کے ترک کے ذریعے بچے۔

☆☆☆

ایک ولی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مصائب اٹھا لیتے تھے۔ وہ جو دنیا کی بیکار چیزوں اور اس کے دھوکے باز رنگینیوں سے دور بیٹھا کرتے تھے۔ یہ ہیں شقیق بن سلمہ ابو وائل، بنو مالک بن مالک بن ثعلبہ اسدی میں سے ایک شخص۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماعت حدیث کی۔ اہل کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کے سب سے بڑے عالم۔ ثقہ اور کثرت سے احادیث روایت کرنے والے تابعی۔

عفت لسان اور تواضع

بڑے عفیف اللسان تھے کسی کا تذکرہ برائی نہ فرماتے۔ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پرندے کی طرح تڑپتے۔ تنہائی میں ہوتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے۔ حضرت ربیع بن خثیم جب شقیق کو دیکھتے تو فرماتے۔ اور بشارت دیجئے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والوں کو۔"

ابراہیم تیمی ان کے بارے میں فرماتے کہ "ہر بستی میں کوئی نہ کوئی ایسا بندہ ہوتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مصائب دور کر دیتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ ابو وائل بھی ان میں سے ایک ہیں۔

حضرت شقیق کا قول ہے کہ ہمارا رب کتنا اچھا رب ہے کہ ہم اگر اس کی

اطاعت کریں تو وہ ہماری مخالفت نہیں کرتا۔''

شقیق کا زہد

شقیق بن سلمہ نے اپنی ساری زندگی جہاد اور محراب میں گزاری۔ اپنی تلوار سے دنیا کے دائیں بازو پر (مراد دنیا خود ہے) ایسی ضرب لگائی کہ اس کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ان کا نرکل و بانس سے بنا ایک جھونپڑا تھا جس میں یہ خود اور ان کا گھوڑا رہتے تھے جب جہاد پر جاتے تو اس جھونپڑے کو گرا کر اس کا ملبہ صدقہ کر دیتے جب واپس آتے تو پھر بنا لیتے۔

زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو محفوظ رکھنا

اپنی زبان کو پاک رکھا۔ کبھی کسی انسان یا جانور کو برا بھلا نہ کہا۔ ہمیں زبرقان نامی شخص بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو وائل کے پاس موجود تھا کہ میں نے حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہا اور اس کی برائیاں بیان کرنی شروع کر دیں۔ تو ابو وائل نے فرمایا کہ اسے برا بھلا مت کہو۔ تمہیں کیا پتہ کہ اس نے ''اے رب مجھے معاف کر دے۔'' کہا ہو اور رب تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہو؟

دنیا داری سے بیزاری

ایک شخص نے ابو وائل کو خوشخبری دیتے ہوئے بتایا کہ تمہارا صاحبزادہ قاضی بن گیا ہے۔ تو اسے جواب دیا کہ واللہ اگر تو میرے پاس اس کی موت کی خبر لاتا تو میرے لیے زیادہ پسندیدہ بات ہوتی۔ پھر زور سے اپنی باندی کو آواز دی اے برکہ۔ اگر ہمارا بیٹا یحییٰ کوئی چیز لائے تو مت لینا اور جب ہمارا کوئی ساتھی کچھ لائے تو لے لینا۔

سخاوت

حضرت شقیق رحمتہ اللہ علیہ کا وظیفہ دو ہزار تھا انہیں جب ملتا تو وہ اتنی رقم جو سال بھر کے خرچے کے لیے کافی ہوتی رکھ لیتے اور باقی صدقہ کر دیتے۔

وفات

حضرت شقیق بن سلمہ کی وفات ۸۲ ہجری میں ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت مطرف بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۸۷ ہجری بمطابق ۷۰۶ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس کے ہاتھ میں کوڑے نے تسبیح کہی۔
☆ جس نے ایسی نعمت طلب کی جس میں موت نہ ہو۔
☆ جس نے مرنے سے پہلے اپنی قبر میں ایک قرآن ختم کیا۔

دنیا اس کے تقویٰ کے قدموں تلے روندی جاتی رہی۔ ہر لذت ان کی نظروں میں سراب تھی۔ صاحب کرامات' رہنما' حجت جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل عطا فرمائے۔ یہ ہیں حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر حرشی عامری' ابوعبداللہ جو بڑے زاہد اور کبار تابعین میں سے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی بصرہ میں گزاری۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ذاکر اور متواضع شخص تھے۔ خود کو قرآن کریم کے سامنے پیش کرتے ان کا دل ڈرا ہوا ذکر الٰہی سے بھرپور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں جیسے پاگل تھے۔ نفس کو ذلیل کرتے رہتے اور فرماتے کہ میری جب بھی کسی نے تعریف کی میں اپنی نظروں میں کمتر ہوتا چلا گیا۔

ایک مرتبہ حج کرنے گئے تو جب عرفہ میں تھے ہاتھ اٹھا کر گڑگڑانے لگے اور دل کی گہرائی سے نکلی آواز سے پکارا۔ اے اللہ اس مجمع کو میری وجہ سے (خالی ہاتھ) نہ لوٹانا۔

ان کا زہد اور دنیا سے بیزاری

دنیا ان کی نظروں میں ایک پیسے کے برابر بھی نہ تھی اور مکھی کے پر کے برابر

اس کی حیثیت نہ تھی۔ ایک دن دھوکے باز دنیا کی حقیقت کھولتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اگر ساری دنیا مجھے مل جاتی اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے ایک گھونٹ کے بدلے وہ مجھ سے مانگ لیتا تو وہ اس کا ثمن (اس کی قیمت) ادا کر چکا ہوتا۔

مطرف اونی لباس پہنتے۔ مسکینوں کے ہمراہ بیٹھتے۔ اس بارے میں کسی نے کچھ کہا تو فرمایا کہ میرے والد بڑے سخت آدمی تھے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب کے سامنے تواضع کا اظہار کروں۔

موت ان کا نصب العین تھی اس لیے وہ کھانے پینے اور لباس سے خوش نہ ہوتے تھے۔ فرماتے اس موت نے نعمت والوں پر ان کی نعمتیں خراب کردی ہیں (ان کا مزہ خراب کر دیا ہے۔ لہٰذا ایسی نعمت' اللہ تعالیٰ سے مانگو جس میں موت نہ ہو۔

ایک مرتبہ کوئی شخص مطرف سے کچھ مانگنے آیا تو آپ نے اس شخص پر رحم کھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہاری کوئی حاجت ہے تو وہ لکھ کر دے دو۔ میں تمہارے چہرے پر سوال (مانگنے) کی ذلت دیکھنا نہیں چاہتا۔

دعاؤں کا قبول ہونا

حضرت مطرف بڑے مستجاب الدعوات ولی تھے۔ گڑگڑا کر آسمان کا دل ہلا دیتے تھے جب ان کے ہاتھ آہ وزاری کے ساتھ بلند ہوتے تو قبولیت ان کی جھولی میں ڈال دی جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص اور آپ کے مابین کوئی مسئلہ تھا۔ اس شخص نے مطرف پر جھوٹا الزام لگا دیا اور کوئی غلط بات کہہ دی۔ تو مطرف نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور مظلوم دل کے ساتھ یوں گویا ہوئے۔'' اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے موت دے دے۔ چنانچہ وہ شخص اپنی جگہ پر مر گیا۔

کرامات

حضرت مطرف کی کئی کرامات مشہور رہیں جو ان کے فضل صفاء اور نکھار کی گواہی دیتی ہیں۔ ایک مرتبہ اندھیری رات میں یہ اور ان کا بھتیجا آرہے تھے تو ان کے

ہاتھ میں موجود کوڑا روشن ہو گیا اور اس سے تسبیح کی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگی۔

۱ جب یہ اپنے گھر میں داخل ہوتے تو ان کے گھر کے برتن تسبیح پڑھتے۔

قبر میں ختم قرآن

جب موت کی تکلیف نے آ گھیرا اور آپ کے اعضاء بوجھل ہو گئے تو دعا کی۔ اے اللہ میرے لیے جو تو نے دنیا و آخرت کا فیصلہ کیا ہے اس میں مجھے اختیار فرما۔ اس کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھے میری قبر کے پاس اٹھا لے چلو چنانچہ اس قبر میں وفات سے پہلے قرآن پاک ختم فرمایا۔

وفات

بالآخر طاعون جارف کے بعد عراق میں حجاج بن یوسف کی گورنری کے دور میں ۸۷ ہجری میں آپ کی روح جسم کو چھوڑ گئی۔ آپ کی تدفین بصرہ میں ہوئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۹۲ ہجری بمطابق ۷۱۰ عیسوی)

☆ جو اہل زمین کے جسم اور اہل آسمان جیسے عمل کے ساتھ گیا۔

☆ ایسے ولی جسے فرشتے جنت لیکر گئے۔

☆ جس نے دنیا سے ہاتھ دھو لیے اور آخرت کے باغوں سے تعلق جوڑ لیا۔

☆☆☆

طاعت کے ہاتھ جسے دنیا سے دور دھکیل دیتے تھے۔ مضبوط ایمان والے۔ یہ ہیں ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی۔ نیک انسان، اللہ کی طرف یکسو، ایک فقیہ، رہنما، واعظ صاحب زہد و ورع اور نصیحت اور عبادت کے خوگر، کبھی بات نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی مقصد سامنے ہوتا جب وہ سجدہ کرتے تو چڑیا آ کر ان پر بیٹھ جاتی گویا کہ یہ کوئی لکڑی کا تنا ہوں۔

عوام بن خوشب کہتے ہیں۔ ''میں نے ابراہیم تیمی سے زیادہ بہتر شخص کبھی نہیں دیکھا۔ کبھی میں نے انہیں نماز اور اس کے باہر جھکے سر کو اٹھائے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دنیاوی باتوں میں کبھی نہیں لگتے تھے۔

ایک دن لوگوں کو وعظ فرمایا اور دنیا کے بارے میں فرمانے لگے کہ تم میں اور ان لوگوں میں کتنا فرق ہے کہ دنیا ان لوگوں کے پاس آئی مگر وہ اس سے دور بھاگتے اور دنیا تم سے بھاگتی ہے اور تم اس کے پیچھے جاتے ہو۔

زہد وخشیت

ان کے زہد و ورع اور تقوے کے باوجود وہ اپنے عمل کو کم سمجھتے تھے۔ اور فرماتے کہ میں نے جب بھی اپنے قول پر اپنے عمل کو پرکھا مجھے ہمیشہ خوف ہی رہا کہ کہیں میں قول کو جھوٹا کرنے والا نہ ہوں۔

لوگوں سے دور تنہائی میں ایک دن ابراہیم تیمی اپنی عقل کو فکر کے سمندر میں غوطے دے رہے تھے تو نفس نے یہ تخیل کیا کہ وہ جنت میں ہیں اور اس کے پھل کھا رہے ہیں اور اس کی نہروں سے پی رہے ہیں اور حوروں سے گلے مل رہے ہیں پھر انہیں تخیل ہوا کہ وہ جہنم میں ہیں اور زقوم کھا رہے ہیں اور ماء صدید (لہو اور پیپ کا ابلتا ملغوبہ) پی رہے ہیں اور اس کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس سے پوچھا کہ تو کونسی چیز چاہتا ہے؟ تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجا جائے اور وہاں میں نیک عمل کروں۔ تو انہوں نے کہا کہ تو اسی امید (کے دائرے) میں ہے لہٰذا نیک عمل کر۔''

ایک دن وہ اپنے زہد دنیا سے دوری اور کھانے کی چیزوں میں تنگدستی کے بارے میں بتا رہے تھے کہ میں نے تیس دن اس طرح گزارے کہ میں نے کچھ کھایا اور نہ ہی پیا۔ سوائے ایک انگور کے دانے کے جو میری بیوی نے زبردستی کھلا دیا تھا اور اس سے میرے پیٹ میں درد ہو گیا تھا۔ ایک شخص نے اعمش رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا

آپ ان کی بات کی تصدیق کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ کہے کہ میں آسمان سے اتر کر آیا ہوں تو تب بھی میں اس کی تصدیق کروں گا۔

حضرت ابراہیم تیمی نے لوگوں کو خوف دلاتے اور پیٹ بھرنے سے ان کو روکتے ہوئے فرمایا۔ جس کسی نے وہ ایک لقمہ کھایا جو اسے خوشی دے یا ایک گھونٹ پیا تو آخرت میں سے ایک حصہ اس کا کم ہو جائے گا۔"

حجاج بن یوسف نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا تو انہیں ڈھونڈنے والا ان کے پاس آیا اور بولا کہ ہمیں ابراہیم چاہیے تو انہوں نے فرمایا میں ابراہیم ہوں (حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ مطلوب ابراہیم نخعی ہیں) چنانچہ وہ انہیں حجاج کے پاس لے گیا۔ حجاج نے انہیں ایسی جگہ قید کر دیا جہاں نہ دھوپ سے بچنے کا انتظام تھا اور نہ ہی ٹھنڈ سے بچاؤ کا۔ اور ایک بیڑی میں دو افراد تھے۔

حضرت ابراہیم کی حالت بدل گئی ان کی والدہ قید خانے ملنے آئیں تو انہیں پہچان نہ سکیں جب تک کہ ابراہیم نے خود ان سے بات نہ کر لی۔ ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ اسی قید میں رہے حتیٰ کہ وہیں انتقال کر گئے۔

حجاج کا خواب

حجاج نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ آج اس شہر میں ایک جنتی شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ صبح حجاج نے اٹھ کر پوچھا کہ کیا شہر واسط میں کسی شخص کا انتقال ہوا ہے؟ جواب ملا کہ جیل میں ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ہے۔ حجاج نے کہا کہ یہ شیطان کے حربوں میں سے ایک حربے کا خواب تھا۔

تدفین

پھر حجاج نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تدفین کا حکم دیا۔ آپ کی وفات سن ۹۲ ہجری میں ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت زین العابدینؒ علی بن حسین رضی اللہ عنہما

(متوفی ۹۴ ہجری بمطابق ۷۱۲ عیسوی)

☆ جس نے اپنی سخاوت سے غریبوں کے آنسو پونچھے اور مساکین کے رنج دور کیے۔

☆ اگر تم انہیں دیکھتے تو تمہارا دل یہی کہتا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی اولاد ہیں۔

☆ ایسا شخص جس کی رگوں میں انبیاء کا خون گردش کرتا تھا۔

☆☆☆

جس نے نفس کی پاکیزگی اور نسب کی بلندی کو اپنے اندر جمع کر رکھا تھا۔ ان کی سخاوت غریبوں کا دروازہ کھٹکھٹاتی تھی۔ یہ ہیں آل بیت کے زاہد علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی۔

زاہد اور پرہیزگار' بردباری اور سخاوت ان کی ضرب المثل تھی۔ ان کی خوبصورتی دیکھ کر دل ان کی محبت میں مبتلا ہو جاتے اور ان کے کام دیکھ کر آنکھیں مبتلائے عشق ہو جاتیں۔ یہ "علی الاصغر" تھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ان کے علاوہ کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں بچی تھی۔

خفیہ طور سے مدد کرنے کی درسگاہ تھے۔ ہاتھ کے بڑے کشادہ تھے۔ دن بھر میں ایک ہزار رکعت پڑھنے کا معمول تادم آخر رہا۔ وفات کے بعد شمار کیا گیا تو ان سے خفیہ مدد پانے والے گھر سو کے قریب تھے۔

مختلف لوگوں کا خراج تحسین

اہل مدینہ کہتے کہ چھپ کر کیے جانے والے صدقہ کو ہم نے حضرت زین العابدین کی وفات کے بعد کھو دیا۔ امام زھری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرنے والے اہل فضل میں سے کوئی قریشی حضرت علی بن حسین سے زیادہ افضل نہ تھا۔ حضرت زین العابدین فرماتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقسیم پر قناعت کر لے وہ سب سے

زیادہ مالدار ہے۔

امام زھری کہتے ہیں کہ میں آل بیت میں علی بن حسین سے زیادہ افضل کسی سے نہیں ملا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اہل بیت میں ان جیسا کوئی نہیں تھا۔

ایک شخص حضرت سعید بن میتب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے فلاں سے زیادہ متقی پرہیز گار کسی کو نہیں دیکھا۔'' تو ابن میتب مسکرائے اور گویا ہوئے۔'' کیا تم نے علی بن حسین کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔'' ابن المسیب نے فرمایا کہ میں نے اس سے زیادہ متقی پرہیز گار کوئی نہیں دیکھا۔

خشیت الٰہی کی کیفیت

خوف الٰہی نے ان کا دل ساکن کر دیا تھا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ وہ جب وضو کرتے تو ان کا چہرہ پیلا پڑ جاتا اور کندھے کا گوشت کپکپانے لگ جاتا۔ کسی نے عرض کیا۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ! یہ وضو کے وقت آپ کو کیا ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونا چاہ رہا ہوں اور کس سے مناجات کرنے والا ہوں؟

ایک مرتبہ علی بن حسین کے گھر میں آگ لگ گئی۔ یہ سجدے میں تھے لوگ پکارنے لگے۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ! آگ۔ اے ابن رسول اللہ ﷺ۔ آگ۔'' مگر انہوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا حتیٰ کہ اسے بجھا دیا گیا۔ کسی نے عرض کیا۔ آپ کو آگ سے کس چیز نے غافل کر دیا تھا؟ (آپ کی پیشانی عرق آلود تھی) فرمایا مجھے آخرت کی آگ نے اس سے بے پرواہ کر دیا تھا۔

سخاوت اور نادار لوگوں کی مدد

رات کو اپنی کمر پر روٹیوں سے بھری بوری لاد کر اسے صدقہ فرماتے اور کہتے کہ ''خفیہ طور سے صدقہ کرنا رب کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔'' جس وقت ان کی وفات

کے بعد انہیں غسل دیا جا رہا تھا۔ غاسلین نے دیکھا کہ ان کی کمر پر کالا سا نشان ہے۔ پوچھا کہ یہ کالا سا نشان کیسا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ آٹے کی بوریاں رات کو اپنی کمر پر اہل مدینہ کے فقراء کے لیے لے کر نکلتے تھے۔ اس کے اٹھانے کے نشان ہیں۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے اخلاق انبیاء کرام کے اخلاق کے مشابہہ تھے۔ ایک دن مسجد سے باہر ایک مدینہ سے باہر کے آدمی سے ٹکرا گئے تو اس نے آپ کو برا بھلا کہا۔ وہ بیچارا انہیں جانتا نہ تھا۔ خدام اور غلام اسے مارنے کو دوڑے تو آپ نے چلا کر کہا کہ اس شخص کو کچھ نہ کہنا۔'' پھر آپ آگے بڑھے اور بڑی نرمی سے آہستگی سے فرمایا کیا تمہاری کوئی حاجت ہے جس میں ہم تمہاری مدد کر سکیں۔ وہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا ادب دیکھ کر شرما گیا اور زمین کو تکنے لگا چنانچہ آپ نے اپنی عبا جو پہنی ہوئی تھی اس پر ڈال دی اور اسے ایک ہزار درہم دینے کا حکم فرمایا۔ اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے پکار کر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اولادِ رسول ﷺ میں سے کوئی ہو۔'' یہ سن کر علی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے تم نے جو جانا اس پر برا بھلا کہا اور ہمارا جو معاملہ تم سے مخفی رہا ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔''

آپ (زین العابدین) اس شخص کی طرح عطیہ دیتے جسے فقر کا خوف نہ ہو اور ان کا ادب انبیاء کرام علیہم السلام کے ادب کے قریب تھا۔ چنانچہ جب آپ کسی سائل کو صدقہ دیتے تو چوم کر حوالے کرتے۔

ایک دن حضرت زین العابدین حضرت محمد بن اسامہ بن زید کے پاس ان کی عیادت کرنے گئے۔ وہ بہت شدید رو رہے تھے تو ان سے آپ نے پوچھا۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ محمد بن اسامہ نے کہا کہ مجھ پر قرض ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کتنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ پندرہ ہزار، تو حضرت زین العابدین نے فرمایا چلو وہ میرے ذمے ہیں۔''

خوف وخشیت

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اپنے کسی

بھائی کو دیکھوں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کروں اور دنیا (کے مال) پر اس سے بخل کروں۔

ایک مرتبہ احرام باندھا اور جب تلبیہ کہنے کا ارادہ کیا تو ایک دم پیلے پڑ گئے اور کانپنے لگے۔ الفاظ آپ کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ ایک لفظ کہنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ کسی نے کہا آپ تلبیہ نہیں کہہ رہے؟ آپ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ فرمایا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ میں کہوں اللّٰھم لبیک اور اللہ مجھے کہے لا لبیک'' چنانچہ جب تلبیہ کہا تو غشی طاری ہو گئی اور اپنی سواری سے گر گئے اسی حال میں رہے حتیٰ کہ حج مکمل ہو گیا۔

وفات

حضرت زین العابدین بستر مرگ پر جا لگے تو روئے اور آنسو بہنے لگے۔ آپ کے صاحبزادے نے پوچھا۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا۔ میرے بیٹے ''جب قیامت کا دن ہوگا تو کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی اس سے نہیں بچے گا کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی اگر چاہے تو اسے عذاب دے چاہے تو بخش دے۔''

بہر حال اٹھاون برس کی عمر میں آپ کی روح خالق حقیقی کے پاس چلی گئی ۹۴ ہجری تھا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۹۵ ہجری بمطابق ۷۱۴ عیسوی)

☆ جن کی وفات نے بڑے بڑے لوگوں کے دل دکھا دیئے۔

☆ ان کے اندر اسلام کی عزت کی آگ روشن تھی۔

☆ دنیا جن کے دل پر جادو نہ کر سکی۔

☆☆☆

جس نے دنیا میں علم کے شرف اور جنت میں شہداء کے مرتبے کو جمع کر لیا تھا۔

جس کا ایمان زہد کے عرش پر براجمان تھا' بڑے عالم' حافظ' قاری' مفسر' فقیہ اور خدا کے سامنے رونے والے انسان۔

یہ ہیں حضرت سعید بن جبیر اسدی (ولاء کے اعتبار سے اسدی تھے) کوفی۔ کنیت ابوعبداللہ تھی مشہور تابعی اور زاہد ہیں۔ ورع و تقویٰ کے اہم ستون۔ اپنا علم بڑے صحابہ سے حاصل کیا۔ نسلاً حبشی تھے۔ فضل والے آدمی تھے۔ عبادت میں مصروف تابعین میں سب سے بڑے عالم۔ کسی کو اپنے سامنے غیبت کرنے نہ دیتے تھے۔ ان کی دعا قبول ہوتی تھی۔

طاغوت کے باغی

شبہات کے اندھیروں کو دور کرنے والے ایک چراغ تھے۔ خاموشی میں ان کے آنسو بہتے رہتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بنوامیہ کے سرکش سانڈ حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جب ان کے ساتھی شکست کھا گئے تو انہوں نے مکہ مکرمہ میں پناہ لی جہاں کے گورنر نے انہیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا اور حجاج نے آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت ابن جبیر کی شان

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حجاج نے حضرت سعید کو قتل کر دیا حالانکہ روئے زمین کا ہر شخص ان کے علم کا محتاج تھا۔

جب حضرت سعید نماز پڑھنے لگتے یوں لگتا کہ کھونٹے کی طرح گڑ گئے ہوں۔ سال میں دو مرتبہ سفر کرتے ایک عمرے کے لیے ایک حج کے لیے۔ بہت زیادہ عبادت اور بہت زیادہ طاعت والے انسان تھے۔ ایک دن کعبہ میں داخل ہوئے اور ایک رکعت میں قرآن ختم کر لیا۔

فرمایا کرتے کہ مال کا ضیاع یہ بھی ہے کہ اللہ تمہیں حلال رزق دے اور تم

اسے اس کی نافرمانی میں خرچ کرو۔

بڑی تیز حس کے مالک تھے۔ ان کی آنکھ کبھی خشک نہ ہوتی تھی۔ امام اعرج حضرت ابن جبیر کے رونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ سعید رات میں اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ اور کبھی جب ان کے اصحاب ان کے پاس آتے اور یہ رو رہے ہوتے تو ان کا رونا دیکھ کر وہ بھی رونے لگ جایا کرتے تھے۔

والدہ کی فرمانبرداری

اپنی والدہ کے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے تھے ان کی کسی بات میں نافرمانی نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ سعید کو کسی بچھو نے کاٹ لیا تو ان کی والدہ نے قسم کھائی کہ میں اس پر منتر پڑھواؤں گی۔ جب منتر پڑھنے والا آ گیا تو انہوں نے اسے اپنا وہ ہاتھ دیا جس پر بچھو نے کاٹا نہیں تھا۔ لیکن اپنی والدہ کی قسم ٹوٹنے کو پسند نہ کیا۔

ایک مرتبہ شہد سے بھرا پیالہ ان کی خدمت میں لایا گیا۔ انہوں نے لیا اور ایک گھونٹ لیکر واپس رکھ دیا اور کہنے لگے واللہ مجھ سے اس بارے میں بھی پرسش ہوگی۔

اس دنیا میں امیدیں کم رکھنے والے شخص تھے۔ ایک مرتبہ ذر بن عبداللہ کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ ہر وہ دن جس میں مومن جی رہا ہے وہ غنیمت ہے۔'' اور فرماتے کہ یہ دنیا آخرت کے جمعوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ (آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ایک ہفتہ کی حیثیت ہے)۔

حضرت ابن جبیر اور موت کی یاد دو دوست تھے کبھی جدا نہ ہوتے۔ یہ بات ہمیشہ فرمایا کرتے رہتے کہ اگر موت کی یاد میرے دل سے جدا ہو جائے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دل بگڑ نہ جائے۔

حضرت سعید بن جبیر کی گرفتاری

جب حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر کو پکڑا تو آپ نے فرمایا کہ

میں خود کو قتل ہوتے دیکھ رہا ہوں اور عنقریب تمہیں خبر مل جائے گی۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اور میرے ایک دوست دعا میں مصروف تھے جب ہم نے دعا میں حلاوت دیکھی تو ہم نے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تو عطا فرما دی جب کہ میں انتظار میں ہوں۔

اور جب انہیں قتل کیے جانے کے لیے طلب کیا گیا تو حضرت سعید نے اپنے صاحبزادے کو بلوایا۔ وہ آئے اور رونے لگے آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ تمہارا باپ پچھتر سال کی عمر ہونے کے بعد کتنا زندہ رہتا؟

پھر جب یہ حجاج کے سامنے کھڑے ہوئے تو حجاج نے حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور قتل کر دو چنانچہ جب یہ دروازے سے نکلے تو ہنسنے لگے۔ حجاج کو ان کی ہنسی کی خبر دی گئی۔ تو اس نے بلوایا اور پوچھا کہ کس بات پر ہنس رہے ہو؟ فرمایا کہ ''تیری اللہ تعالیٰ کے خلاف جرأت اور اللہ تعالیٰ کی تیرے لیے بردباری پر ہنس رہا ہوں۔

شہادت

پھر آپ نے شہید ہونے سے پہلے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ اسے میرے بعد کسی اور پر مسلط مت کیجیئو کہ یہ کسی کو قتل کرے۔ پھر آپ کو چمڑے کے بستر پر لٹا کر ذبح کر دیا گیا۔ (یہ چمڑے کا ایک بڑا ٹکڑا تھا جس پر لوگوں کو قتل کیا جاتا تھا)

آخری دعا کی قبولیت

آپ کی شہادت کے بعد حجاج چند دن زندہ رہا اور پھر مر گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۹۶ ہجری بمطابق ۷۱۵ عیسوی)

☆ جس نے خود سے دھوکے کے شیطان کو دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے طاعات کی عزت انہیں عطا فرما دی۔

☆ ایسا شخص جس کے دل کی رگوں میں تقویٰ دوڑتا تھا۔

☆ جس نے اپنے نفس کو ذلیل کیا اور دین کو عزت دی۔

☆ سر بلند عاشق جو زندگی کے معرکہ کو لڑنا اور نفس کو باغ و بہار کرنا جانتے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے ان کے خاص اصحاب میں داخل تھے۔ ان کے مشہور شاگرد حماد بن ابی سلیمان حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ کی سند حدیث بڑی مشہور اور بے شمار محدثین کے نزدیک اعلیٰ اسناد میں شامل ہے۔ انہیں فقہ حنفی کی اساس میں شامل کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ (از ادارہ)

☆☆☆

یہ حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ کنیت ابو عمران تھی۔ فقیہ عراق اکابر تابعین میں سے ایک صالح شخص، اہل کوفہ میں سے حافظ الحدیث، زاہد جس نے نفس کی اصلاح کو طویل کر دیا تھا۔

علم سے بھری زنبیل تھے۔ متواضع انسان تھے۔ شہرت اور فتویٰ دینے کو ناپسند کرتے تھے۔ کسی ستون سے ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے۔ اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس کے جواب سے زائد بات ارشاد نہ فرماتے۔ حدیث کم بیان کرتے تھے۔ گفتگو نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی سوال کیا جائے۔ جب انہیں اطلاع ملی کہ حجاج مر گیا تو انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ ان کی ہیبت اور رعب بادشاہوں جیسا اور تواضع علماء کا تھا۔ مغیرہ کہا کرتے تھے کہ ہم ابراہیم سے امیر کی ہیبت کی طرح خوف کھایا کرتے تھے۔

ابن زبیر کا خراج تحسین

حضرت سعید بن جبیر کے گرد لوگ حلقہ کیے بیٹھے تھے۔ ان سے سوالات کر رہے تھے اور اپنے سوالات کی تصحیح کروا رہے تھے۔ حضرت سعید نے تعجب سے فرمایا تم مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے ہو حالانکہ تم میں ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ موجود ہیں۔

شہرت سے کراہت

ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ شہرت سے (شیر کی طرح) دور بھاگتے تھے۔ جب انہیں کسی راستے میں شہرت کا علم ہوتا تو دوسرا راستہ اختیار کرتے۔ ارشاد فرماتے کہ کسی شخص کے لیے اتنا شر کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا کے معاملے میں انگلیوں سے اشارہ کیا جائے۔"

زبید کہتے ہیں میں نے جب بھی ابراہیم سے کوئی سوال کیا تو ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہی دیکھے۔ ایک دن کوئی شخص ان سے کچھ پوچھنے آیا تو آپ نے اس کو کہا کہ تمہیں میرے علاوہ کوئی نہ ملا جس سے تم یہ سوال کر سکتے؟

تواضع وعبادت

ایک دن قرآن کریم پڑھ رہے تھے ایک شخص ان کے پاس آیا تو انہوں نے کپڑے سے مصحف ڈھانک لیا۔ فرمایا کہ کہیں یہ نہ سمجھے کہ ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔

جب رات آتی اور لوگ اپنے بستروں میں چھپ جاتے تو یہ اپنا ایک خاص لباس نکالتے (نیا جوڑا پہنتے) خوشبو لگاتے اور مسجد چلے جاتے اور صبح تک مسجد میں عبادت کرتے رہتے جب صبح ہو جاتی تو گھر آ کر وہ نیا جوڑا اتار کر دوسرا لباس پہنتے پھر نماز فجر کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔

تقویٰ اور زہد

حضرت ابراہیم نخعی کی بیوی کی وفات ہوگئی۔ ان کا کافی سارا مال تھا جو آپ نے ان کے (والدین اور بہن بھائیوں) کے حوالے کر دیا۔ کسی نے پوچھا کہ انہوں نے تو مال آپ کو ھبہ کر دیا تھا؟ فرمایا ہاں کیا تو تھا مگر ان دنوں وہ بیمار تھی۔ پھر آپ نے وہ سارا ان کے ورثاء کو دے دیا۔

ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ ورع وتقوی میں ضرب المثل تھے۔ ان کے دل کی شفافیت نے ہر خواہش اور شبہ کو نکال پھینکا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک جانور سواری کے لیے کرائے پر لیا۔ اس پر کہیں جا رہے تھے کہ ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔ آپ نے گھوڑے کو آگے لیجا کر باندھا پھر واپس پیدل آئے کوڑا اٹھا کر اس پر دوبارہ سوار ہو گئے۔ لوگوں نے تعجب سے عرض کیا۔ ''اگر آپ جانور کو موڑ کر وہیں لے جاتے اور پھر کوڑا اٹھاتے تو آسان تھا۔ آپ نے زہد وخشیت کی مالک آواز میں فرمایا کہ

میں نے جانور کرائے پر اس لیے لیا ہے کہ اس پر اس طرح چلا جاؤں اس لیے نہیں کہ اسے دوبارہ موڑ کر لے کر آؤں۔

آخری لمحات

جب آپ کو موت نے آ گھیرا۔ وفات کا وقت قریب آ گیا تو رونے لگے اور آنسو رخساروں پر بہنے لگے کسی نے عرض کیا۔ اے ابو عمران کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں کیوں نہ روؤں حالانکہ میں ملک الموت کا انتظار کر رہا ہوں اور معلوم نہیں کہ وہ مجھے جنت کی خوش خبری دے گا یا جہنم کی خبر دے گا۔

اس کے بعد ''**لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر** کا ورد کرتے رہے۔

جب تکلیف کی شدت بڑھی تو **لا الہ الا اللہ وحدہ. لا الا الا اللہ** کا ورد

شروع کردیا اور پھر اسی حال میں وفات ہوگئی۔

وفات

۹۶ ہجری میں شہر کوفہ سے آپ کی روح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلی گئی۔ یہ ولید بن عبدالملک کا دورِ خلافت تھا۔

☆☆☆

سیدنا عبداللہ بن محیریز رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۹۹ ہجری بمطابق ۷۱۸ عیسوی)

☆ ایسا جس کے غصہ ہونے پر اللہ تعالیٰ بھی غصہ ہو جاتا۔
☆ جس امت میں ابن محیریز ہوں وہ گمراہ نہیں ہوسکتی۔
☆ ایسا شخص جس نے دین کے بدلے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔

☆☆☆

اتنے سخی تھے کہ اللہ تعالیٰ خوش رہے۔ بخل اتنا کرتے تھے کہ دنیا خوش رہے۔ ان کی دنیا انہیں آخرت سے غافل نہ کرسکی۔ یہ ہیں۔ امام وفقیہ رہنمائے ربانی حضرت عبداللہ بن محیریز ابن جنادہ بن وھب ابو محیریز القرشی جمحی مکی۔ ایک باعمل عالم اور سادات تابعین میں سے ایک سردار۔ خاموش اپنے گھر میں بیٹھے رہنے والے۔ اپنے نفس سے اپنی چیزیں چھپانے کو سب لوگوں سے زیادہ چاہنے والے۔ حق جب ظاہر ہوتا تو اس پر خاموش نہ رہتے۔

مختلف حضرات کا خراج تحسین

بیت اللہ الحرام میں علم کا سرمایہ اپنے سینے میں جمع کیا۔ ہر جمعہ قرآن کریم ختم فرماتے۔ خود کو تقویٰ کے میدان میں اور اپنی کوشش کو صالحین کی محراب میں ڈال دیا۔

امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ جو شخص اقتداء کرنا چاہے تو اسے ابن محیریز

جیسے لوگوں کی اقتداء کرنا چاہیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسی امت کو گمراہ نہیں کریں گے جس میں ابن محیریز ہوں۔''

رجاء بن حیوٰۃ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن محیریز کی بقاء لوگوں کیلئے امان ہے۔ اور فرمایا کہ ''اگر اہل مدینہ اپنے عابد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے ہم پر فخر کریں تو ہم اہل مکہ ان پر اپنے عابد ابن محیریز'' کی وجہ سے فخر کریں گے۔

ابن محیریز ادب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو شخص راستے میں اپنے والد سے آگے چلے اس نے والد کی نافرمانی کی۔ سوائے یہ کہ وہ اس لیے آگے چلے کہ اس کے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹائے۔

زہد و تواضع

ابن محیریز شہرت کو ناپسند کرتے۔ تعریف سے خوف کھاتے اور اس بات سے ڈرتے کہ ان کا نام آسمان دنیا میں مشہور ہو۔ ایک دن ہیبت اور وقار کے ساتھ اپنے دہن مبارک سے نور بکھیرنے اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنانے تشریف فرما تھے۔ خوف دلاتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں لیکن تم یہ مت کہو کہ ''حدثنا ابن محیریز'' (ہمیں ابن محیریز نے بیان کیا) کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ قول مجھے اس طرح نہ پچھاڑ دے جس سے مجھے تکلیف ہو۔

جب کبھی اکیلے میں ہوتے اور نفس کو ٹھنڈا کر چکتے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر گڑ گڑاتے۔ اے اللہ میں تجھ سے گمنامی مانگتا ہوں۔''

عبداللہ بن عوف القاری بیان کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے ہمراہ ''برودس'' نامی جزیرے میں تھے (جو کہ رومی جزیرہ سے اسکندریہ کے قریب ہے) تو وہاں ابن محیریز بھی تھے جو بہت زیادہ نمازیں پڑھنے والے شخص تھے وہاں یہ بات مشہور ہوئی اور ان کی یہ تعریف ان کے کانوں تک بھی پہنچی تو ابن محیریز نے نماز کم اور مختصر کر دی۔

تقویٰ وخشیت

ان کا تقویٰ اتنا بڑھا ہوا تھا جو آج تک کانوں نے نہ سنا ہوگا اور ان کے فضائل دلوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ابن محیریز کپڑا خریدنے خوردہ فروش کی دکان پر گئے۔ دکاندار انہیں جانتا نہ تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کپڑا کتنے کا ہے اس نے قیمت بتائی۔ اتنے میں دوسرے دکاندار نے جوانہیں جانتا تھا آواز لگائی کہ "یہ ابن محیریز ہیں ان سے اچھی طرح معاملہ کرنا۔" یہ سن کر ابن محیریز کا رنگ بدل گیا' فرمانے لگے کہ میں اپنے مال سے کپڑا خریدنے آیا ہوں نہ کہ دین سے" یہ کہہ کر دکان سے نکل گئے اور وہاں سے کچھ نہ خریدا۔

امراء کے ہدایا سے بیزاری

حضرت ابن محیریز امراء اور بادشاہوں کے ہدایا وتحائف قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک نے ان کے لیے ایک باندی ھدیہ بھیجی تو ابن محیریز اپنا گھر چھوڑ کر نکل گئے اور اس میں آتے ہی نہ تھے۔ یہ بات عبدالملک کو کہی گئی کہ "اے امیر المومنین آپ نے ابن محیریز کو گھر بدر کر دیا ہے۔ اس نے کہا۔ "وہ کیسے؟ جواب ملا کہ اس باندی کی وجہ سے جو آپ نے ابن محیریز کو بھیجی تھی۔ چنانچہ عبدالملک نے کسی کو بھیج کر وہ باندی واپس منگوالی اور پھر ابن محیریز بھی اپنے گھر واپس آ گئے۔

ایک دن ابن محیریز رحمتہ اللہ علیہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس گئے تو سلمان بن عبدالملک نے ان سے کہا۔ ابن محیریز ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی شادی کر دی۔ فرمایا جی ہاں! تو سلیمان نے کہا کہ تو ہم اس کا مہر ادا کریں گے۔" فرمایا کہ مہر معجّل جو تھا وہ ہم ادا کر چکے اور مہر موَجل وہ میرے بیٹے کے ذمے ہی ہے۔ (وہی ادا کرے گا)۔

بلال بن ابی بردہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس وقت سفارش کے طور پر کہا کہ اے

ابن محیریز امیر کا عطیہ قبول فرما لیجئے۔ پھر جب ابن محیریز وہاں سے نکلے تو ابن ابی بردہ بھی نکلے۔ ان کے پیچھے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ابن ابی بردہ کب سے سلیمان کا چپڑاسی بن گیا؟

وفات

حضرت ابن محیریز ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں ۹۹ ہجری میں رب تعالیٰ کے جوار میں منتقل ہو گئے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم

(متوفی ۱۰۶ ہجری بمطابق ۷۲۵ عیسوی)

☆ جنہوں نے اپنے داد کی عظمت اور اپنے والد کے زہد کو جمع کر لیا تھا۔
☆ اپنے طریق اور علم سے لوگوں کے دلوں کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔
☆ جنہوں نے دنیا کو زہد، علم اور تواضع سے بھر دیا۔

☆☆☆

فقہاء کے زاہد اور زاہدین کے فقیہ، علماء کا مرجع، سات فقہاء مدینہ میں سے ایک زاہد تابعین کے سرداروں میں ایک سردار، عادل شخص کے عالم بیٹے، یہ ہیں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم۔

مدینہ منورہ کے گلشن میں پیدا ہوئے اور اس کی معطر فضاؤں میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے علم کے حلقوں اور علماء کی مجالس میں ایام طفولیت سے ہی حاضر ہونے لگے۔ حالانکہ اپنے دامن سے الجھ کر گر پڑتے تھے۔ ایمان اور فقہ سے ان صحابہ کرام کے ذریعے سیراب ہوئے کہ جن کی سماعتوں سے ابھی نبی کریم ﷺ کی آواز جدا نہیں ہوئی تھی۔

ان کے والد ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ اور یہ اپنے دوسرے بھائیوں

میں اپنے والد کے ساتھ زیادہ مشابہہ تھے اور طریقہ اور عادت وطبیعت کے اعتبار سے اپنے دادا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سالم بن عبداللہ کے دور میں گزشتہ صالحین کے زہد وقصد اور زندگی سے ان سے زیادہ مشابہہ کوئی نہ تھا' ایک مرتبہ حضرت سالم نے اشعث کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔" اے اشعث اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کچھ مت مانگنا۔"

سالم کا زہد وفضیلت

سالم بڑی قدر وفضیلت والے انسان تھے۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس تشریف لے گئے تو وہ انہیں مستقل خوش آمدید (مرحبا) کہتا رہا اور اوپر لے جاتا رہا حتیٰ کہ اپنے ساتھ شاہی تخت پر بٹھایا۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک کعبہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت سالم بن عبداللہ اپنے زاہدانہ انداز سے بیٹھے ہیں اور ان کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مگر ان کی سرگوشی کی آواز سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ہشام نے کہا کہ اے سالم۔ آپ کی کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لیجئے۔ حضرت سالم نے تسبیح روک کر اسے دیکھا اور فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں کسی اور سے کچھ مانگوں۔ ہشام حضرت سالم کا جواب سن کر خاموشی سے حیرت کے ساتھ انہیں تکتا رہا اور جب حضرت سالم بیت اللہ سے نکلے تو ہشام ان کے پیچھے چلا اور اس سے پہلے کہ لوگ ان کے گرد ہجوم کر کے سوال اور فتویٰ پوچھنے لگیں تو اس نے اپنی بات دوبارہ دہرائی اور کہا کہ اب آپ بیت اللہ سے نکل آئے ہیں۔ اب اپنی کوئی ضرورت بتائیے؟ حضرت سالم نے پوچھا۔ دنیاوی یا اخروی ضرورت؟ اس نے کہا کوئی دنیاوی ضرورت بتائیے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیاوی ضرورت تو میں نے اس ذات سے نہیں مانگی جو ان کی مالک ہے تو اس سے کیسے مانگوں جو اس کا مالک بھی نہیں ہے۔

سالم کا کھانا

ایک مرتبہ حضرت سالمؒ ولید بن عبدالملک کے پاس آئے تو ولید حضرت سالم کے جسم اور ہیئت کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا جو کہ حضرت عمر بن خطاب کے بڑا مشابہہ تھا۔ پوچھنے لگا کہ آپ کی جسامت بہت خوبصورت ہے آپ کی غذا کیا ہے؟ حضرت سالم نے جواب دیا کہ سوکھی روٹی اور زیتون۔ ولید کو اس جواب سے بڑی حیرت ہوئی اس نے بڑے دہشت کے انداز میں پوچھا کہ کیا آپ اسے گوارا کر لیتے ہیں۔ (کیا آپ کو اچھا لگتا ہے) حضرت سالم نے زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ میں کھانا چھوڑے رکھتا ہوں حتیٰ کہ (بھوک کی وجہ سے) مجھے یہ کھانا بھی اچھا لگتا ہے چنانچہ جب اچھا لگتا ہے کھالیتا ہوں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا سالم رحمتہ اللہ علیہ سے مشورہ

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو ان کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہوگئی اور انہوں نے بڑے خوف و جزع میں رات گزاری۔ چنانچہ حضرت سالم اور حضرت کعب قرظی اور مرجاء بن حیوۃ کو بلوایا۔ اور ان سے فرمایا کہ میں اس معاملے میں مبتلا کر دیا گیا ہوں لہٰذا مجھے مشورہ دیجئے۔ چنانچہ حضرت سالم نے خشوع آمیز آواز سے فرمایا کہ۔ اگر کل کو آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں تو دنیا سے کنارہ کش ہو جایئے (عربی الفاظ ہیں دنیا سے روزہ رکھ لیجئے) اور آپ کی دنیا سے افطار موت پر ہونی چاہیے۔"

وفات

حضرت سالم نے ساری زندگی زہد وعبادت میں محنت کرتے گزاری۔ حتیٰ کہ آپ ماہ ذی الحجہ ۱۰۶ ہجری کے آخر میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت طاؤس بن کیسان رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۰۶ ہجری بمطابق ۷۲۵ عیسوی)

☆ اگر آپ کی آنکھ انہیں دیکھ لے تو آپ ان کے سوا کسی اور کی مجالس پسند نہ کریں۔

☆ وہ اپنی ضرورت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے پیش نہ کرتے تھے۔

☆ ان سے کوئی خوبی چھوٹی نہیں اور نہ کسی فضیلت سے محروم رہے۔

☆☆☆

اپنے نفس کو خواہش اور پسندیدہ اشیاء کی لذت سے دور رکھا۔ دنیا کو ذکر اور تواضع سے بھر دیا۔ ایسی کتاب تھے جس کا ہر صفحہ تقویٰ کی خوشبو بکھیرتا تھا یہ ہیں حضرت طاؤس بن کیسان۔ اہل یمن میں سے تھے۔ نسلاً فارسی تھے۔ اکابر تابعین میں سے ایک فقیہ زاہد اور خاشع بزرگ' خلفاء اور بادشاہوں کو نصیحت کرنے کی بڑی جرأت رکھتے تھے۔

طاؤس نے چالیس حج کیے۔ پچاس صحابہ کرام کو دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہوں سے اجتناب کرنے والے تین حضرات تھے۔ (۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت طاؤس (۳) حضرت ثوری۔'' عمرو کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کے ہاتھ میں موجود دنیاوی مال و دولت سے طاؤس سے زیادہ بچنے والا نہیں دیکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ طاؤس اہل جنت میں سے ہیں۔

خود حضرت طاؤس فرماتے ہیں ابن آدم جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے اسے شمار کیا جاتا ہے حتیٰ کہ بیماری میں اس کا رونا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس سے عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیے تو حضرت طاؤس نے تواضع اور خوف کی حالت میں فرمایا۔ ''میں اپنے دل میں خشیت نہیں پا رہا کہ تیرے لیے دعا کروں۔''

غیر اللہ سے کچھ نہ مانگو

حضرت عطاء رحمتہ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن طاؤس ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ ''اے عطاء خبردار ایسے شخص کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنے سے بچنا جو تیرے لیے اپنا دروازہ بند کردے اور تیرے اور اس کے درمیان پردہ ڈال دے۔ تجھ پر لازم ہے کہ اپنی ضرورتوں کو اس سے طلب کر جس کا دروازہ قیامت تک تیرے لیے کھلا ہوا ہے جس نے تجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تو اس سے دعا کر اور تجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری دعا قبول کرے گا۔

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک ان کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا مگر انہوں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ بعد میں کسی نے کہا کہ امیر المومنین کا بیٹا آپ کے پاس آیا مگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے یہ چاہا کہ اسے بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو ان کے ہاتھوں میں جو مال دولت ہے اس کی رغبت نہیں رکھتے۔

حکمرانوں کو وعظ و نصیحت

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک حج کرنے آیا تو اس نے (وہاں کے منتظمین سے) کہا کہ میرے پاس کسی فقیہ کو بھجواؤ تاکہ میں اس سے حج کے کچھ مسائل پوچھ سکوں۔ اتنے میں اس کے پاس سے حضرت طاؤس گزرے کسی نے بتایا کہ یہ طاؤس یمانی ہیں۔ حاجب نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ امیر المومنین کے جوابات دو۔ طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے معاف رکھو۔ مگر حاجب نہ مانا اور انہیں زبردستی سلیمان کے سامنے لے جا کر کھڑا کردیا۔ تو طاؤس فرمانے لگے اللہ تعالیٰ اس مجلس کے بارے میں مجھ سے ضرور سوال کرے گا۔ پھر گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ اے امیر المومنین جہنم کے ایک گڑھے کے کنارے چٹان تھی۔ وہ اس گڑھے میں ستر سال تک گرتی گئی تب

اس کی تہہ میں پہنچی۔ جانتے ہیں اس گڑھے کو کن لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے؟ سلیمان نے کہا نہیں معلوم۔ پھر سلیمان نے طاؤس سے چیخ کر کہا بتاؤ تمہارا بھلا ہو۔ وہ گڑھا کس کے لیے تیار کیا گیا ہے؟ طاؤس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکومت میں اپنا شریک بنایا مگر ان لوگوں نے ظلم کیا۔" یہ سن کر سلیمان رونے لگا اور اس کے آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔

حکمرانوں سے دوری

حضرت طاؤس مکہ آئے تو اتفاقاً انہی دنوں نیا گورنر بھی آیا تھا۔ تو لوگ حضرت طاؤس کے پاس جمع ہوئے اور مکہ کے نئے گورنر کے پاس جانے پر انہیں ترغیب دینے لگے اور کہا کہ وہ بڑے فضل سخاوت والا آدمی ہے اور اتنے علم والا ہے اگر آپ چلے جائیں تو اچھا ہے۔ حضرت طاؤس نے فرمایا کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے تو لوگوں نے کہا ہمیں اس سے آپ کے حق میں ڈر لگتا ہے۔ یہ سن کر حضرت طاؤس نے فرمایا کہ (اگر ایسا ہے) تو وہ شخص اس طرح نہیں جیسا تم بتا رہے ہو؟

دنیا کی کسی چیز کی ضرورت نہیں

ایک مرتبہ سردی میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اس شہر کا گورنر وہاں سے گزرا تو اس وقت یہ سجدے میں تھے۔ چنانچہ گورنر کو سردی کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچنے کا خوف ہوا تو آپ کے اوپر ایک چادر ڈال دی۔ انہوں نے اس کے فارغ ہونے تک سر نہیں اٹھایا۔ مگر جب سلام پھیرا اور ان چادروں پر نظر پڑی تو انہوں نے وہ چادر اپنے کندھے سے اتار پھینکی اور وہاں سے گھر چلے گئے اور ان چادروں کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وفات

یوم ترویہ سے ایک دن پہلے ۱۰۶ ہجری میں مکہ مکرمہ میں ان کی وفات

ہوگئی۔ان کی نماز جنازہ ہشام بن عبدالملک نے پڑھائی۔ یہ وہاں حج کرنے آیا ہوا تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۰۸ہجری بمطابق ۷۲۶عیسوی)

☆ ایسا شخص جو جب چاہتا اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتا تھا۔
☆ مالداروں کی طرح زندگی گزاری اور فقراء کی سی موت حاصل کی۔
☆ ان کا مال شکر گزاری ہی میں اضافہ کرتا تھا۔

☆☆☆

اپنی مالداری سے ضرورت مندوں کے لیے دربار بنایا جس کی طرف فقراء آتے تھے واعظ' رہنما' حجت اور ایک مشہور بڑے آدمی...... یہ ہیں ابوعبداللہ بن بکر بن عبداللہ مزنی بصری۔ ایسا نوجوان جسے زہد نے باادب بنایا (جس کی تربیت زہد نے کی) جس کے چہرے پر تقویٰ کی پرچھائیں نظر آتیں۔ قاضی کے عہدے کے لیے بلایا گیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اپنا موٹا لباس پہن کر فقراء کے درمیان ان کا دل خوش کرنے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت بکر مزنی فرمایا کرتے کہ میں چاہتا ہوں کہ مالداروں کی سی زندگی جیوؤں اور فقراء کی سی موت مروں چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو یہ مقروض تھے۔

بصرہ کے حضرت سلیمان تیمی فرماتے تھے کہ حسن بصری بصرہ کے بزرگ اور بکر مزنی نوجوان ہیں۔'' بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ اپنی دعا میں کہا کرتے۔''اے اللہ مجھے وہ رزق عطا فرما جو تیرا شکر کرنے میں ہمیں آگے بڑھائے اور ہمیں اپنا فاقہ کش اور محتاج بنا اور ہمیں اپنے سوا ہر ایک سے بے پرواہ فرما۔''

ایک دن فقراء کے درمیان بیٹھے ان کے دل خوش کر رہے تھے اور ان کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کے پاس داخل ہونے سے انس کا ولولہ پیدا کر رہے تھے۔ فرمایا۔

''اے ابن آدم تجھ سا کون ہے؟ کہ تیرے محراب اور پانی کے درمیان سے رکاوٹیں ختم کردی گئی ہیں۔ تو جب چاہے اللہ کے پاس حاضر ہوسکتا ہے اور تیرے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوتا۔

تواضع اور زہد

حضرت بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا مقام فقراء کے کارواں میں بنایا اور ان پر الہامی کلام کا القاء فرماتے رہتے تا کہ شریر نفوس کو دبا دیں جو غرور کے آسمان میں بلند ہوئے جا رہے ہوں۔ فرمانے لگے۔ ''جب تم اپنے سے بڑی عمر کے شخص کو دیکھو تو یوں کہو کہ یہ شخص مجھ سے ایمان اور نیک عمل میں بڑھ گیا اس لیے مجھ سے بہتر ہے۔ اور جب خود سے چھوٹی عمر کے شخص کو دیکھو تو یوں کہو کہ میں گنا ہوں اور نافرمانیوں میں اس سے بڑھ گیا اس لیے یہ مجھ سے بہتر ہے۔'' اور جب تم اپنے بھائیوں کو تمہارا اکرام کرتے اور تعظیم کرتے دیکھو تو کہو کہ یہ زائد چیز ہے جن کا ان سے مواخذہ ہوگا اور جب ان سے کوتاہی سرزد ہوتی دیکھو تو یوں کہو کہ یہ گناہ ہے جو میں نے کیا ہے۔''

ایک مرتبہ حج کے سفر میں جبل عرفہ پر لوگوں کا اژدھام ہوگیا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر چلا چلا کر رونے کی ملی جلی آوازوں سے دعائیں کر رہے تھے۔ حضرت بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر میں ان میں نہ ہوتا تو یقین سے کہہ دیتا کہ ان لوگوں کی مغفرت ہوگئی۔

عہدہ قضاء سے دلچسپ انکار

ایک مرتبہ گورنر نے بکر مزنی رحمتہ اللہ علیہ کو بلوا بھیجا تا کہ انہیں عہدہ قضاء پر متعین کیا جاسکے۔ چنانچہ ان سے کہا۔ اے ابو عبداللہ! ہم آپ کو قضاء کے عہدے پر مقرر کر رہے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں اللہ کی قسم مجھے قضاء کے معاملات کا کچھ علم نہیں ہے۔ اور (لاعلمی کے بارے میں) اگر میں سچ کہہ رہا

ہوں تو آپ کو چاہیے کہ مجھے متعین نہ کریں اور اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو ایک جھوٹے کو مقرر نہ کریں۔

آخری لمحات

حضرت بکر بن عبداللہ مزنی بستر مرض پر جا پہنچے۔ جسم کمزور ہو گیا۔ احباب اور دوست عیادت کے لیے آنے لگے۔ انہوں نے ان کو اپنے سامنے دیکھا تو سر اٹھا کر فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر رحم کرے جسے اس نے قوت عطا کی اور اس نے خود کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کی طاقت کم کر کے اسے کمزور کر دیا تو اس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں لگایا۔

وفات

۱۰۸ ہجری میں ان کی پاکیزہ روح بارگاہ عزوجل میں حاضر ہو گئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت مسلم بن یسار رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۰۸ ہجری بمطابق ۷۲۶ عیسوی)

☆ وہ شخص جس نے اپنی آواز سے امید کا دروازہ کھول دیا۔
☆ جو نماز سے فارغ ہوتا تو ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا۔
☆ اپنے علم کے ذریعے وحی کے دور میں پہنچ گئے۔

☆☆☆

ان کا دل تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے مناجات سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے اپنی روح کی غذا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا کو بنالیا تھا۔ یہ ہیں سیدنا حضرت عمرؓ مسلم بن یسار اموی رحمتہ اللہ علیہ (یہ ولاء کے اعتبار سے اموی تھے) رجال حدیث میں سے بڑے عبادت گزار شخص تھے۔ فقیہ، زاہد اور مجاہد تھے۔ اصل میں مکہ کے

تھے پھر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ اور بصرہ کے منصب افتاء پر فائز ہوئے۔

فقیر منش اور ایسے عبادت گزار تھے کہ جب وہ نماز پڑھتے تو لگتا کہ بیمار ہیں اور جب سجدہ کرتے تو لگتا کہ وہ کپڑے (کی گٹھڑی) ہیں۔ نماز سے فارغ ہوتے تو لگتا کہ وہ نماز میں ہیں اور ذکر و تسبیح میں مشغول اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں مگن ہیں۔

ابن عون رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کے دور میں ان سے افضل کوئی نہ تھا۔ حضرت مسلم بن یسار لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ ایسے شخص کی طرح عمل کرو جسے اس کے عمل کے سوا کوئی بچا نہ سکے گا۔ اور ایسے شخص کی طرح توکل کرو جسے صرف وہ ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے۔ اور فرماتے کہ ''لذت حاصل کرنے والے تنہائی میں رب تعالیٰ سے مناجات کرنے جیسی لذت نہیں پا سکتے۔

مسلم بن یسار سجدے میں مناجات کرتے ہوئے کہتے۔'' اے اللہ میں تجھ سے اس حال میں کب ملوں گا کہ تو مجھ سے راضی ہو۔''

خشوع وخضوع کی کیفیت

جب نماز میں ہوتے تو ان کا دل امید (رجاء) کے دروازوں سے متصل ہو جاتا۔ اور دنیا سے کٹ کر رہ جاتا۔ ایک دن نماز میں داخل ہوئے اور رکوع وسجود کرنے لگے۔ اسی دوران ان کے پڑوس میں آگ لگ گئی اور آگ کے شعلوں نے آگ کی عقل گم کر دی اور وہ ہر چیز کو جلانے لگی۔ مگر یہ خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے نماز پڑھتے رہے ان کا دل رکوع وسجود کی طرف ہی لگا رہا حتیٰ کہ آگ بجھا دی گئی۔

رات کو نماز کے لیے یوں کھڑے رہتے جیسے کہ گڑی ہوئی کیل ہوں۔ ایک مرتبہ ایک شامی ان کے گھر میں داخل ہو گیا گھر والے ڈر گئے اور جس کے جو ہاتھ میں آیا لاٹھی نیزہ وغیرہ لیکر اس پر پل پڑے چنانچہ وہ ان کے ہاتھوں میں گر پڑا۔ پھر جب حضرت مسلم بن یسار نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی بیوی نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے

کہا کہ یہ شامی اندر گھس آیا اور گھر والے ڈر گئے مگر آپ متوجہ نہ ہوئے؟ تو حضرت مسلم بن یسار نے زاہدین کی سی پرسکون آواز میں فرمایا کہ مجھے تو پتہ ہی نہ چلا۔

ایک مرتبہ مسجد کی دیوار گر گئی۔ اس کی آواز سے بازار والے تک ڈر گئے اور بھاگم بھاگ مسجد پہنچے تو دیکھا کہ مسلم بن یسار نماز میں مصروف ہیں اور دیوار ٹوٹنے سے بھی وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

خوف خدا کی کیفیت

مسلم بن یسار کی آنکھ رونے سے کبھی بند نہ ہوتی (کبھی آنسو نہ تھمتے تھے) جیسا کہ آسمان کبھی بادلوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ابن سیرین کی آل میں سے ایک شخص نے بتایا کہ میں نے حضرت مسلم کو جامع مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ چنانچہ جب انہوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے ان کے سجدے کی جگہ دیکھی تو آنسوؤں کی کثرت سے ایسا لگا جیسے کسی نے وہاں پانی انڈیل دیا ہو۔"

شیطان کے حملوں سے حفاظت

ان کے تقویٰ پر (نفس و شیطان کے) بڑے حملے ہوتے اور حملہ ان کے آنگن میں اترتا مگر یہ شکست نہ کھاتے تھے۔ اور فرماتے کہ جب تم کوئی کپڑا پہن کر یہ سمجھنے لگو کہ تم ان کپڑوں میں دوسرے کپڑوں کی بہ نسبت زیادہ افضل ہو (ان کپڑوں میں تمہاری وہ عزت اور شرف ہے جو دوسرے کپڑوں میں نہیں) تو یہ تمہارے لیے بہت برا کپڑا ہے۔

خوف خدا

ان کی عقل اخلاص کے افق میں منڈلاتی اور دل میں خوف جاگزیں ہوتا اور یہ خود خوف خدا میں غرق خود سے باتیں کرتے کہ "میرے ہر عمل کے بارے میں مجھے خوف ہوتا ہے کہ اس کو خراب کرنے والی کوئی چیز اس میں داخل ہوگئی ہوگی۔ سوائے اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرنے کے عمل کے (کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ خوف نہیں)۔

ایک دن اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے نفس کے پوشیدہ خیالات کو بیان کررہے تھے۔ فرمایا۔ میں ایک دن بیمار ہوگیا تو میرے اعمال میں میرا کوئی عمل اتنا معتمد نہ تھا جتنا کہ اس قوم کے ساتھ میرا عمل جن سے میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے محبت کرتا تھا۔

کرامات

ان کی کرامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک دن یوم ترویہ کے دن یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو وہ لوگوں کے سامنے آئے اور پکار کر فرمایا کہ کیا تم لوگ حج کرنا چاہتے ہو؟ لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ شیخ کا دماغ چل گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو حج کرنا چاہتا ہے وہ نکل پڑے چنانچہ کچھ لوگ ان کے ساتھ نکلے۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد جب صبح کی روشنی ہوئی تو حضرت مسلم بن یسار نے فرمایا کہ سواریوں کی باگیں چھوڑ دو۔ (لوگوں نے دیکھا تو سامنے تہامہ کی پہاڑیاں تھیں (یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچ چکے تھے)۔

وفات

۱۰۸ ہجری میں ان کا انتقال بصرہ میں ہوا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۰ ہجری بمطابق ۷۲۸ عیسوی)

☆ ایک شخص جس کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ تھا۔

☆ نبی کریم ﷺ کے ایک گھر میں پرورش پائی۔

☆ ان کی تحنیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دودھ پلایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنگن میں جوان ہوئے۔

☆ ایسا شخص جس کے دل کی محراب میں زہد جاگزیں ہو چکا تھا۔

☆☆☆

تقوے کی ایک نشانی اور علامت۔ زہد کے ایک متلاشی' تابعین کے سردار یہ ہیں حضرت حسن بن یسار بصری (کنیت ابوسعید تھی) جو کہ متقی پرہیز گار رہنما' خوف و رنج کے خوگر' اپنے دور کے شیخ اور استاذ' بصرہ کے سردار فقیہ' ثقہ' امت کے عظیم پیشوا تھے۔

خصوصیات

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے تحنیک فرمائی (گھٹی دی) مکمل حسین اور بے انتہا خوبصورت اور خوب سیرت انسان اور ایک بہادر' فصیح اور عالم شخص تھے۔ صحابہ کرام کے حافظوں سے علم حاصل کیا اور مدینہ کی خوشبو سے زہد حاصل کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے آنگن میں جوان ہوئے۔ والی خراسان ربیع بن زیاد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انہیں کاتب (سیکرٹری) مقرر کیا۔ بصرہ میں رہائش پذیر رہے۔ دلوں میں ان کی عظیم ہیبت تھی یہ حکام کے ہاں جا کر انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے۔ حجاج بن یوسف اور ان کے درمیان کئی موقعوں پر قصے ہیں۔ فصاحت میں آخری حد تھے۔ حکمت ان کی زبان مبارک سے پھوٹتی تھی۔ لوگوں میں سب سے طویل آخرت کے رنج والے تھے۔ لوگوں میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔

مختلف لوگوں کا خراج تحسین

حضرت محمد الباقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے کہ یہ وہ شخص ہے' کہ جس کا کلام انبیاء کرام کے کلام کے مشابہ ہے۔"

خالد بن صفوان حیرہ میں مسلمہ بن عبدالملک کے پاس آئے تو اس نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو خالد بن صفوان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امیر کو نیکی عطا کرے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میں ان کا پڑوسی ہوں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ان (حسن بصری) کی خلوت' جلوت کے اور قول فعل کے مطابق ہے۔ اگر یہ کسی کام پر لگ جائیں تو اسے مکمل کرتے ہیں اور اگر کسی کام کو چھوڑ دیں تو اس پر قائم رہتے ہیں۔ اگر لوگوں کو کسی کام کا حکم دیں تو سب لوگوں سے زیادہ اس پر خود عمل کرتے ہیں۔ اور اگر کسی چیز سے منع کریں تو سب سے زیادہ خود اس سے رکتے ہیں۔ میں نے انہیں لوگوں سے بے پرواہ اور لوگوں کو ان کا محتاج دیکھا ہے۔ اتنا سن کر مسلمہ نے کہا۔ خالد' اتنا کافی ہے۔ وہ قوم کیسے گمراہ ہوسکتی ہے جس میں یہ (حسن بصری) ہوں۔"

اشعث کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن کے بعد جس سے بھی ملا وہ میری نظر میں چھوٹا محسوس ہوا۔ حضرت حسن بصری کا ایک قول یہ ہے کہ موت نے دنیا کو رسوا کر دیا اور کسی عقل والے کے لیے کوئی خوشی نہیں چھوڑی۔

زہد اور اس کا پرچار

دنیا حضرت حسن کے نزدیک معمولی سی چیز کے برابر بھی نہ تھی۔ وہ درہم و دینار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اشعث کہتے ہیں کہ ہم جب حضرت حسن کے ہاں جاتے اور جب وہاں سے نکلتے تو دنیا کو "کچھ بھی" شمار نہیں کرتے تھے۔

حضرت حسن لوگوں کو وعظ کرتے اور ان کی سماعتوں میں دنیا کی ناپسندیدگی انڈیلتے ہوئے فرماتے کہ درہم اور دینار دو بدترین ساتھی ہیں وہ تمہیں کوئی فائدہ نہ دیں

گے۔ حتیٰ کہ تم سے جدا ہو جائیں گے۔ (فائدہ دینے سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ دیں گے)۔ ''اور فرماتے'' جو شخص بھی درہم (دولت) کو عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے ہیں۔ ''اور فرمایا'' کہ دنیا کو ذلیل کرو (اس کی توہین کرو) خدا کی قسم مجھے سب سے زیادہ خوشی اسے ذلیل کر کے ہوتی ہے۔''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی زندگی متواضع اور دنیا سے بے رغبت ہو کر گزاری اس میں دنیا کا کوئی سامان نہ تھا سوائے اس سامان کے جو آخرت تک پہنچائے۔

ان کے ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ کی عیادت کرنے گئے۔ تو دیکھا کہ گھر میں نہ بستر تھا نہ بچھونا' قالین وغیرہ اور نہ ہی کوئی تکیہ سوائے ایک کھجور کے پتوں سے بنی چارپائی جس پر چٹائی ڈال دی گئی تھی۔

ایک اعرابی بصرہ آیا تو اس نے پوچھا کہ اس شہر کا سردار کون ہے؟ کسی نے کہا کہ ''حسن''۔ اس اعرابی نے پوچھا وہ کس بات سے ان کے سردار بن گئے؟ تو جواب ملا کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس سے بے پرواہ ہیں اور لوگ اپنے دینی معاملات میں ان کے پاس موجود (علم) کے محتاج ہیں۔ یہ سن کر اعرابی نے کہا کہ کتنی اچھی صفت ہے۔ واقعی انہیں سردار ہونا چاہیے تھا۔

مکارم اخلاق

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے سینے کو فضائل اور مکارم اخلاق سے مزین کر رکھا تھا۔ کوئی فضیلت ان سے چھوٹ نہ سکی ہر فضیلت انہوں نے اپنے سینے سے باندھ لی تھی۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کی غیبت کی تو آپ نے اس کے پاس تر کھجوروں سے بھری ایک تھالی بھیجی اور کہلوایا کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیاں جو مجھے تحفے میں بھیجی تھیں یہ ان کے بدلہ میں بھیج رہا ہوں۔ یہ سن کر اس شخص کو شرم آ گئی اور اس نے اس کے بعد انہیں برے الفاظ سے کبھی یاد نہ کیا۔

قول کے مطابق عمل

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر عرض کیا کہ آپ جمعے کے خطبے میں غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب کیوں نہیں دیتے۔ چنانچہ حضرت حسن نے کہا کہ میں انشاء اللہ بیان کرونگا۔ چنانچہ جب جمعہ آیا تو حضرت حسن منبر پر چڑھے مگر خطبے میں غلاموں کے آزاد کرنے پر کچھ بیان نہیں کیا۔ پھر دوسرے جمعے بھی ایسا ہی کیا حتیٰ کہ چوتھے یا پانچویں جمعہ کے خطبہ میں غلاموں کے آزاد کرنے پر بیان کیا اور اس کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ شخص آیا اور اس نے تعجب سے کہا کہ حضرت میں نے آپ سے غلاموں کے آزاد کرنے پر ترغیب دینے کی درخواست کی تھی مگر آپ نے چار جمعوں کے بعد بیان فرمایا ہے؟ تو حضرت حسن نے جواب دیا کہ میں غلاموں کی آزادی کی ترغیب کا خطبہ اس وقت تک نہیں دے سکتا تھا جب تک کہ میرے پاس مال نہ آتا اور میں بازار جا کر غلام خریدتا اور اسے آزاد کر دیتا۔ ہاں پھر اس کے بعد لوگوں کو اس کی نصیحت کرتا تاکہ میں ان لوگوں میں سے نہ ہوں کہ جو لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

جہنم کی آگ کا خوف' آخرت کا رنج

آخرت کے شدید رنج میں مبتلا تھے۔ ان کا دل کمزور ہو چکا تھا۔ زخم ہرے ہو چکے تھے گویا کہ جہنم کی آگ صرف انہی کے لیے بنی ہے۔

حضرت ابراہیم لشکری فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے زیادہ طویل الحزن شخص نہیں دیکھا اور میں جب بھی انہیں دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ تازہ تازہ کوئی مصیبت ان پر آئی ہے۔"

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کو غم و رنج اختیار کرنے کی ترغیب دیتے اور ان کے فضائل بتا کر ان کی نظروں میں اسے اچھا کر دکھاتے۔" فرمایا "تمہیں امن حاصل ہونے سے پہلے تمہارا خوف اس امن سے بہتر ہے جس کے بعد تم خوف میں مبتلا ہو جاؤ۔"

ایک دن ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ اے ابوسعید دل میں کون سی چیز (آخرت کا) رنج ڈالتی ہے؟ فرمایا۔ ''بھوک۔ اس نے پوچھا کہ کونسی چیز رنج کو نکالتی ہے؟ فرمایا پیٹ بھرنا۔''

عبادت وخشیت

جب رات تاریک ہو جاتی تو یہ اپنے قدم محراب میں جما لیتے اور طویل بکاء میں لگ جاتے۔ حضرت علی بن زید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت حسن نے رات ان کے ہاں بسر کی اور رات کو محراب میں کھڑے روتے گزار دی۔ حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ زید نے ان سے پوچھا کہ اے ابوسعید۔ آج رات آپ نے ہمارے گھر والوں کو رلا دیا۔ کیا ہوگیا تھا؟ فرمایا۔ اے علی! میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ''اے حسن کہیں اللہ تعالیٰ کسی برائی (برے عمل) کو دیکھ کر یہ نہ کہہ دے کہ تو جو چاہے عمل کر لے میں تیرا کوئی عمل قبول نہیں کروں گا۔ (بس اسی بات پر روتا رہا)۔

موت کی آمد کا یقین

ایک دن راستے کی ایک جانب لوگوں کے مجمع میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا۔ اے ابوسعید! میں نے گھر بنایا ہے۔ آپ میرے ساتھ چل کر مکان دیکھیں اور میرے لیے برکت کی دعا فرما دیں۔ چنانچہ حضرت حسن مجمع سمیت تشریف لے گئے جب اس مکان تک پہنچے تو مکان مالک سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تجھے زمین والے دھوکہ دیں۔ آسمان والے تجھ سے نفرت کریں اور تو اپنے گھر کو برباد کرے اور دوسرے کا گھر بنائے۔ یہ فرما کر لوگوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

چنانچہ جب لوگ حضرت حسن کے گھر تک پہنچے تو اس کی دیوار ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی۔ کسی نے کہا۔ اے ابوسعید اس گھر کے گرنے سے پہلے مرمت کروالیں۔ حضرت حسن نے جن کا نصب العین کوتاہ امیدی تھا فرمایا کہ ''رہنے دو رہنے دو معاملہ اس سے بھی جلدی کا ہے۔ (موت اس سے بھی پہلے آ جائے گی)۔

وفات

ان کی روح شوق کے پروں سے اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف پرواز کر گئی۔ ۱۱۰ ہجری تھا اور ماہ رجب کے ابتدائی دنوں کی شب جمعہ تھی۔

جب ان کی وفات کی خبر پھیلی تو پورا بصرہ آہ و بکاء سے گونجنے لگا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۰ ہجری بمطابق ۷۲۸ عیسوی)

☆ زاہدین کے درمیان ان کا مرتبہ ایسا تھا جیسے فرشتوں میں حضرت جبرائیل کا۔
☆ اپنے دل سے دنیا کے دھوکے اور عشق ذات کو دور نکال پھینکا تھا۔
☆ خود کو بھلائی اور تقویٰ کی گود میں لٹا دیا تھا۔

☆☆☆

ایسا شخص جس کی گفتگو تسبیح، جس کی خاموشی، تفکر اور عبادت تھی۔ اپنی دنیا کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی محبت سے روشن کر رکھا تھا۔ یہ ہیں محمد بن سیرین بصری (ولاء کے اعتبار سے انصاری ہیں) کنیت ابوبکر تھی۔ بصرہ کے امام اور اپنے دور میں ورع اور تقویٰ کے اہم رکن تھے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اختتام سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ ایسے گھر میں پرورش پائی جس کے ہر رکن سے ورع وتقویٰ کی بہاریں پھوٹتی تھیں۔ جوان ہوئے تو کپڑا فروش تھے۔ کپڑے بیچتے، کانوں سے کم سنائی دیتا تھا۔ پھر فقہ میں سمجھ بوجھ حاصل کی۔ حدیث کی روایت کی اور وراثت، قضا (قانون) اور حساب کا علم حاصل کیا۔

ورع وتقویٰ سے مشہور ہوئے۔ ان کا چرچا خواب کی تعبیروں سے ہوا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں فارس میں کاتب کے عہدے پر فائز فرمایا۔ ان کے

والد محترم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ محمد بن سیرین کو ہدایت' اچھی طبیعت اور خشوع عنایت ہوا تھا۔ چنانچہ جب لوگ انہیں دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ جب یہ مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے کپڑے سے اس کی صفائی کرتے۔

زندگی کی تقسیم عبادت و تجارت

اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ ایک حصہ عبادت کے لیے اور ایک حصہ کمانے کے لیے۔ چنانچہ جب دن بلند ہو جاتا تو مسجد سے نکل کر تجارت کے لیے بازار پہنچ جاتے اور جب رات آتی تو اپنے گھر کی مسجد میں قدم جما کر کھڑے ہو جاتے۔

ایک دن روزہ رکھتے دوسرے دن بغیر روزے کے رہتے۔ اپنی والدہ سے بہت زیادہ نیک سلوک کرنے والے شخص تھے۔ مکمل زبان سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ (مطلب یہ کے اونچی آواز سے اور منہ کھول کر بات نہیں کرتے تھے)۔ عام طور سے ان کا کلام (گفتگو) تسبیح و تحمید ہوتی۔ سچی بات کہتے' جب بھی دو باتیں سامنے آتیں تو ان میں سے دین کے اعتبار سے زیادہ با اعتماد مضبوط بات کو اختیار فرماتے۔

خراج تحسین

زبانیں ان کی تعریف بیان کرتی ہیں اور انہیں یوں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مواق العجلی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے تقویٰ میں زیادہ فقیہہ تھا اور ابن سیرین سے زیادہ فقہ میں کوئی پرہیز گار نہ تھا۔

بکر بن عبداللہ مزنی فرمایا کرتے تھے۔ جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ اپنے دور کے سب سے زیادہ متقی انسان کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ محمد بن سیرین کو دیکھے۔

تقویٰ نفس کو نصیحت اور ذات کو نکھارنے کے بارے میں ان کے بہترین اقوال موجود ہیں جیسے کہ انہوں نے فرمایا۔ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ بنا دیتا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے۔

محمد بن سیرین بڑے عبادت گزار' صاحب تقویٰ اور زاہد شخص تھے۔ جب

نصف نہار کے وقت بازار میں داخل ہوتے تو تکبیر و تسبیح اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ اے ابوبکر اس وقت بھی؟ فرمایا کہ یہ وقت ذکر سے غفلت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا میں اس وقت ذکر الٰہی کرنا پسند کرتا ہوں۔

ایک دن کسی شخص کا آپ نے تذکرہ کیا اور لوگوں کو پہچان کرانے کے لیے کہہ دیا کہ وہ فلاں کالا۔ اس کے بعد انہیں بڑی ندامت ہوئی اور غلطی کا احساس ہوا۔ پھر فرمانے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی مغفرت چاہتا ہوں کہ میں نے کہیں اس کی غیبت نہ کردی ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا اعلان ہوا کہ وہ اپنے رب کے پڑوس میں جا پہنچے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ابن سیرین انہیں غسل دیں۔ مگر اس وقت ابن سیرین قید میں تھے۔ لوگوں نے آ کر بتایا تو فرمانے لگے کہ میں تو قید میں ہوں لوگوں نے کہا کہ ہم نے گورنر سے اجازت لے لی ہے۔ تو فرمایا کہ مجھے گورنر نے قید نہیں کیا بلکہ مجھے اس نے قید کروایا ہے جس کا حق مجھ پر ہے۔ چنانچہ اس صاحب حق کو بلوایا گیا اور اس نے اجازت دی تو ابن سیرین نے جیل سے نکل کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔

بھلائی، نیکی اور نصیحت

ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس بھلائی، نیکی اور نصیحت پر مشتمل ہوتی۔ ان کی امیدوں سے تقویٰ کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ ایک مرتبہ ابن سیرین نے ایک شخص کو حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہتے سنا تو اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اے بھائی۔ رک جاؤ۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والا بادشاہ ہے۔ اگر وہ حجاج سے اس کے مظالم کا بدلہ لے تو بہت جلد لے لے گا۔ اس لیے اپنے آپ کو کسی کی برائی میں مشغول مت کرو۔

خرید و فروخت کا طریقہ کار

جب کسی کو کوئی چیز بیچتے تو اس سے تین بار پوچھتے کہ کیا تم راضی ہو؟ اگر

خریدنے والا ''ہاں'' کہتا تو ابن سیرین گواہی کے لیے گواہوں کو لے آتے (کہ گواہ رہنا)۔

حضرت سری بن یحییٰ' حضرت ابن سیرین کے تقوے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن سیرین کو کسی چیز میں چالیس ہزار کا منافع ہوا اور انہوں نے اس بیع سے اسی ہزار کا سودا خریدا پھر ان کے دل میں کوئی شبہ وغیرہ آ گیا لہٰذا اس معاملے کو چھوڑ دیا۔

ایک دن کسی نے حلال وحرام کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھ لیا تو ان کا رنگ بدل گیا۔ حتیٰ کہ ایسے لگنے لگے کہ یہ وہ نہیں ہیں جو سوال کیے جانے سے پہلے تھے۔

ایک مرتبہ چالیس ہزار درہم کا تیل ادھار پر خریدا اور پھر جب ایک برتن کھول کر دیکھا تو اس میں ایک مرا ہوا چوہا پڑا تھا۔ چنانچہ فرمانے لگے کہ یہ تیل سارے کا سارا ایک ہی جگہ میں (جہاں نکال کر رکھا جاتا ہے) ہوتا ہے اور نجاست یقیناً صرف ایک برتن ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لیے اگر میں بیچنے والے کو واپس کردوں گا تو ہوسکتا ہے وہ لوگوں کو بیچ دے۔ چنانچہ اس ڈر سے وہ سارا تیل گرا دیا پھر جب اس کی ادائیگی نہ کرسکے تو قید کردیئے گئے۔

دینی سمجھ

دین کے اسرار کو باریکی سے سمجھنے والے شخص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل ذہانت سے روشن کردیا تھا۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص نے آ کر ان پر دعویٰ کیا کہ میرے آپ کے ذمے دو درہم ہیں۔ انہوں نے انکار کردیا۔ تو اس شخص نے کہا کہ کیا آپ قسم کھا سکتے ہیں؟ اس کا خیال یہ تھا کہ دو درہم کے لیے ابن سیرین قسم نہیں کھائیں گے۔ مگر ابن سیرین نے قسم کھالی۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابوبکر۔ کیا آپ دو درہموں کے لیے قسم کھا رہے ہیں؟ چنانچہ آپ نے ایمان اور تقویٰ کے ساتھ جواب دیا۔ ہاں میں قسم کھا رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں اسے حرام کھلانا نہیں چاہتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ حرام ہے۔

حق گو ابن سیرین

محمد ابن سیرین کلمہ حق کہہ دیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے معاملے میں کسی ملامت گر کی لعنت ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے بادشاہوں کے سامنے ابن سیرین سے زیادہ سخت کسی کو نہیں دیکھا۔

ایک دن عمر بن ہبیرہ والی عراق نے انہیں بلوایا۔ چنانچہ یہ اس کے بلانے پر چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کا بھتیجا بھی تھا۔ چنانچہ جب یہ والی کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور خوب تعظیم سے پیش آیا۔ پھر پوچھنے لگا کہ اے ابوبکر آپ نے اپنے شہر والوں کو کس حال میں چھوڑا؟ ابن سیرین نے جواب دیا کہ میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ ظلم ان میں عام ہو چکا ہے اور تم ان کی طرف سے غفلت برت رہے ہو۔

ان کے بھتیجے نے انہیں کہنی سے ٹھوکا دیا تو انہوں نے اس کی طرف مڑ کر فرمایا کہ انہوں نے تجھ سے نہیں مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا ہے اور یہ گواہی ہے۔ ''اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔'' (البقرۃ آیت ۲۸۳) چنانچہ جب مجلس ختم ہوئی تو ابن ہبیرہ نے انہیں اسی طرح پرتپاک طریقے سے رخصت کیا۔ جیسے استقبال کیا تھا۔ اور آپ کے پاس ایک تھیلی جس میں تیس ہزار درہم تھے بھجوائی۔ مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

وفات

۱۱۰ ہجری میں آپ کی روح پرواز کر گئی اور آپ کا جسم بصرہ میں مٹی تلے چھپا دیا گیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت طلحہ بن مصرف رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۲ہجری بمطابق ۷۳۰عیسوی)

☆ ایسا شخص گویا کہ اس کی تربیت فرشتوں نے کی تھی۔
☆ اپنے دل سے غموں کا احاطہ کر لیا تھا۔
☆ جس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک آخرت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے' ہنسے گا نہیں۔

☆☆☆

جس نے احسان کی زنجیر سے زبان کو باندھ دیا تھا۔ جس کی خاموشی فکر' نظر عبرت اور گفتگو ذکر الٰہی تھی۔ ورع (پرہیز گاری) نے اس کے دل میں ایسی حسرت ڈال دی تھی جس نے دل کو جلا کر رکھ دیا تھا یہ ہیں طلحہ بن مصرف بن کعب بن عمرو ہمدانی' کوفی' ابو محمد۔ جو کہ قراء کے امام اور تقویٰ کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔

اپنے زمانے میں کوفے کے سب سے بڑے قاری' پرہیز گار اور عبادت گزار جن کی سچائی اور وفاء (ایفاء عہد وغیرہ) مشہور تھی۔ خاموشی کے دروازے سے آخرت کی طرف دوڑے۔ امام احمد جن کے اخلاق کو بہت پسند کرتے تھے۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ بن مصرف سے زیادہ اپنی زبان پر قابو رکھنے والا دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ عبدالملک بن ابجر کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ بن مصرف کو جب بھی کسی مجمع میں دیکھا تو ان پر طلحہ کی فضیلت ہی دیکھی۔

حضرت طلحہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے کہ ''اے اللہ میری خاموشی کو فکر بنا دے۔ اور میری نظر کو عبرت اور میری گفتگو کو ذکر بنا دے۔

زہد وخشیت

شہرت کے چنگل سے خود کو دور لے گئے۔ کوفہ کے بڑے قاری تھے۔ لوگ ان سے قرات سیکھا کرتے تھے۔ لیکن جب لوگوں کی کثرت دیکھی تو دل میں ناگوار گزری

چنانچہ خود امام اعمش کی مجلس میں پہنچ گئے اور ان کی شاگردی اختیار کرلی۔ چنانچہ لوگ امام اعمش کی طرف مائل ہو گئے اور طلحہ کو چھوڑ دیا۔

ایک دن ہنسی آ گئی تو اپنے نفس کو سزا دینے کو اس پر پل پڑے۔ نفس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ کیوں ہنستا ہے؟ ہنستا تو وہ ہے جو تمام گھبراہٹوں اور خوف کو پار کرکے پل صراط سے آگے نکل گیا ہو۔ پھر فرمایا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ جب تک یہ نہ جان لوں کہ قیامت میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا نہیں ہنسوں گا۔ چنانچہ ان کی وفات ہوگئی۔ مگر کسی نے انہیں ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابن مصرف اگر آپ کھانے کا غلہ بیچا کریں تو آپ کو منافع ہوگا؟ فرمایا کہ ''مجھے یہ ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر مہنگائی میرے دل میں دیکھے۔

تقویٰ اور پرہیزگاری

(ان کی دیوار اور پڑوسن کی دیوار مشترک تھی) چنانچہ ان کی پرہیزگاری ملاحظہ کیجئے کہ انہیں اس میں صرف ایک کیل ٹھونکنی تھی تو پڑوس کی خاتون مالکن سے اجازت منگوائی تو اس نے کہلوایا کہ آپ ضرور کیل لگائیں اور اگر روشن دان بھی نکالنا چاہیں تو اجازت ہے۔

ان کی پڑوسن ان کی پرہیزگاری بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ہماری ایک خادمہ حضرت طلحہ کے ہاں آگ کا انگارہ مانگنے گئی۔ حضرت طلحہ نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت طلحہ کی اہلیہ نے کہا کہ اے فلانہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم ابو محمد کے لیے تمہاری انگیٹھی پر یہ گوشت کا ٹکڑا بھون لیں تاکہ یہ بعد میں افطار کرسکیں۔ چنانچہ ایسا کرلیا۔ اور جب طلحہ نماز سے فارغ ہوئے تو (اس بات پر مطلع ہونے پر) تیز آواز سے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا میں یہ گوشت چکھوں گا نہیں حتیٰ کہ تم اس خادمہ کی مالکن کو نہ بھجوا دو تم نے ان کی انگیٹھی کیوں روکی اور اس پر کیوں اپنا گوشت بھونا؟

آخری لمحات

جب حضرت طلحہ بن مصرف بستر مرگ میں جا پہنچے خناق کی تکلیف انہیں ہوگئی تو یہ شدید درد کے مارے رونے لگتے تو کسی نے کہا کہ حضرت طاؤوس بیماری میں رونے کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد طلحہ بن مصرف کے رونے کی آواز نہیں سنی گئی حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔

وفات

۱۱۲ ہجری میں ان کی پاکیزہ روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت عطاء بن رباح رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۱۴ ہجری بمطابق ۷۳۲ عیسوی)

☆ باوجود نسب محفوظ نہ ہونے کے بزرگی کا اصرار تھا کہ وہ ان سے مصافحہ کرے۔
☆ ایسا شخص جو علماء کو اپنے الفاظ سے رلا دیتا تھا۔
☆ انہیں حیا آتی تھی کہ زمین میں ان کی رائے کی وجہ سے ان کی عزت کی جائے۔

☆☆☆

ہمیشہ کے لیے امر ہو جانے والے لوگوں کے گلزار اور عظیم لوگوں کے چمن میں اپنی روح کو اڑا لے گئے۔ یہ ہیں حضرت عطاء بن رباح ابو محمد قریشی (قریش کے مولیٰ تھے)۔ فقیہ حرم، سید الفقہاء، شیخ الاسلام۔ حضرت ابن عباس کے حلقہ کے جانشین، یمن میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں پلے بڑھے۔ آل ابی میسرہ فہری کے مولیٰ تھے۔ سیاہ فام تھے آنکھوں میں بھینگا پن تھا ناک نکچی تھی۔ ہاتھ بیکار تھے۔ پاؤں سے بھی معذور ہوئے پھر نابینا ہوگئے۔

اتنی معذوریوں کے باوجود وہ مقام حاصل کیا کہ لوگوں نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں اور عطاء کا نام فقہ تفسیر اور حدیث کی سند میں بہت اونچا نام ہے)۔

محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کی مجلس اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتی کبھی اس ذکر سے خالی نہ ہوتی اگر ان سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب بہت حسین ہوتا۔

سلمہ بن کہیل کہتے ہیں میں نے عطا کے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ جو علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہوں۔

زہد و تواضع

ایک دن ان سے کسی بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم۔ تو کسی نے کہا آپ اپنی رائے سے کیوں نہیں بتاتے؟ فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میری رائے کی وجہ سے دنیا میں میری عزت کی جائے۔ (عربی میں لفظ "یدان" ہے جس کے متضاد معنی ہیں۔ ایک معنی ذلیل ہونے کا بھی ہے)۔

حضرت عمر بن ذر فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا میں نے انہیں کبھی قمیض پہنے نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسا کپڑا جو پانچ درہم کے مساوی ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ حج کے لیے تشریف لائے تو لوگ مسئلے مسائل پوچھنے لگے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم میرے پاس جمگھٹا لگا رہے ہو حالانکہ تمہارے ہاں ابن ابی رباح جیسا شخص موجود ہے۔

دنیا سے دوری

دنیا ابن ابی رباح کے پاس بناؤ سنگھار کر کے آئی مگر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اپنی زندگی زاہد بن کر گزاری۔ حکمرانوں نے انہیں نزدیک کرنا چاہا مگر یہ دور ہو گئے۔ اور حکمرانوں کے دروازے مسلمانوں کی خدمت کے علاوہ اور کسی مقصد سے نہیں کھٹکھٹائے۔

ہمیں عثمان بن عطا خراسانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے

ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے پاس جا رہا تھا۔ تو جب ہم دمشق کے قریب پہنچے تو گدھے پر سوار ایک بوڑھے کو دیکھا جس کا رنگ سیاہ تھا ایک کھردرا موٹا لبادہ اور پرانا جبہ پہنا ہوا تھا ایک پھٹی ہوئی ٹوپی سر پر تھی، مجھے اس حلیہ میں دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ میں نے اپنے والد کو کہا کہ یہ کون ہے؟ میرے والد نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ چپ کر۔ یہ حجاز کے فقہاء کے سردار عطاء بن ابی رباح ہیں۔

پھر میرے والد اپنے خچر سے اور حضرت عطاء اپنے گدھے سے اترے دونوں نے معانقہ کیا پھر سوار ہو کر چلے اور ہشام کے دروازے پر پہنچ گئے ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ انہیں اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ جب میرے والد وہاں سے نکلے تو میں نے پوچھا کہ تم دونوں کے ساتھ اندر جو معاملہ ہوا وہ مجھے بتایئے۔ چنانچہ انہوں نے بتایا کہ

جیسے ہی ہشام کو علم ہوا کہ حضرت عطاء دروازے پر ہیں تو فوراً اس نے اجازت دے دی اور واللہ میں ان ہی کی وجہ سے اندر داخل ہو سکا۔ ہشام نے جب انہیں دیکھا تو مرحبا کہا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور پوچھا کہ اے ابو محمد تمہاری کیا حاجت ہے؟ تو عطا بن ابی رباح نے ان سے اہل حرم اہل مدینہ اور اہل ثغر کے وظائف کے اجراء کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ ہشام نے اپنے غلام کو کہا کہ ان سب لوگوں کے وظائف کے اجراء کا حکم نامہ لکھو اور پھر ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے لگا۔ اس کے بعد ہشام حضرت عطاء کے پہلو کی جانب جھکا اور پوچھا اے ابو محمد اس کے علاوہ کوئی ضرورت تو نہیں؟ تو حضرت عطاء نے کہا کہ اے امیر المومنین اپنے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یہ جان رکھو کہ آپ اکیلے پیدا ہوئے تھے اور اکیلے ہی مرو گے اور اکیلے ہی اٹھائے جاؤ گے۔ اکیلے ہی کا حساب کتاب ہوگا۔ جو لوگ آپ کو نظر آ رہے ہیں واللہ ان میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ ہوگا۔"

یہ سن کر ہشام منہ کے بل زمین پر روتے ہوئے گر گیا۔ پھر حضرت عطاءؒ خلیفہ کو اسی حال میں چھوڑ کر واپس ہو لئے اور میں بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو اچانک ایک شخص پیچھے سے آیا اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی

تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کیا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ امیر المومنین نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ حضرت عطاء نے کہا۔ اسے دور رکھو' دور رکھو۔ (اور یہ آیت پڑھی) اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے۔" (الشعراء آیت:۱۰۹) واللہ حضرت عطاء اندر گئے اور وہاں سے نکل آئے مگر ایک قطرہ بھی پانی کا نہ پیا۔

وفات

۱۱۴ ہجری کو مکہ مکرمہ میں ان کی روح دنیا چھوڑ گئی۔

امام اوزاعی نے فرمایا عطاء کا جس دن انتقال ہوا وہ لوگوں کے نزدیک سب زمین والوں سے زیادہ پسندیدہ انسان تھے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت وھب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۱۴ ہجری بمطابق ۷۳۲ عیسوی)

☆ جس نے اپنی حکمت کی تلوار خواہشات پر چلائی اور انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔

☆ عظیم لوگوں کی محراب میں ایک راہب۔

☆ ایسا شخص جس کے سائے سے شیطان ڈرتا تھا۔

☆☆☆

جس نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اپنی خواہشات کو پاؤں تلے رکھ لیا۔ ان کی آواز دلوں کی کنجی تھی۔ یہ ہیں حضرت وہب بن منبہ بن کامل صنعانی رحمتہ اللہ علیہ۔ ان فارسی النسل لوگوں کی اولاد میں سے تھے جنہیں کسریٰ نے یمن بھیجا تھا۔

صنعاء میں حضرت عثمان بن عفان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ اہل کتاب کی کتابیں اور ان کے واقعات بھی پڑھے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ زہد و عبادت میں مصروف ہوئے۔ حکمت ان کی زبان پر بہتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں

صنعاء کا گورنر مقرر کیا تھا۔

زہد و تواضع

زبان بڑی پاکیزہ تھی کسی کو برا بھلا نہ کہتے۔ بستر پر نہیں سوتے تھے۔ اور خواب میں اگر کچھ دیکھ لیتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آ جاتا تھا۔ وعظ فرماتے اور ان کے دل سے چمکتے الفاظ نکلتے اور لوگوں کے سینوں میں موجود دلوں تک راہ بنا لیتے۔ انہوں نے اپنی زبان سے خواہشات کو کاٹنے کے لیے تلوار بنالی تھی۔ لوگوں کے درمیان بیٹھتے اور فرماتے کہ "جو شخص اپنی خواہشات کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ لے شیطان اس کے سائے سے ڈرتا ہے۔"

حضرت وہب نے راجح عقل اور نفس کے تواضع کو جمع کر رکھا تھا۔ ذات کے دھوکے سے کوتاہ امیدی کے معرکہ میں شدید مصروف رہے اور تعریف کی جگہوں پر جانے سے احتراز کرتے۔ جب وہ اپنے ساتھیوں احباب کے حلقہ میں تشریف فرما ہوتے تو ان کی ساعتوں میں نصیحت انڈیلتے ہوئے فرماتے کہ جب کوئی شخص تمہاری ایسی تعریف کرے جو تم میں نہ ہو تو اس شخص سے اس بات سے بے خوف نہ ہونا کہ وہ تمہاری ایسی برائی مذمت کرے جو تم میں نہ ہو۔

جب کوئی ان کی تعریف کرتا اور لوگوں کے درمیان ان کی شان کو بلند بیان کرتا تو فوراً ہی اس کو جواب دے دیتے کہ میں اپنے اخلاق کی جانچ کرتا رہتا ہوں میرے اندر ایسی کوئی خوبی نہیں ہے۔"

عبادت و کرامت

ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے ہاں رات گزاری۔ جب رات ہوئی تو حضرت وھب اپنے معمولات کے لیے کھڑے ہوگئے اور اپنی قرأت کی منماہٹ سے رات کی خاموشی کو توڑنے لگے۔ اتنے میں ان کا وہ دوست بھی جاگ گیا اس نے جب حضرت وہب کی طرف دیکھا تو نور کا ایک ہالہ ان پر سایہ فگن تھا۔ چنانچہ صبح اس دوست

نے حضرت وہب کو بتایا کہ میں نے آپ کو رات کو دیکھا تو آپ پر ایک نور کا ہالہ تھا جیسے آسمان سے کوئی چراغ اتر آیا ہو۔ یہ سن کر حضرت وہب نے اپنا سر جھکالیا اور انہوں نے تواضع اور حیاء کے ساتھ کہا کہ جو تم نے دیکھا ہے اسے چھپانا۔

مکارم اخلاق

ایک دن حضرت وہب بن منبہ بیٹھے لوگوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے اور احادیث کا درس دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر ہانک لگائی کہ اے وہب بن منبہ فلاں شخص آپ کو گالیاں دے رہا تھا میں نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے سنا۔ تو حضرت وہب کا رخ بدل گیا۔ آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمودار ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا شیطان کو تمہارے سوا اور کوئی قاصد نہیں ملا؟ پھر وہب اس مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے کہ وہ شخص آیا جس نے آپ کو گالیاں دی تھیں۔ اس نے آکر سلام کیا۔ وہب نے مسکرا کر کھلے دل سے جواب دیا اور اس سے مصافحہ کر کے اسے اپنے پاس بٹھایا۔

امراء سے دوری کی ترغیب

حضرت وہب کو پے در پے یہ خبریں ملیں کہ عطاء خراسانی بادشاہوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت وہب نے عطاء خراسانی کو دیکھا تو انہیں بڑی محبت سے ڈانٹنے لگے کہ تمہارا بھلا ہو اے عطا۔ کیا مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ تم اپنے علم کو بادشاہوں کے دروازوں تک لے جاتے ہو۔ اے عطاء تمہارا بھلا ہو۔ تم ایسے شخص کے پاس آتے ہو جو تمہارے لیے اپنا دروازہ بند کرتا ہے اور اپنا فقر تمہارے سامنے کرتا ہے اپنی مالداری تم سے چھپاتا ہے۔ اور اس کو تم چھوڑتے ہو۔ جو تمہارے لیے اپنے دروازے کھلے رکھتا ہے اور اپنی مالداری تمہارے سامنے ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''مجھ کو پکارو میں پکار کا جواب دوں گا۔ (المومن: ۶۰) تمہارا بھلا ہو اے عطاء اگر جو چیز تمہیں کافی ہے وہ بے پرواہ کر سکتی ہے تو دنیا کی کم سے کم چیز بھی تمہیں کافی ہو سکتی ہے اور اگر تمہیں کافی ہونے والی چیز تمہیں بے پرواہ (مستغنی) نہیں کرتی تو دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو تمہیں کافی ہو سکے۔

وفات

حضرت وہب بن منبہ کی روح ان کے سر کو گرا کر صنعاء شہر میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ ۱۱۴ ہجری تھا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۱۵ ہجری بمطابق ۷۳۳ عیسوی)

☆ جس نے دنیا میں اپنی گردن کو آخرت کی قید سے چھڑا لیا۔

☆ اخلاص کی تلوار سے نفس کے وسوسوں کو کاٹ ڈالا۔

☆ جن کے دخول جنت میں موت کے سوا کچھ مانع نہ تھا۔

☆☆☆

جب انہیں دیکھو نماز کے دروازوں کو کھٹکھٹاتے ملیں گے۔ تم سے خود پسندی چھین لیں گے۔ تم خود کو چھوٹا سمجھنے لگو گے جس وقت انہیں دیکھ رہے ہو۔ یہ ہیں حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ ابن مسعود جو کہ شاعر اور خطیب' اور فصیح انسان تھے۔ عبادت' قرأت اور نیکی میں مشہور ہوئے۔ سالکین کی روش پر چلے حتیٰ کہ منزل تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے تیر سے دنیا کے شبہات کو شکست دی۔ موت کے مقروض تھے۔ ذکر الٰہی سے دلوں کی شفاء اور شیطان نفس کو دھتکارنے کے لیے مصلی بنایا تھا۔

اقوال زریں

(۱) تکبر کے لیے اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سے کم درجے شخص پر اپنی فضیلت سمجھو۔

(۲) تم سے پہلے کے لوگ دنیا کے لیے وہ کچھ رکھتے تھے جو آخرت سے فاضل بچتا تھا۔

(۳) اور اب تم اپنی آخرت کے لیے وہ رکھتے ہو جو دنیا میں سے بچ جاتا ہے۔

حضرت عون بن عبداللہ ذکر سے محبت رکھتے اور فرماتے تھے۔ ہر ایک شخص کے اعمال میں سے کوئی عمل سردار ہوتا ہے اور میرے اعمال میں ''ذکر'' سردار عمل ہے۔

فرماتے۔ ''ذکر کی مجالس دلوں کی شفاء ہیں۔''

حضرت عون کے الفاظ مرہم تھے جب ضمیر کے زخموں پر گرتے اسے جگا دیتے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتے۔

ایک شخص عون رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کپکپاتے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میں منافق نہ ہو جاؤں۔ تو حضرت عون رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اگر تو منافق ہوتا تو اس سے خوف نہ کھاتا۔

عبادت وخشیت

وہ تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتے اور آنسوؤں کی لڑیوں سے ان کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ اگر کوئی دیکھ لیتا تو یہ اپنے چہرے سے آنسو پونچھ ڈالتے (یعنی آنسوؤں کو منہ پر مسل لیتے) کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ انسان کے آنسو اس کے جسم کے جس حصے کو لگتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔

ان کا دل موت کی یاد اور کوتاہی امیدوں سے معمور تھا۔ یہ اپنے نفس کو ڈانٹتے ہوئے فرماتے۔ میرا ستیاناس ہو۔ میں کس طرح اپنے نفس سے غافل ہوں۔ حالانکہ موت کا فرشتہ مجھ سے غافل نہیں ہے۔ ستیاناس ہو۔ میں لمبی امیدوں کی بات کیسے کرتا ہوں حالانکہ موت مجھے ڈھونڈ رہی ہے۔

ایک مرتبہ ان کے اصحاب ان کے گرد جمع تھے۔ پوچھنے لگے کہ مومن کے لیے سب سے زیادہ نفع والا دن کونسا ہے؟ فرمایا کہ جس دن وہ اللہ سے ملے اور اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارا مقصد دنیاوی دن پوچھنے کا تھا۔ فرمایا۔ ''کہ سب سے زیادہ فائدہ مند دن وہ ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کا

آخری حصہ وہ پا نہ سکے گا۔"

وفات

جب وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت کی کہ ان کی زمین بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی زمین صدقہ کر رہے ہو اور عیال چھوڑ کر جا رہے ہو؟ دل کو نکھارنے والے ایمان کے ساتھ فرمایا کہ یہ زمین تو اپنے لیے آگے بھیج رہا ہوں اور اپنے عیال کے لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ چنانچہ ان کا بیٹا آل ابن مسعود میں فضیلت علم اور مال کے اعتبار سے سب سے بہتر تھا۔ ان کی روح ۱۱۵ ہجری کے آخر میں دنیا سے پرواز کر گئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت یزید الرقاشی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۲۰ ہجری بمطابق ۷۳۷ عیسوی)

☆ جس نے اپنے آنسوؤں سے دل کی آگ کو بجھا دیا تھا۔

☆ ایسا شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی خشیت کی وجہ سے رو کر کی۔

☆ جس کا رونا ہی اس کی عبادت کا نچوڑ تھا۔

☆☆☆

انہوں نے آزادی کا مزہ اپنے آقا کی قرب میں ہی چکھ لیا تھا۔ اپنے پیٹ کو بھوکا رکھا تا کہ ان کا دل نکھر جائے۔ یہ ہیں یزید بن اَبان الرقاشی، صالح، زاہد، راتوں کو رونے والے۔ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے روئے حتیٰ کہ آنکھوں کے پردے گر گئے اور ان کے آنسوؤں نے آنسوؤں کی گزرگاہ (بہنے کی جگہ) کو جلا دیا تھا۔

دنیا میں اس سے بے رغبت رہے۔ اپنی خواہشات کو دبا کر رکھا، تنہائی میں جا کر خوب روتے۔ لوگوں کو کھانے پینے زہد کی ترغیب دیتے اور فرماتے کہ "اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے بھوکے رہنے والے قیامت کے دن اولین جماعت میں ہوں گے۔"

زہد و خشیت

ہمیں موسیٰ اللقیطی نے یزید رقاشی کا کھانے کے بارے رویہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یزید رقاشی نے خود کو اللہ کے لیے ساٹھ سال تک بھوکا رکھا حتیٰ کہ ان کا جسم کمزور ہوگیا' بدن لاغر اور رنگ تبدیل ہوگیا۔ اس کے باوجود فرمایا کرتے کہ مجھ پر میرا پیٹ غالب ہوگیا۔ مگر اس کے لیے کسی تدبیر پر قادر نہیں ہوں۔

ایک شدید گرم دن میں اشعب بن سواء حضرت یزید رقاشی کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ اے اشعب آؤ ہم اور تم پیاس کے دن (قیامت) میں ٹھنڈے پانی (کی عدم دستیابی یا مشکل) پر روئیں۔ پھر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے کہ مجھ سے عبادت گزار آگے نکل گئے اور میں مایوس رہ گیا۔ ہائے ہائے۔ حالانکہ یہ بیالیس سال تک روزے رکھ چکے تھے۔ (یعنی صوم داؤدی)

خوف آخرت

جب یزید رقاشی اپنے گھر میں داخل ہوتے تو روتے اور جب کسی جنازے میں شریک ہوتے تو روتے اور جب ان کے پاس ان کے بھائی (ان جیسے حضرات) تشریف فرما ہوتے تو یہ خود روتے اور انہیں بھی رلا دیتے۔ ایک دن انہیں ان کے بیٹے نے کہا۔ ابا جان آپ کتنا روتے ہیں؟ واللہ اگر جہنم کی آگ صرف آپ کے لیے ہی بنی ہوتی تب بھی آپ اس سے زیادہ نہ روتے یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ میرے بیٹے؟ تیری ماں تجھے گم کرے یہ آگ میرے لیے اور میرے ساتھیوں اور ہمارے جن اور انسان بھائیوں کے لیے ہی تو بنائی گئی ہے۔'' اس کے بعد یہ آیت پڑھنے لگے۔ ''وہ اس جہنم اور حمیم (کھولتے ہوئے پانی) کے درمیان طواف کرتے رہیں گے۔'' (الرحمٰن: ۴۴) اور گھر میں چیختے ہوئے گھومنے لگے۔ حتیٰ کہ ان پر غشی طاری ہوگئی۔

حضرت یزید رقاشی بات کرتے تو ان کے آنسو ان کی داڑھی اور رخساروں پر جاری رہتے۔ وہ فرماتے کہ میرے بھائیو! رونے کے دن سے پہلے رولو اور نوحے کے دن

سے پہلے نوحہ کرلو۔ توبہ منقطع ہونے سے پہلے توبہ کرلو۔ اے جوانوں اور بوڑھوں کی جماعت اپنے آپ پر نوحہ کرو۔ پھر اتنا روتے حتیٰ کہ گر جاتے پھر افاقہ ہوتا تو پھر روتے ہوئے گر جاتے اور پھر آپ کو بے ہوشی کی حالت میں گھر والوں کے پاس اٹھا کر لایا جاتا۔

ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ رونے سے اکتاتے نہیں؟ چنانچہ وہ رونے لگے اور فرمایا کہ کیا دودھ پیتا بچہ غذا سے اکتاتا ہے؟ واللہ میری خواہش ہے کہ میں آنسوؤں کے بعد خون کے آنسو روؤں اور خون کے بعد کچلہو سے روؤں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اہل جہنم آنسو خشک ہونے کے بعد خون کے آنسو روئیں گے۔

آخری لمحات

جب یزید رقاشی کی وفات کا وقت قریب آیا اور موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا تو یہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا کیوں روتے ہیں؟ فرمایا واللہ میں نماز کے لیے کھڑے ہونے اور دن کے روزے چھوٹنے پر رو رہا ہوں۔ پھر روتے ہوئے کہنے لگے۔ اے یزیدؒ تمہارے لیے کون نماز پڑھے گا؟ اور کون روزہ رکھے گا اور کون تمہارے بعد تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کو اعمال پیش کرے گا۔ تمہارے گزشتہ گناہوں کی معافی کون مانگے گا؟

اے وہ شخص! قبر جس کا مسکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور کل کو آگ اس کا گھاٹ ہے۔ تو نے اپنے لیے آگے کیا بھیجا؟ اور تو نے اپنی موت کے لیے کیا تیاری کی؟ اور تو نے رب کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے کیا تیاری کی؟

وفات

امام بخاریؒ نے انہیں ۱۱۰ ہجری سے ۱۲۰ ہجری کے درمیان انتقال کرنے والوں میں ذکر کیا ہے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت بلال بن سعد رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۲۲ ہجری بمطابق ۷۴۰ عیسوی)

☆ یہ اہل شام میں ایسے تھے جیسے اہل بصرہ میں حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ۔

☆ ایسا شخص جو لوگوں کو نبی کی زبان سے وعظ کرتا تھا۔

☆ جن کے کانوں میں خوف کا نقارہ بجتا رہتا تھا۔

☆☆☆

امام ربانی' واعظ' زاہد' یہ ہیں حضرت بلال بن سعد بن تمیم بن عمرو السکونی ابو عمرو الدمشقی' مشہور تابعی۔ اہل دمشق کے شیخ' جامع مسجد دمشق کے پیش امام اور ایک بڑے عالم تھے۔

ان کے والد صحابی تھے۔ انہوں نے اپنے والد اور کئی صحابہ کرام سے علم حاصل کیا۔ اہل شام کے بڑے فصیح و بلیغ شخص تھے۔ اپنی زندگی کا ایک قصیدے میں خلاصہ کر دیا ہے جو تاریخ کی یادداشت میں گونجتا رہتا ہے۔ امامت اور خطابت کیا کرتے تھے اور انہیں اچھے قصے بیان کرتے تھے۔

خراج تحسین

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے بلال بن سعد سے زیادہ بلاغت والا واعظ کسی کو نہیں دیکھا۔ حکمت ان کی زبان پر اس طرح چلتی تھی جیسے صبح کے وقت باد نسیم چلتی ہے۔ ان کی آواز دلوں میں اتر جاتی تھی۔

اقوال زریں

ان کے اقوال زریں بھی ہیں۔ فرمایا کہ گناہ کے چھوٹے ہونے کی طرف مت دیکھو لیکن جس کی نافرمانی کی ہے اس کی عظمت کو دیکھو۔ اور فرماتے: "اتنا گناہ بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا سے بے رغبت کرتا ہے اور ہم دنیا میں رغبت کرتے ہیں۔

خوف خدا اور زہد کی ترغیب

ایک دن بلال بن سعد دمشق کے مضافات میں لوگوں کو وعظ کرنے نکلے اور انہیں دنیا میں رغبت سے روکتے اور خوف دلاتے۔ وہ کانوں میں خوف کے نقارے بجاتے اور فرماتے کہ ہائے اس بات کا غم کہ مجھ میں غم پیدا نہیں ہوتا۔

جب کسی منکر کو دیکھتے یا ان کی سماعت تک کوئی ایسی بات پہنچتی تو وعظ کرتے ہوئے بآواز بلند فرماتے کہ اگر گناہ کو چھپاؤ گے تو صرف گناہگار کو ہی نقصان دے گا اور جب ظاہر کرو گے اور اسے نہ بدلا تو وہ سب کو نقصان دے گا۔

ایک دن لوگوں کے نفوس کے شر کو توڑنے کے لیے پکار کر فرمایا۔ کہ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ولی مت بن کر دکھاؤ حالانکہ تم تنہائی میں اس کے دشمن ہو۔

حیرت انگیز عبادت

ان کی عبادت و ریاضت اپنی حیرت انگیزی کی وجہ سے حیرت انگیز واقعات میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ ایک دن اور ایک رات میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایک رات کڑک دار سردی میں نماز پڑھ رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں نیند نے ڈیرہ جمانے کی کوشش کی تو انہوں نے خود کو گھر میں بنے ہوئے ایک حوض میں کپڑوں سمیت گرا دیا۔ حتیٰ کہ نیند کو دور بھگا دیا اس پر ان کے گھر والوں نے ناراضگی سے کہا کہ اپنے ساتھ اس طرح کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیا کہ اس حوض کا پانی جہنم کے (ماء صدید) کچلہو کے پانی سے بہتر ہے۔

لوگوں کے ساتھ خیر خواہی

بلال بن سعد کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے بعد ایک شخص نے اس پر بیس سے کچھ زائد درہم کا دعویٰ کیا۔ تو بلال نے پوچھا کہ کوئی گواہ ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پوچھا کہ کوئی لکھی ہوئی دستاویز؟ کہا کہ نہیں۔ چنانچہ بلال رحمتہ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ پھر قسم کھالو تو اس شخص نے قسم کھالی۔ اس نے ہاں کہی اور پھر قسم کھالی۔ اس کے بعد حضرت بلال گھر میں گئے اور اس کے مطلوبہ دراہم لا کر اسے دیئے اور نہایت آہستگی سے اسے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو یہ رقم میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ادا کردی ورنہ اگر تم جھوٹے ہو تو میں نے یہ رقم تمہیں صدقہ کردی۔

کرامات

امام اوزاعی حضرت بلال بن سعد کی کرامت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پانی کم ہو چکا تھا تو لوگ استسقاء کے لیے نکلے۔ ان میں حضرت بلال بن سعد بھی تھے۔ چنانچہ بلال رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ اے حاضرین! کیا تم گناہ کے اقراری نہیں ہو۔ سب نے کہا کہ "ہیں" چنانچہ بلال رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کی اور کہا۔ "اے اللہ تو نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ

"احسان کرنے والوں پر کوئی آنچ نہیں ہے۔ (التوبہ:۹۱) اور ہم نے گناہ کا اقرار کرلیا ہے اس لیے ہماری مغفرت فرما دے اور ہمیں بارش عطا فرما دے۔"

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اسی دن ہمیں بارش عطا ہوگئی۔ یعنی بلال بن سعد کی دعا اور ان کی گفتگو سے)

وفات

حضرت بلال بن سعد رحمۃ اللہ علیہ' ہشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں ۱۲۰ ہجری کے بعد انتقال کر گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۲۳ہجری بمطابق ۷۴۱عیسوی)

☆ رحمان کے قاریوں میں سے ایک قاری۔
☆ ایسا شخص جس کو دیکھ کر دلوں کو تسکین ہوتی تھی۔
☆ ہر دن آخرت کے لیے تیار ہوتا تھا۔
☆ جنگوں میں اس کی انگلی ایک ہزار تلواروں سے بہتر تھی۔

☆☆☆

قتال کے شہسواروں میں سے ایک شہسوار' رات کے راہبوں میں سے ایک عبادت گزار۔ اللہ تعالیٰ سے رابطے میں' ایک مستجاب الدعوات شخص۔ یہ ہیں حضرت محمد بن واسع بن جابر ازدی۔ ابوبکر' اسلام کا فخر' قراء کی زینت' عابد' خشوع وخضوع والے زاہدین کے شیخ' ایک فقیہ' ایک پرہیز گار اور حدیث کا ایک ثقہ راوی۔

خراج تحسین

ان کو بصرہ کی قضاء کا عہدہ پیش کیا گیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ دنیا کو ترک کر دیا اس لیے کہ دنیا کی ہر لذت ختم ہونے والی اور مرنے والی ہے۔ ان کا ایمان اور زہد نہ ہلنے والی چٹان کی طرح تھے۔

سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن واسع سے زیادہ خشیت والا شخص کوئی نہ دیکھا اور ان کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے صحیفہ کی طرح ملاقات کرے۔

موسیٰ بن بشار کہتے ہیں کہ میں مکہ سے بصرہ تک محمد بن واسع کا ہمسفر رہا وہ پوری رات نماز میں گزارا کرتے تھے۔

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ جب بھی میں اپنے دل میں سختی دیکھتا تو میں سفر کر کے جاتا اور محمد بن واسع کے چہرے کی طرف دیکھتا۔ (تو سختی ختم ہو جاتی)۔

زہد و تواضع

محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ کے زہد اور تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ جب انہیں لوگوں کی طرف سے ان کے لیے کوئی تعریفی بات سننے میں آتی تو فرماتے کہ اگر گناہوں کی بو ہوتی تو تم میرے قریب آنے پر قادر نہ ہوتے (بدبو کی وجہ سے)

عابدین کے انداز سے ایک شخص نے آ کر ابن واسع سے عرض کیا کہ مجھے وصیت کیجئے۔ تو انہوں نے چمکتے چہرے سے جواب دیا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم دنیا اور آخرت میں بادشاہ بنو۔ اس شخص نے بڑی حیرت سے لب ہلاتے ہوئے تیزی سے عرض کیا کہ یہ میرے لیے کیسے ممکن ہے تو آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ۔ پھر ابن واسع نے اپنی نظریں وسیع آسمان پر ڈالیں اور دل کی گہرائی سے نکلنے والے الفاظ کے ساتھ فرمایا کہ۔

''خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جسے رات کا کھانا ملے تو صبح کا نہ ملے اور صبح کا ملے تو رات کا نہ مل سکے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔''

ایک دن محمد بن واسع بازار میں اپنا گدھا بیچنے کے لیے لے گئے۔ تو ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ اس گدھے کو میرے لیے پسند کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر راضی ہوتا تو اسے بیچتا نہیں۔

محمد بن واسع نے مجاہدین کا لباس پہنا اور اللہ کی بندگی کی قول سے دعوت دینے کے بعد اپنی تلوار سے دعوت دینے لگے۔ اس وقت یہ اسلام کی ایک تلوار اور خراسان کے والی یزید بن مہلب کے ساتھ تھے۔ اسی دوران حج کا وقت آ گیا تو اس نے انہیں حج کے قافلے کا امیر بنا دیا اور پھر یزید نے ان سے کہا کہ کیا ہم تمہارے لیے کسی چیز کا حکم کر دیں (مراد رقم وغیرہ تھی) تو ابن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کیا سارے لشکر کے لیے کریں گے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو حضرت ابن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک دن ابن واسع نے اپنے بیٹے کو دیکھا وہ بڑے ناز سے اترا کر ہاتھ ہلا ہلا کر چل رہا ہے تو یہ دیکھ کر ان کے چہرے (کا رنگ) بدل گیا اور انہیں یہ انداز بہت برا لگا۔ چنانچہ فوراً اپنے بیٹے کو نصیحت کی زبان سے سمجھانے کے لیے اس کے قریب پہنچ گئے اور فرمایا کہ

''جانتا ہے تو کون ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم میں خریدا تھا اور تیرا باپ اللہ اس جیسے لوگ مسلمانوں میں زیادہ نہ کرے۔''

مستجاب الدعوات ابن واسع

ابن واسع بڑے خشوع' پرہیز گاری' عبادت والے اور مستجاب الدعوات شخص تھے۔ ان کے دو ہاتھ تھے جو قبولیت کے دروازے کھولتے تھے۔ ایک دن محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ' قتیبہ بن مسلم کے ہمراہ ایک لشکر میں نکلے۔ ترک ان کے خلاف نکل چکے تھے۔ تو قتیبہ بن مسلم نے مسجد میں دیکھنے کسی کو بھیجا کہ دیکھو کوئی وہاں تو نہیں ہے؟ اس نے آ کر بتایا کہ وہاں ابن واسع کے سوا کوئی نہیں ہے اور وہ اپنی انگلی آسمان کی طرف کیے دعا میں مصروف ہیں تو قتیبہ نے کہا ان کی یہ انگلی مجھے تیس ہزار شہسواروں اور تلواروں سے زیادہ پسند ہے۔

شہرت اور عہدے سے نفرت

محمد بن واسع کو شہرت پسند نہ تھی نہ ہی عہدہ پسند کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان سے موت کے پنجوں کی طرح دور بھاگتے تھے۔ مالک بن مندر بصرہ کا کوتوال تھا۔ اس نے محمد بن واسع کو بلوایا تا کہ انہیں قاضی بنا دے مگر محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے انکار کر دیا۔ اس نے اصرار کیا مگر انہوں نے دوبارہ انکار کیا تو ابن منذر نے غصے میں دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ''یا تو تم اس عہدے پر براجمان ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں تین سو کوڑے ماروں گا۔'' ابن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے اطمینان سے غور و فکر کے ساتھ جواب دیا۔ اگر تم یہ کر سکو (کوڑے مار سکو) تو کر لو کیونکہ تم ہم پر مسلط ہو اور پھر دنیا میں ذلت اٹھانے والا آخرت

میں ذلت اٹھانے والے سے بہتر ہے۔

موت کا یقین امیدوں کی کمی

حضرت محمد بن واسع کوتاہ امید شخص تھے اگر سوتے تو انہیں اٹھنے کا انتظار (یقین) نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ لیٹنے لگتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری نیند میری موت ہو جس سے میں دوبارہ نہ اٹھ سکوں۔

دن گزرتے رہے ابن واسع کی عمر آگے بڑھ گئی اور صحت کمزور ہوگئی۔ مرض کے تیروں نے انہیں گھائل کر دیا چنانچہ کمزور نحیف اور بیماری سے شکست خوردہ جسم کے ساتھ بستر مرگ پر پہنچ گئے۔ لوگ جوق در جوق ان کی عیادت کو آنے لگے۔ تو فرمایا میرے بھائیو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کہاں لے جایا جائے گا۔ قسم اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ معلوم نہیں مجھے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یا مجھے معاف کر دیا جائے گا۔

وفات

جب موت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنا سر ڈھانپ لیا اور جلدی جلدی کہنے لگے۔ رب کے فرشتوں کو خوش آمدید۔ **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ** (نہ حرکت ہے نہ قوت ہے مگر اللہ کی مشیت سے)

فضالہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت ایسی خوشبو محسوس کی کہ اس جیسی کبھی خوشبو سونگھی نہ تھی۔ پھر اس کے بعد ابن واسع کی آنکھیں چندھیا گئیں اور ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ ۱۲۳ ہجری تھا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم﴾

(متوفی ۱۲۴ہجری بمطابق ۱۴۱ے عیسوی)

☆ ایسا شخص جس نے اللہ تعالیٰ سے اپنا نفس چھ بار خریدا۔
☆ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو اس وقت بلایا جب یہ سجدے میں تھے۔
☆ جس نے اپنے صدقے سے فقراء کی رات کی تاریکیوں کو روشن کیا۔

☆☆☆

ایک زاہد پرہیز گار۔جس نے اپنی راتیں نماز کے قیام میں اور دن روزے کی حالت میں گزارے اور اپنی زندگی زہد میں مغفرت کی امیدوں میں گزاری۔ یہ ہیں حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہم) چپ چاپ سے صدقہ دینا ان کا شغف تھا۔راتوں کو لوگوں کے قدموں میں (درہم) بکھیر دیتے جس وقت وہ نماز میں مصروف ہوتے۔موت نے انہیں اس وقت آن لیا جب کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں مہمان تھے۔

خوف وخشیت

جب موت کا ذکر ہوتا تو خوفزدہ اور ہل جاتے اور ان کے اعضاء مجنوں کی طرح کپکپانے لگتے۔حضرت سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ عامر بن عبداللہ نے اپنا نفس اللہ تعالیٰ عزوجل سے چھ مرتبہ خریدا۔''

یہ ہر مرتبہ اتنا صدقہ کرتے جو ان کی دیت کے برابر ہوتا اور ان کا کیا ہوا صدقہ ایک بہت بڑی رقم بنتا ہے۔ان کی عادت یہ تھی کہ تھیلی سے دس ہزار درہم تقسیم کے لیے نکالتے اور جب عشاء کی نماز پڑھتے تو ان کے پاس وہ درہم بھی ہوتے تھے۔ یہ عبادت کرنے والوں کو (اندھیرے میں) محسوس کر کے دیناروں یا درہموں کی تھیلی ان کے پاؤں کے پاس یوں رکھ دیتے کہ نمازی کو تھیلی کا تو پتہ چلے مگر رکھنے والے کی جگہ کا علم نہ ہو سکے۔کسی نے انہیں کہا کہ آپ کو اس بات سے کیا مانع ہے کہ آپ بذات خود ان

تک یہ درہم پہنچوا دیں۔؟ تو فرمانے لگے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ جب وہ (مستحق) مجھے یا میرے قاصد کو دیکھے تو اس کا چہرہ لال ہو جائے۔

آخری لمحات

بیماری نے انہیں کمزور کر دیا اور یہ تکلیف کے عالم میں بستر میں جا بیٹھے اچانک مسجد سے مؤذن کی آواز بلند ہوئی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر.........فوراً چیخے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجد لے چلو (عبداللہ بن عامر کا گھر مسجد سے قریب تھا) کسی نے کہا کہ آپ بیمار ہیں اپنے اوپر آسانی کریں۔ مگر فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مسجد لے جاؤ اللہ کا داعی پکارے اور میں جواب نہ دوں؟ چنانچہ وہ لوگ انکا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے گئے چنانچہ یہ مسجد میں مغرب کی نماز میں شامل ہوئے ابھی امام نے ایک رکعت پڑھی تھی کہ ان کا دوران نماز سجدے کی حالت میں انتقال ہو گیا۔

وفات:

ان کی وفات کا سال ۱۲۰ ہجری کی دہائی میں ہے ایک قول کے مطابق ۱۲۴ ہجری ہے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۲۷ھ بمطابق ۷۴۴)

☆ جس نے اپنی قبر میں نماز پڑھی خیر کی ایک کنجی

☆ عبادت کی کمان میں ایک تیر اور زھد کے شہسوار

☆☆☆

رحمٰن کی آوازوں میں سے ایک آواز ہر ستون کے پاس قرآن کریم ختم کیا ان کا دل حواس اور شفافیت کے ایک تنے کے سہارے مضبوط قائم تھا یہ ہیں ثابت بن اسلم البنانی جو کہ امام، رہنما، زاہد و عابد، اپنے دور کے ہیرے، کوفے کے فقیہ اور عابد تھے۔

عبادت وخشیت

ثابت بنانی بہت زیادہ روزے رکھنے والے، نمازیں پڑھنے والے اور کثرت سے رونے والے انسان تھے طویل آنسوؤں کے جانشین تھے ایسی خشیت کے مالک تھے کہ جسے اگر سو آدمیوں میں تقسیم کیا جاتا تو کافی ہو جاتی۔ کوفے کی مساجد کو ڈھونڈتے تاکہ انہیں اپنے سجدے کی بکاء سے معمور کریں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خیر کی کچھ کنجیاں ہیں اور ثابت بنانی خیر کی ان کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے۔

بکر بن عبداللہ نے فرمایا کہ جو چاہے کہ اس دور کے سب سے بڑے عابد کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ثابت بنانی کو دیکھے۔ ثابت بنانی نے خوف اور ندامت کے آنسوؤں سے زندگی کا استقبال کیا اور رنج کی انگلیوں کے اطراف کی طرف دوڑتے رہے۔ اس عورت کی جلن کی طرح روتے جس کا بیٹا گم ہو گیا ہو حتی کہ ان کی پسلیاں اوپر نیچے ہو جاتیں۔

بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آنکھ میں بہت تکلیف ہوگئی۔ معالج نے کہا کہ آپ ایک بات کی ضمانت دے دیں تو آنکھ ٹھیک ہو جائے گی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کہ آپ روئیں گے نہیں۔ اس کی بات سن کر ثابت بنانیؒ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے فرمایا اس آنکھ کا کیا فائدہ جو روئے ہی نہ؟ پھر آپ نے علاج کرانے سے انکار کر دیا۔

عشقِ رسول ﷺ

رسول اکرم ﷺ کی محبت ان کے دل میں جاگزیں تھی جب نبی کریم ﷺ کے الفاظ ان کے کانوں تک پہنچتے تو ان کی آنکھوں میں شوق کے آنسو چمکنے لگتے۔ یہ شوق ان کے دل پر اس طرح چھا گیا کہ اسے جلا کر رکھ دیا اور اسے جلیل القدر صحابی حضرت انسؓ بن مالک کی جانب دھکیلنے لگا اور پھر جونہی حضرت ثابت کی نظر حضرت انسؓ پر پڑی تو بچوں کی طرح ان کی طرف بھاگے اور ان کا ہاتھ چومنے لگے اور روتے ہوئے کہتے

جاتے کہ آپ کے ہاتھ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کو چھوا ہے۔

طاعت کے پیکر

انہوں نے اپنی گمشدہ میراث کو طاعت کے سمندر میں خود کو غرق کر کے اور رات کے مصائب اور تکالیف کو زیر کر کے پالیا۔ چنانچہ ثابت بنانی ہر رات تین سو رکعتیں پڑھا کرتے اور جب صبح ہوتی تو ان کے پاؤں تھک کر چور ہو چکے ہوتے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں دباتے اور اپنے عمل کو ہلکا سمجھتے ہوئے فرماتے کہ عبادت گزار چلے گئے اور میرے لئے کچھ نہ بچا۔

اپنے بارے میں بتاتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں مسجد کا کوئی ستون اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک وہاں ایک قرآن نہ ختم کرلوں اور وہاں رو نہ لوں۔

حضرت ثاثت بنانیؒ اپنے احباب کے ہمراہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے تو راستے میں جو بھی مسجد پڑتی اس میں نماز ضرور پڑھتے۔ اور جب حضرت انسؓ کے پاس پہنچتے تو حضرت انسؓ پوچھتے ثابت کہاں ہے؟ ثابت کہاں ہے؟ اس کی عادت ایسی ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔

دعا کی قبولیت

حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے آنسوؤں کے ساتھ گڑ گڑا کر دعا کرتے اے اللہ! اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی توفیق دیتا ہے تو مجھے اپنی قبر میں نماز کی توفیق عطا فرما دے۔ چنانچہ یہ دعا حرف بحرف قبول ہوئی اور انہیں وفات کے بعد قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا۔

وفات

ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ بنانی دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی روح ہمیشہ رہنے والوں کے پاس اوپر پہنچ گئی۔ یہ عراق پر خالد بن عبداللہ کی گورنری کا زمانہ تھا۔ ۱۲۳ ہجری یا دوسرے قول کے مطابق ۱۲۷ ہجری تھا۔

حضرت سیدنا محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۰ ہجری بمطابق ۷۴۸ عیسوی)

☆ مدرسہ بکاء کا ایک طالب علم جس کے نزدیک دنیا بے قیمت تھی۔
☆ اس نے نفس پر چالیس سال محنت کی حتی کہ وہ سیدھا ہو گیا۔
☆ جس پر غموں نے حملہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

ایسا شخص جس نے دل کو صبح کی ہواؤں (بادنسیم) اور آنکھوں کے آنسوؤں سے مار دیا......... یہ ہیں حضرت محمد بن منکدر بن عبداللہ بن ھدیر بن عبدالعزی قریشی تیمی مدنی۔ شیخ الاسلام، عابدوں کے شہسوار، قراء کے سردار، ایک زاھد وعابد، آہیں بھرنے والے سچائی کے معدن، اور رجال حدیث میں سے ایک راوی، بعض صحابہ کی زیارت سے سرفراز ہوئے سرسبز وشاداب دل کے مالک، بھرپور ایمان، پرہیزگاری کے ایک متلاشی توکل کی ایک درسگاہ، قیام لیل میں مصائب کا مقابلہ کرنے والے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو رو پڑتے اور ان کے آنسو امڈ آتے۔

اپنا حال خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس پر چالیس سال محنت کی حتی کہ وہ سیدھا ہو گیا۔

عبادت وخشیت

تیز حواس اور شفاف دل کے مالک، آنکھوں میں آنسو ٹھہرتے نہ تھے۔ رات کی تاریکی میں محمد بن منکدر کھڑے ہوتے اور اپنی آواز کی سرگوشی سے رات کے اندھیرے کو توڑتے۔ ایک دن اپنی محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان پر بکاء غالب آ گئی اور ان کا جسم یوں تڑپنے لگا جیسے چڑیا پھندے میں آ پھنسی ہو۔ یہ حال دیکھ کر گھر والے ڈر گئے پوچھنے لگے تمہیں کس چیز نے رلایا؟ تو ان سے بات نہ کر سکے ان کے الفاظ حلق میں گھٹ کر رہ گئے پھر سے رونے لگ گئے۔ چنانچہ گھر والوں نے ان کے

دوست ابو حازم کو بلوایا اور انہیں پورا واقعہ بتایا چنانچہ وہ تیزی سے ان کی محراب میں داخل ہو گئے اور پھر ابو حازمؒ نے ان سے پوچھا ''میرے بھائی تمہیں کس چیز نے رلایا؟ تم نے تو گھر والوں کو ڈرا دیا ہے کوئی تکلیف ہے یا اور کچھ ہے۔؟

محمد بن منکدر کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی کتاب کی آیت نے میری یہ حالت بنا دی۔ ابو حازمؒ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے بتایا کہ ''یہ آیت'' اور ان کے سامنے اللہ (کے ہاں) سے وہ کچھ ظاہر ہو گا جس پر انہیں گمان بھی نہ ہو گا۔ (الزمر آیت ۴۷)

یہ سن کر ابو حازمؒ بھی رونے لگے اور محمد بن منکدرؒ کی آگ کو اور بھڑکا دیا اور دونوں آنسوؤں کے سمندر میں غوطے لگانے لگے۔ ابن منکدر کے گھر والوں نے کہا کہ ابو حازم ہم نے تو تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ تم ہماری پریشانی دور کرو گے مگر تم نے پریشانی بڑھا دی۔

ان کا پڑوسی کسی بیماری میں مبتلا تھا وہ رات کو تکلیف کے مارے چیختا اور محمد بن منکدر زور سے الحمدللہ کہتے۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میرا پڑوسی مصیبت کی وجہ سے آواز بلند کرتا ہے اور میں نعمت کی وجہ سے آواز بلند کرتا ہوں۔

دعا کی قبولیت

ایک مرتبہ ایک شخص نے محمد بن منکدر کے پاس سو دینار امانت رکھوائے تو اسے محمد بن منکدر نے کہا کہ اے بھائی اگر ہمیں ضرورت ہو تو ہم خرچ کر لیں؟ پھر ہم تمہیں ادا کر دیں گے اس شخص نے کہا ''جی ہاں'' چنانچہ محمد بن منکدر کو ضرورت پڑ گئی اور انہوں نے خرچ کر لئے اور پھر اس شخص کا قاصد اس کی امانت واپس لینے آیا اور محمد بن منکدر کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر رو کر دعا کی۔ اے اللہ میری امانت کو ضائع مت کر اور میری طرف سے اسے ادا کر دے۔ اس کے بعد یہ کسی کام سے باہر نکلے تو راستے میں ایک نامعلوم شخص نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور انہیں ایک سو دینار کی تھیلی دی۔ جس سے انہوں نے اپنا قرض ادا کر دیا لیکن محمد بن منکدر کو اپنی موت تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ شخص کون تھا جس نے یہ تھیلی بھجوائی تھی۔

ان کی وفات کے بعد اس شخص نے یہ راز کھولا جو تھیلی لایا تھا۔ کہ یہ تھیلی حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ نے بھجوائی تھی اور اس کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ حضرت محمد بن منکدر کو دے آؤ لیکن انہیں مت بتانا حتی کہ میں مر جاؤں یا محمد بن منکدر وفات پا جائیں۔ چنانچہ اس شخص نے یہ راز نہ کھولا حتی کہ ان دونوں بزرگوں کی وفات ہوگئی۔

آخری لمحات

محمد بن منکدر موت کی آغوش میں جا لیٹے اور روتے رہتے کپکپاتے رہتے۔ لوگ ان کی حالت دیکھ کر تعجب کرتے۔ چنانچہ ان سے پوچھنے لگے کہ یہ جزع فزع کیوں ہے؟ آپ نے مردنی سی آواز میں فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کی اس آیت سے ڈرتا ہوں۔

﴿وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْ يَحْتَسِبُوْنَ﴾

(الزمر آیت: ۴۷)

''اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا انہیں گمان تک نہ ہوگا۔''

میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے لئے وہ کچھ ظاہر نہ ہو جس کا مجھے گمان بھی نہیں۔

چنانچہ لوگ آپ کو اس بات پر تسلیاں دیتے رہے حتیٰ کہ اچانک ان کا چہرہ چراغ کی طرح کھل اٹھا اس وقت وہ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر تم وہ کچھ دیکھ لو جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں (یا فرمایا جن نعمتوں میں میں ہوں) تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

وفات

۱۳۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ایوب سختیانی رحمتہ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۱ھ بمطابق ۷۴۹ عیسوی)

☆ اگر آپ ان کے سجدے دیکھ لیں تو آپ کا دل کہے گا کہ یہ فرشتہ ہے۔
☆ اھل بصرہ کے چراغ۔
☆ ایسا شخص جس کے دل کو حکمت نے پرسکون کر دیا تھا۔
☆ جس نے دنیا کو تقوے کی دیواروں کے پیچھے قید کر دیا تھا۔

☆☆☆

ماہر عالم، نوجوانوں کے نوجوان، امام، حافظ اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار ہیں ایوب بن ابوشیمہ کیسان سختیانی بصری ابو بکر۔ اپنے دور کے فقہاء کے سردار ثقہ تابعی، عبادت گزار حافظ، جنہوں نے چالیس حج کئے صاحب کرامات زہد اور تقوی جب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے تو رو پڑتے۔ لوگوں کے سامنے سب سے زیادہ مسکرانے والے شخص تھے۔

اقوال زریں

ان کا کلام تاریخ نے محفوظ کیا، حکمت کے مصادر نے اسے اچک لیا تا کہ کتابوں میں اسے محفوظ رکھ سکیں۔ ان کے اقوال میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) بہت زیادہ کھانا پیٹ کی بیماری ہے۔
(۲) بندہ دو خصلتوں کے باعث سردار بنتا ہے۔
 (۱) لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے مایوس ہو جانا۔
 (۲) اور جوان سے سرزد ہو رہا ہے اس سے تغافل برتنا۔

ایوب سختیانی حضرت بصریؒ کی خدمت میں گئے جب وہاں سے واپس ہوئے اور اتنی دور ہو گئے کہ ان تک آواز نہ پہنچ سکتی تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا یہ نوجوانوں کا سردار ہے۔ ایک اور مرتبہ فرمایا کہ یہ اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے ایوب جیسا شخص نہیں دیکھا۔
حضرت شعبہ کہتے ہیں کہ ایوب فقہاء کے سردار ہیں میں نے ان سے جب بھی کوئی وعدہ کیا یہ اس میں مجھ سے بازی لے گئے۔
حضرت اشعثؒ کہتے ہیں کہ ایوب علماء کے پرکھنے والے ماہر ہیں۔

زہد و خشیت

حضرت ایوب سختیانی زہد کی ایک محراب تھے حکمت ان کی زبان سے جاری ہوتی تھی۔ دنیا سے بے رغبتی اختیار کی اور اسے زہد کی تلوار سے کاٹ ڈالا، اور اسے تقویٰ کی دیواروں کے پیچھے قید کر دیا۔ ایوب فرماتے کہ:
زہد دنیا میں تین قسم کے ہیں(۱) سب سے زیادہ پسندیدہ اللہ کی عبادت میں ہے کہ اس کے سامنے عبادت کی جائے۔(۲) سب سے اعلیٰ زہد اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچنا ہے(۳) اور ثواب کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھا زہد اللہ تعالیٰ کی حلال چیزوں میں ہے۔

عمل کے اخفاء سے محبت

ایوب سختیانی اخفاء کے پردے میں گشت کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اپنا عمل بھی خفیہ رکھتے رات کو نماز پڑھتے تو آہستہ آہستہ قرأت کرتے اور جب صبح ہو جاتی تو اونچی آواز سے قرأت کرتے تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ابھی ابھی نماز پڑھنے لگے ہیں۔
ایک مرتبہ دن کے وقت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے تھے اور وہ لوگ اپنے منہ اور ساعتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا ذکر کر کے معطر کرنے لگے۔ مگر چند ہی کلمات ایوب سختیانی نے سنے جو ان کے لبوں سے نکلے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر ان کے رخساروں پر بہنے لگے۔ یہ خود سے کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور زہد کو چھپانا چاہیے۔ لیکن بوڑھا جب عمر کا زیادہ ہو جائے تو اس کے آنسو اس پر غالب آ جاتے ہیں پھر انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا جیسے کہ جمائی آ رہی ہو۔

شہرت اور حکمرانوں سے دوری

شہرت کو ناپسند کرتے اور ظاہر ہونے سے دور بھاگتے تھے حکمرانوں کے قریب نہ جاتے۔ یزید بن ولید (بن عبدالملک) ان کا دوست تھا لیکن جب انہوں نے اس کے خلیفہ بن جانے کی خبر سنی تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ! اس کو میری یاد بھلا دے۔

وفات

بصرہ میں ۱۳۱ ہجری میں طاعون کے زمانے میں وفات پا گئے اس وقت ان کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۱ ہجری بمطابق ۷۴۹ء)

☆ اپنے زھد کے ذریعے دنیا کے سحر کو باطل کر دیا۔
☆ اپنا دل اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جھکا دیا۔
☆ ایسا شخص جس نے اپنے دل کے دروازے بھلائی کی فوجوں کیلئے کھول دیئے تھے۔
☆ اللہ تعالیٰ کے قرب کی آگ نے ان کی رگوں سے بھوک کو جلا کر رکھ دیا۔

☆☆☆

ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے اہل کے دلوں میں ایمان جاگزیں تھا انہوں نے دلوں میں یقین پیدا کر رکھا تھا۔ یہ ہیں حضرت مالک بن دینار بصری ابو یحییٰ۔ راوی حدیث، قاری قرآن، تقوے کی محراب میں ایک زاہد، صالحین میں سے ایک واعظ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ اجرت پر قرآن کی کتابت کرتے اور اجرت بھی اتنی لیتے جو کھانے پینے کی اشیاء کے لئے کافی ہو ان کی گفتگو دلوں پر جادو کر دیتی تھی۔

دنیا کی خرابی مال سے ہے

مالک بن دینارؒ کا قول ہے کہ میں نے ہر گناہ پر غور کیا تو اسے مال کی محبت کی وجہ سے پایا۔ ایک اور قول ہے کہ جب سے میں نے لوگوں کو پہچانا ہے میں ان کی تعریف سے خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی برائی کرنے سے ناخوش ہوتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ وہ کس لئے فرمایا کہ تعریف کرنے والا بھی مفرط ہوتا ہے اور مذمت کرنے والا بھی۔

ایک دن لوگوں کے پاس آئے اور ان کو نصیحت کرنے لگے کہ دنیا سے بچو کیوں کہ یہ علماء کے دلوں پر سحر کر دیتی ہے۔

اپنے زمانے میں منافقین کی کثرت کا شکوہ کرنے لگے فرمایا کہ اگر منافقوں کی دم نکل آئے تو انہیں چلنے کے لئے زمین نہ ملے۔

حضرت مالک بن دینار اپنے آپ پر زیادہ کھانے سے اور دنیا کی خواہشات کو پیٹ میں جمع کرنے سے خوف کرتے تھے۔ فرماتے ''اپنے پیٹ کو شیطان کی بوری مت بناؤ کہ ابلیس اس میں جو چاہے بھرتا رہے۔''

اور فرمایا سب سے برا بندہ وہ ہے جو اپنی خواہش، اپنے ارادے اور پیٹ کی پوجا کرے۔

مکھن لگی روٹی اور حضرت کا زھد

دن کے وقت مالک بن دینار اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ ''چالیس سال سے مجھے مکھن لگی روٹی کی خواہش ہے یہ سن کر وہ شخص ہوا کی طرح گیا اور اپنے گھر سے مکھن لگی روٹی لے کر آیا اور ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ ابن دینار نے وہ روٹی اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ پھر نفرت کے لہجے میں فرمایا کہ میں تیری چالیس سال سے خواہش کرتا تھا لیکن میں تجھ پر غالب رہا حتیٰ کہ آج کا دن آ گیا ہے اور اب تو چاہتی ہے کہ تو مجھ پر غالب ہو جائے پھر فرمایا اسے مجھ سے دور کر دو۔ اور آپ نے وہ روٹی کھانے سے انکار کر دیا۔

مالک بن دینار اپنے کھانے کے بارے میں اور وہ جو اپنے پیٹ میں گوشت اور اچھی چیزیں فراہم کرتے بیان فرماتے ہیں کہ میرا پورا سال ایسے گذرتا ہے کہ میں اس میں گوشت عیدالاضحیٰ کے دن کے سوانہیں کھاتا۔ صرف میں اپنی قربانی میں سے کھاتا ہوں کیوں کہ اس میں تحفہ اور سنت ہوتی ہے۔

افسوس سے ٹوٹے دل اور ندامت کی زبان سے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک بکری کا بچہ ایک درہم میں خریدا اور بیس سال سے میں اپنے نفس کا اس بارے میں محاسبہ کر رہا ہوں مگر ابھی تک کوئی راستہ نہیں نکال پایا۔

ایک دن ان کے دل میں کسی چیز کی خواہش ہوئی فوراً اپنے نفس پر ابل پڑے داڑھی پکڑ کر سرزنش کی کہ کیا جس چیز کی خواہش ہو ہر وہ چیز کھائے گا؟ جس چیز پر چاہے گا سوار ہوگا؟ یہ بہت برا کام ہے اے مالک۔

مالک بن دینارؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ایک دن میں دو روٹی آپ کو کافی ہو جائیں گی؟ آپ نے فرمایا (روٹی ہو گی تو) اس وقت اس کے ساتھ گھی بھی چاہوں گا۔

آپ نے ایک مرتبہ حجاج کے غلام حوشب ثقفی کو دیکھا تو آواز دی اور فرمایا اے ابو بشر مجھ سے دو باتیں یاد کر لو۔ ایک تو یہ کہ جب سونے لگو تو تم بھوکے ہو اور دوسری یہ کہ جس کھانے کو دل چاہے اسے چھوڑ دو (یا یوں کہا جائے کہ کھانے کو اس وقت چھوڑ دو جب تمہارا دل اسے چاہ رہا ہو۔)

حضرت مالک بن دینارؒ دنیا، اس کے گھروں اس کے سامان اور اس کے کھانے پینے کی اشیاء میں بے رغبت تھے۔ گھر کے دروازے میں کنڈی نہیں لگاتے تھے نہ ہی کوئی دربان تھا اپنے ساتھیوں اور پڑوسیوں کے درمیان بیٹھتے اور فرماتے کہ جو بھی میرے گھر میں آ کر کوئی چیز لے لے وہ اس کے لیے حلال ہے اور مجھے کسی تالے یا چابی کی ضرورت نہیں۔

مالک بن دینار کی دعا

ایک مرتبہ مکہ کی طرف قافلہ گامزن تھا حضرت مالک بن دینار نے آواز لگائی اے لوگو! میں دعا کر رہا ہوں، آمین کہو۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر دعا کی اے اللہ! مالک بن دینار کے گھر میں تھوڑی یا زیادہ دنیا بالکل داخل مت کر۔

دنیا سے بے پرواہی

ایک دن مالک بن دینار کے گھر اور اس سے ملحقہ گھروں میں آگ لگ گئی۔ حضرت مالک نے قرآن کا نسخہ اور اپنی چادر اٹھائی اور نکل گئے کسی نے کہا اے ابویحیٰ گھر جل جائے گا۔ آپ نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ اس میں کوئی چیز نہیں جس کے جلنے سے ڈروں پھر اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر چلائے۔ بھاری بوجھ (زیادہ سامان) والے ہلاک ہو گئے۔

جب رات تاریک ہو جاتی اور گھر گھرے اندھیرے ڈوب جاتے تو ایسے میں سلام بن ابی مطیع مالک بن دینار کے ہاں گئے وہ بغیر چراغ کے گھر میں تھے اور ان کے ہاتھ میں روٹی تھی۔ اس نے کہا اے ابویحیٰ کیا چراغ نہیں ہے جو آپ کا گھر روشن کرے؟ کیا کوئی ایسی چیز (پلیٹ وغیرہ) نہیں جس پر آپ روٹی رکھ سکیں۔ چنانچہ مالک پر افسوس طاری ہو چکا تھا فرمانے لگے کہ مجھے (میرے حال پر) چھوڑ دو جو کچھ گذر گیا میں اس پر نادم ہوں۔ (اب اسی حال میں بہتر ہوں)

چور کی توبہ

ایک مرتبہ ایک چور گھر میں داخل ہو گیا مگر اسے کوئی ایسی چیز نہ ملی جسے وہ چوری کرے حضرت مالک نے چور کی موجودگی کو محسوس کر لیا تو اس سے فرمایا کہ کیا ہوا دنیا کی کوئی چیز تجھے نہیں ملی؟ کیا آخرت کی کسی چیز میں رغبت ہے؟ چور نے کہا ''جی ہاں'' فرمایا تو آؤ وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے۔ پھر اسے لے کر مسجد کی طرف یہ فرماتے ہوئے نکلے

کہ یہ چوری کرنے آیا تھا مگر ہم نے اسے چوری کرلیا۔

ذکر اور عبادت

اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی رغبت کی وجہ سے ذکر اور عبادت ان کا شغف بن گیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے اللہ تعالیٰ کے ذکر جیسی کسی نعمت سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔

ایک مرتبہ اپنے احباب کے درمیان بیٹھے فرما رہے تھے کہ دنیا والے دنیا سے نکل گئے اور سب سے زیادہ پاک اور اچھی چیز انہوں نے نہیں چکھی۔ احباب نے پوچھا ''وہ کیا چیز ہے؟''

فرمایا ''اللہ تعالیٰ عزوجل کی معرفت''۔

جب صبح (تہجد) کا وقت آجاتا تو یہ نماز میں لگ جاتے پھر اپنی داڑھی کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر عاجزی کے ساتھ کہتے۔ اے اللہ جب تو اولین اور آخرین کو جمع کرے تو مالک بن دینار کے بڑھاپے کو جہنم کی آگ پر حرام کر دے۔''

حق گوئی و بے باکی

بڑے تکبر ناز و انداز اور غرور کے ساتھ بصرہ کا والی اپنی ہیبت ناک سواری پر مالک بن دینار کے سامنے سے گذرا۔ حضرت مالک بن دینار نے اسے ڈانٹتے ہوئے آواز دی اپنی اس چال میں کمی کر۔ والی بصرہ کے خدم و حشم و محافظ مالک بن دینار پر پل پڑنے کو بڑھے والی نے مداخلت کی کہا اسے چھوڑ دو۔ پھر اپنے غرور میں حضرت مالک کی جانب بڑھا اور بڑے فخر سے کہنے لگا۔ کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ مالک بن دینار نے کہا ''کیوں نہیں اور مجھ سے زیادہ تجھے جانتا کون ہے؟ تیری ابتداء ایک گندا پانی کا قطرہ تھا اور تیرا انجام ایک سڑا ہوا مردار ہے اور پھر اس دوران تو گندگی کو پیٹ میں اٹھائے پھرتا ہے''۔ یہ سن کر والی نے سر جھکا لیا اور واپس جاتے ہوئے بولا کہ اب تم نے مجھے بالکل صحیح پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے۔

ایک دن والی بصرہ نے انہیں بلوایا یہ چلے گئے وہاں پہنچے تو والی نے کہا کہ میرے لئے دعا کر دیں۔ آپ نے فرمایا کتنے ہی مظلوم تیرے دروازے پر کھڑے تیرے لئے بددعائیں کر رہے ہیں۔

آخری لمحات

جب مالک بن دینار اپنے مرض وفات میں بستر پر جا پہنچے تو جب جان سپرد خدا کر رہے تھے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمانے لگے "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں دنیا میں اپنی بقاء کو کسی عورت یا پیٹ کے لئے نہیں چاہتا تھا۔

وفات

۱۳۱ ہجری میں حضرت مالک بن دینارؒ نے بصرہ میں اپنے رب کے جوار کو اختیار کر لیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۲ ہجری بمطابق ۷۴۹ عیسوی)

☆ اگر تم محراب کی طرف ان کا لپکنا دیکھو تو کہو گے کہ یہ ابھی مر جائے گا۔
☆ اپنی زندگی غموں کو کھینچتے گزار دی۔
☆ ان کی رات کا تہائی حصہ صرف بکاء ہوتی۔

☆☆☆

روزہ اور نماز ان کے دل کے قریبی دوست تھے۔ راہبوں کے ہلاکت کدے میں دنیا کو ایسے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ کوئی انہیں دیکھتا تو یوں لگتا کہ جیسے وہ غموں کی گٹھڑی سر پر اٹھائے ہوئے ہیں...... یہ ہیں منصور بن معتمر بن عبداللہ سلمی۔ ابوعتاب، حدیث اور تقوے کے بڑے آدمی تھے۔ اہل کوفہ میں سے تھے اور ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہ

تھا۔ ثقہ اور ثبت تھے۔ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ چالیس سال مسلسل روزے رکھے رات کو نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے۔

رنج والم کے پیکر

منصور بن معتمر کو اگر آپ دیکھتے تو کہتے کہ اس شخص پر کوئی مصیبت آئی ہے۔ ایک طرف کو ڈھلکے ہوئے، دھیمی آواز، بھیگی آنکھیں، کہ اگر منصور کو حرکت دو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ جائیں۔ حضرت سفیان ثوری ہمیں ان کی نماز کا حال بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تم منصور کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ شخص ابھی مر جائے گا۔

عبادت وخشیت

ایک رات صبح کے وقت منصور کی والدہ نے ان کے رونے کی آواز سنی تو تیزی سے ان کے پاس آئیں اور بڑے خوف بھری شفقت سے کہنے لگیں۔ یہ تو اپنے آپ کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔؟ پوری رات روتا رہتا ہے چپ نہیں ہوتا۔ میرے بیٹے شاہد تو نے کسی کو نقصان پہنچایا ہے؟ شاہد کسی کو قتل کیا ہے؟ یہ سن کر منصور نے کہا۔ اماں جان میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے ساتھ کیا کیا ہے؟

ان کی والدہ ان کی رات کی عبادت کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ تہائی رات وہ قرات کرتے، تہائی رات روتے رہتے اور تہائی رات دعا کرتے۔ وہ رات کو اپنے گھر کی چھت پر کھڑے نماز پڑھتے گویا کہ کوئی لکڑی اندھیرے میں کھڑی ہو۔

عہدوں سے بیزاری

کوفے کے عامل یوسف بن عمر نے انہیں بلوایا وہ انہیں عہدہ قضاء پر مقرر کرنا چاہتا تھا مگر وہاں جانے سے باز رہے تو اسے غصہ آ گیا اور انہیں زبردستی قضاء (قاضی) کی کرسی پر بٹھا دیا۔ چنانچہ دو شخص جھگڑا لے کر ان کے پاس آئے اور سامنے بیٹھ گئے تو انہوں نے ان سے کچھ نہ پوچھا بولنے سے رکے رہے اور بات بالکل نہ کی حتیٰ کہ وہ

دونوں واپس چلے گئے۔

پھر کسی نے یوسف بن عمر کو کہا کہ اگر تو ان کے گوشت کے ٹکڑے کر کے بکھیر دے تب بھی وہ عہدہ قضاء قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس نے انہیں چھوڑ دیا اور جانے دیا۔

وفات

۱۳۲ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا اور روح باری تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت صفوان بن سُلیم رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۲ ہجری بمطابق ۷۴۹ء)

☆ اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ چالیس سال تک بستر پر اپنا پہلو نہیں ٹکائے گا۔

☆ ایسا شخص جس کی گفتگو سے مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔

☆ ان کی دعا رزق کی ایک کنجی تھی۔

☆☆☆

انہوں نے فضائل کا شکار کرنے کے لئے جال تیار کیا تھا۔ ایسا شخص جسے اگر آپ دیکھیں تو وہ تمہیں اچھا لگے۔ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے آزاد کردہ غلام ابو عبیدہ صفوان بن سلیم بن عوف جو کہ چھپے ہوئے زاہد، ایک مجتہد، ایک باوفا، ایک امام، حافظ، فقیہ اور عابد، ایک ثقہ بے شمار حدیثوں کے راوی، بڑی محنت و ریاضت، تقویٰ اور پرہیز گاری والے شخص تھے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے تو ہاتھ خالی نہیں لوٹائے جاتے تھے لوگوں کے درمیان فقراء کے سے تواضع بادشاہوں کے سے دبدبے کے ساتھ زندگی گذاری اللہ کے سوا کسی کو وسیلہ نہیں بناتے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ اس گفتگو سے مریض شفا

پاجائے اور اس کے ذکر کرنے سے بارش آجائے۔

عبدالعزیز بن ابی حازم کہتے ہیں کہ صفوان بن سلیم میرے ساتھ مکہ گئے تھے مگر انہوں نے واپسی تک بالکل آرام نہ کیا (کمر لگا کر لیٹے نہیں)

حضرت صفوان زہد میں رغبت دلاتے ہوئے فرماتے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان کی ساری کوششیں پیٹ کے لئے ہوں گی اور دین خواہشات کا نام ہوگا۔

سلیمان بن سالم بیان کرتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں صفوان بن سلیم گھر کے اندر نماز پڑھتے (رات کی عبادت تہجد وغیرہ) اور سردی کے موسم میں گھر کی چھت پر نماز پڑھتے تاکہ نیند نہ آئے۔ پھر ہاتھ اٹھا کر بڑی آہ وزاری سے دعا کرتے اے اللہ صفوان کی یہ محنت تیرے لئے ہے تو جانتا ہے۔

انس بن عیاض اس زاہد وعابد انسان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے صفوان بن سلیم کو دیکھا۔ اگر انہیں یہ کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہے تو جتنی عبادت وہ کیا کرتے تھے اس سے زیادہ کر نہ پاتے۔ (وہ اتنی زیادہ ہی ہوتی تھی کہ جیسے کل قیامت آنے والی ہے اور اس کے بعد اعمال کرنے کا موقع نہیں)

امراء کے ھدایا سے استغناء

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مدینے آیا مدینے کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔ سلیمان نے حضرت صفوان کو دیکھا تو اسے ان کا حلیہ اور زہد بڑا اچھا لگا اس نے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی انہیں بھجوائی۔ جب اس کا قاصد وہ تھیلی لے کر آیا تو صفوان کپکپانے لگے اور تھیلی کو یوں پھینک دیا جیسے کہ وہ آگ ہو تھیلی اٹھائی نہیں بلکہ وہاں سے دور بھاگے خچر پر سوار ہو کر مدینے سے ہی نکل گئے اور جب تک سلیمان مدینے میں رہا وہ مدینے میں داخل نہ ہوئے۔

اپنے انفاق اور سخاوت کے باعث بخل کے دروازے سے نکل آئے چنانچہ جس محتاج پر نظر پڑتی اسے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے ایک مرتبہ سردی کی رات میں مسجد سے نکلے تو

ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس کپڑے نہ تھے تو اسے اپنی پہنی ہوئی قمیض اتار کر دے دی۔

صفوان جب مسجد سے نکلنے لگتے تو روتے حتیٰ کہ ان کے سینے سے ہانڈی کے جوش مارنے جیسی آواز آتی، لوگ جمع ہو گئے اور پوچھا کہ صفوان آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ دوبارہ کہیں مسجد نہ آسکوں۔

بستر پر نہ لیٹنے کا عہد

انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک اپنے رب کے پاس نہ چلا جاؤں بستر پر پہلو دراز نہیں کروں گا اس عہد کے بعد چالیس سال زندہ رہے مگر بستر پر نہیں لیٹے۔ جب موت کا وقت آ گیا تو انہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ بستر پر کیوں نہیں لیٹتے؟ انہوں نے لاغر چہرے اور خوف سے نڈھال آواز کے ساتھ جواب دیا کہ کیا میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد پورا نہ کروں؟ چنانچہ وہ اکڑوں حالت میں ہی بیٹھے رہے حتیٰ کہ اسی حال میں ان کی روح اپنے رب کے پاس چلی گئی۔

وفات

مدینہ منورہ میں ۱۳۲ ہجری میں حضرت صفوان کی وفات ہوئی۔

کافی عرصہ کے بعد ایک دن ایک گورکن قبر کھود رہا تھا کہ وہ اچانک ایک کھوپڑی پر گرا جس کی ہڈیوں پر سجدے کے نشان تھے حتیٰ کہ اس کی پیشانی اس کے سامنے آ گئی تو گورکن نے اس قبر والے کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ یہ قبر حضرت صفوان بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت زیاد بن ابی زیاد رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۵ ہجری بمطابق ۷۵۲ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس کی باتیں بادشاہوں کو رلا دیا کرتی تھیں۔
☆ جس نے اطاعت کے کوڑے سے اپنے نفس کو نکھارا۔
☆ اپنے نفس کی لگام نہ چھوڑی کہ وہ آرام بھی کر سکے۔

☆☆☆

ان کی باتیں دلوں کو جکڑ لیتی تھیں اور آنکھوں سے آنسو نکال دیتی تھیں.........

یہ ہیں زیاد بن ابی زیاد مدنی عبداللہ بن عیاش کے موالی صالحین میں سے ایک فقیہ ربانی، زہد و عبادت گذاری سے پہچانے جاتے ہیں۔ دمشق میں رہائش پذیر ہوئے اور اپنے وقت کے مشائخ میں سب سے بڑے عالم بن گئے۔ نفس کو باغ و بہار کرنے والی کوئی فضیلت ایسی نہ تھی جسے اپنایا نہ ہو۔ دنیا نے ان کے گرد بڑا شور مچایا مگر انہوں نے اس کی طرف کان ہی نہیں لگائے۔

زہد و تواضع

زیاد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آتے رہتے تھے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ حضرت عمرؒ ان کا بڑا اکرام کرتے تھے اور یہ پیش کش بھی کی تھی کہ انہیں مال فے سے خرید کر آزاد کروا دیں مگر انہوں نے منع کر دیا۔ چنانچہ پھر لوگوں نے ان کی جان چھڑانے پر ان کی اعانت کی۔

اونی لباس پہنتے گوشت نہیں کھاتے لوگوں سے دور رہتے حتیٰ کہ کسی کے ساتھ بیٹھتے بھی نہ تھے۔ ان کی یومیہ خوراک نصف مٹھی کے برابر تھی۔ دنیا ان کے نزدیک بے کار بے قیمت تھی ان کے نصائح دلوں کو جکڑ لیتے تھے، من کو ہلا دیتے تھے، زندگی بڑی خوفزدہ اور اللہ تعالیٰ کے غصہ اور نافرمانی سے دور بھاگتے گذاری۔

فرمایا کرتے تھے کہ ”گناہوں سے باز رہنا قیامت کے دن کی تکلیفوں کو برداشت کرنے سے بہتر ہے۔“

زیادؒ نے خود کو خوب سزا دی اور اپنے (اور اپنے) ساتھیوں کے غرور کو ملیا میٹ کیا اور فرمانبرداری کو خواہشات کے چنگل سے نکال لیا۔ چنانچہ یہ مسجد میں داخل ہو کر خوب (اللہ تعالیٰ کی جتنی مرضی) نماز پڑھا کرتے اور جب ان کا نفس مسجد سے باہر نکلنے کی سرگوشی کرتا تو اپنے نفس پر پل پڑتے اسے ڈانٹتے جھڑکتے فرماتے بیٹھا رہ، کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو اس مسجد سے کسی اچھی جگہ جانا چاہتا ہے؟ دیکھ اس میں کیا ہے؟ تو چاہتا ہے کہ فلاں اور فلاں کے گھر کو دیکھے؟ تیری کیا خواہش ہے تو کیا پہننا چاہتا ہے؟ میرے پاس کھانے کو صرف یہ روٹی اور نمک ہے۔ اور کپڑوں میں صرف یہ اونی لباس ہے۔ کوئی عورت اس بڑھیا کے سوا نہیں۔ اگر تو میرے ساتھ چل سکتا ہے موافقت کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مر جا۔

آخرت کا خوف

ایک نہایت سرد رات جس کی ٹھنڈک اعضاء اور گوشت کو مرعوب کئے جا رہی تھی۔ حضرت زیاد امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاں پہنچے وہ خطوط لکھ رہے تھے ان کے پاس ایک انگیٹھی رکھی تھی جس میں آگ جل رہی تھی زیاد انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر آگ تاپنے لگے اور حضرت عمرؒ بھی فارغ ہو کر آگ تاپنے زیاد کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا اے زیاد کوئی قصہ سناؤ زیاد نے کہا حضرت میں کوئی قصہ گو تو نہیں۔ حضرت عمر نے نصیحت و موعظہ میں رغبت کرتے ہوئے فرمایا۔ کوئی بات کرو کچھ بولو تو زیاد کہنے لگے۔ جب کوئی آدمی جہنم میں داخل ہو تو اسے اس بات سے کوئی فائدہ نہیں کہ جنت میں کون داخل ہوا اور جو شخص جنت میں جائے اسے اس بات سے کوئی نقصان نہیں کہ کون جہنم میں داخل ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا ہاں تم نے سچ کہا۔ پھر زیاد رونے لگے اور اتنا روئے کہ انگیٹھی کے بعض انگارے ان کے آنسوؤں سے بجھ گئے۔

وفات

حضرت زیاد بن ابی زیادؒ کی روح اپنے باری تعالیٰ کے پاس ۱۳۵ ہجری میں چلی گئی۔

﴿سیدنا حضرت ربیعۃ الرائی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۳۶ ہجری بمطابق ۷۵۳ء)

☆ لوگ ان سے علم حاصل کرنے سے پہلے ان کا ادب سیکھتے تھے۔

☆ یقین کی گرمی سے ان کا دل پُر تھا۔

☆ زھد کی ایک درس گاہ۔

☆ ان کی وفات سے فقہ کی حلاوت جاتی رہی۔

☆☆☆

حضرت ربیعۃ الرائی رحمہ اللہ تعالیٰ

علم کے راستے میں تربیت و تعلیم کے مناھج کے موجدین میں سے تھے۔ یہ ربیعہ بن فروخ تمیمی (ولاء کے اعتبار سے) مدینے کے رہنے والے، کنیت ابو عثمان تھی، امام، حافظ، فقیہ و مجتہد، سخی، مدینے کے مفتی حضرات میں سے تھے۔ انہی سے امام مالک نے فقہ حاصل کی۔ بڑی لمبی زندگی جیئے اور عبادت گذاری رات کے قیام اور دن کی عبادت کے ساتھ منسلک رہے۔

ان کے بارے میں امام مالکؒ نے فرمایا جب سے ربیعہ کا انتقال ہوا ہے فقہ کی حلاوت جاتی رہی۔

ایک شخص نے آ کر حضرت ربیعہ سے پوچھا کہ زھد کی اصل کیا ہے؟ فرمایا کہ اشیاء کو ان کی حلال جگہوں سے لینا اور ان کو حقیقی جگہ میں رکھنا۔ (مستحقین اور راہِ خدا میں خرچ کرنا)

ایک دفعہ سر ڈھانپے تشریف فرما تھے، پھر لیٹ کر رونے لگے اور ان کی آواز بلند ہوگئی کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ ان کے رونے میں خوف اور دہشت کی آمیزش ہو چکی تھی فرمانے لگے۔ ریا کاری ظاہر ہے خواہشات چھپی ہوئی ہیں۔ لوگ اپنے علماء کے ہاں ایسے ہیں جیسے بچے اپنی ماؤں کی گود میں۔ جو حکم دیتے ہیں وہ مانتے

ہیں اور جس چیز سے منع کرتے ہیں رک جاتے ہیں۔

حکمرانوں کی دولت سے بے زاری

حضرت ربیعہ رائے نے کبھی اپنا سر حکمرانوں کے دراہم کے سامنے نہیں جھکایا لہٰذا ہمیشہ حق گو رہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ابو العباس سفاح کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے ان کے علم و فضل کے شایان شان انعام دینے کا حکم دیا مگر ربیعہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے پانچ ہزار درہم دینے کا حکم دیا کہ اس سے باندی خرید لیں مگر ربیعہؒ نے وہ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آ گئے۔

سخاوت

سخاوت فضل اور عقل کے مالک تھے۔ جب یہ بیمار ہوتے اور لوگ عیادت کے لئے آتے تو یہ دستر خوان لگوا دیتے چنانچہ جو بھی عیادت کے لئے آتا وہ سیر ہو کر نشاط کے ساتھ ان کے گھر سے واپس لوٹتا۔

وفات

انبار کی سرزمین پر ہاشمیہ نامی مقام پر ۱۳۶ ہجری میں وفات پائی۔

سیدنا حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۹ ہجری بمطابق ۷۵۶ عیسوی)

☆ قریب تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء کے جیسے دل کے ساتھ ملاقات کرتے۔

☆ ایسا شخص جس کا نام آسمان کے دروازے ہلا دیتا تھا۔

☆ زمین پر زھد کی محراب۔

☆☆☆

جب تم انہیں دیکھو تو بادشاہوں کی عظمت اور انبیاء کا تواضع نظر آئے۔ ایسا زاہد جس نے زمین کی چھت کو مٹی کے برابر کر دیا تھا۔ یہ ہیں حضرت یونس بن عبید بن دینار

عبدی (ولاء کے اعتبار سے) بصری کنیت ابو عبداللہ حفاظ اور ثقات میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب رہے۔ کپڑے فروخت کرتے تھے۔ ان کی پرہیز گاری اور زہد بے نظیر تھے۔ بہت زیادہ استغفار کرتے۔ حق نظر آتا تو اس کی مدد کرتے۔ فوج سخت لڑائی میں ان کا نام لیتی تو مدد اتر آتی تھی۔

بڑے متواضع شخص تھے۔ تعریف بالکل پسند نہ تھی۔ نفس کے غرور کو خوف اور حسرت کی زنجیروں سے باندھ دیا تھا۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص نے ان کی تعریف کی اور ان کے فضائل گنوانے لگا تو حضرت یونس بن عبید نے اپنی شان گھٹاتے ہوئے فرمایا کہ میں نیکی کی سو خصلتیں گنوا سکتا ہوں جن میں سے ایک بھی میرے اندر نہیں ہے۔

حضرت یونسؒ کی نصیحت

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مجھ سے تین باتیں سن کر یاد کرلو۔ (۱) تم میں سے کوئی بادشاہ کے پاس نہ جائے اگرچہ اسے قرآن ہی سنانے جائے)(۲) کوئی ہرگز کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے اگرچہ اسے قرآن حفظ کرانے ہی جائے۔ (۳) اور تم میں سے کوئی اپنی سماعت پر خواہش پرستوں کو قابو نہ دے۔

اقوال زریں

انہوں نے اپنی زبان کو لوگوں کو رزق حلال کی نصیحت اور ترغیب دینے کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ وہ فرماتے یہ دو درہم ہیں ایک درہم سے اس وقت تک دور رہو جب تک تمہیں اس کی ضرورت نہ پڑے جب پڑ جائے تو اسے لے لو۔ اور یہ دوسرا درہم ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارا حق رکھا ہے اسے ادا کرو۔ اور فرماتے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر بندے کی وہ درست ہو جائیں تو باقی خود بخود درست ہو جائیں۔ اس کی نماز اور زبان۔

تقویٰ وزہد

حضرت یونس بن عبید تقوے اور پرہیز گاری کا فخر تھے اور تقوے کے ایک امام تھے فرماتے کہ آدمی کا تقویٰ اس کی گفتگو سے پہچانا جاتا ہے۔

یونس بن عبید کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر کپڑا مانگا غلام کپڑے کا تھان لایا تو یونسؒ نے فرمایا کہ اسے کھولو۔ اس نے کھولا اور اس پر ہاتھ مار کر زور سے ''صلی اللہ علی محمد'' پڑھا۔ تو یونسؒ نے تقوے کے جذبے سے سرشار ہو کر فرمایا کہ یہ تھان اٹھالو۔ پھر آپ نے وہ تھان بیچنے سے انکار کر دیا صرف اس ڈر سے کہ کہیں غلام نے اس کپڑے کی تعریف کے لئے درود نہ پڑھا ہو۔

ایک مرتبہ ایک بکری والے کے پاس یونس ایک بکری لے کر گئے اور فرمایا کہ اسے بیچ دو اور میں اس کے اس عیب سے بری ہوں کہ یہ چارہ الٹ دیتی ہے اور کھونٹے (یا شہیر) کو اکھاڑ لیتی ہے۔ انہوں نے بیچنے سے پہلے ہی اس کے عیوب بتا دیئے۔

دعاؤں کا وسیلہ

ظہر کی نماز سے کچھ پہلے ایک شامی شخص کپڑا مارکیٹ میں داخل ہوا اور ان کی دکان پر آکر اس نے پوچھا آپ کے پاس چار سو درہم والا کپڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس دو سو درہم کا ملے گا۔ اتنے میں اذان ہوگئی تو یہ نماز پڑھنے چلے گئے جب واپس آئے تو ان کا بھانجا وہ کپڑا اسے چار سو درہم میں فروخت کر چکا تھا۔ یونسؒ نے بہت سے درہم دیکھے تو پوچھا کہ یہ درہم کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت ہے انہوں نے اس شامی سے فرمایا اللہ کے بندے میں نے تمہیں اس کپڑے کی قیمت دو سو درہم بتائی تھی اگر تمہیں لینا ہے تو لے لو اور اپنے باقی دو سو درہم بھی واپس لے لو ورنہ کپڑا رکھو اور اپنے چار سو درہم واپس لے لو۔

ان کی یہ باتیں سن کر شامی شخص نے بڑی حیرت سے پوچھا آپ کون ہیں؟ یونسؒ نے جواب دیا ایک مسلمان آدمی ہوں۔ اس نے کہا میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ

آپ کون ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میرا نام یونس بن عبید ہے۔ یہ سن کر اس شامی کے چہرے پر خوشی اور رضا کے آثار پھوٹ پڑے۔ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم جب دشمن کی گردنوں میں ہوتے ہیں اور لڑائی کا معاملہ سخت ہو جاتا ہے تو ہم دعا کرتے ہیں۔

اے اللہ اے یونس بن عبید کے رب ہمارے لئے آسانی فرما'' تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔

آخری لمحات

حضرت یونس بن عبید بیمار ہو گئے اور ان کا بدن بستر پر قید ہو گیا۔ تو عیادت کرنے والے آنے لگے تو ایوب سختیانی[1] نے فرمایا آپ کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں ہے۔ پھر یونس بن عبید نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا اور رونے لگے۔ کسی نے پوچھا۔ اے ابوعبداللہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ فرمانے لگے کہ

''میرے پاؤں اللہ تعالیٰ کے راستے میں[2] غبار آلو نہیں ہو سکے۔

اور فرمایا کہ جو شخص اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ جہنم میں جائے گا تو وہ دھوکے میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے خود کو بے فکر سمجھتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حکم اس پر نافذ ہونے والا ہے اس سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔

وفات

حضرت یونس بن عبید کی روح ۱۳۹ ہجری میں باری تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

۱۔ ایوب سختیانی کی تاریخ وفات اسی کتاب میں ۱۳۱ ہجری لکھی گئی ہے یا تو یہاں ایوب سختیانی نہیں ہیں یا پھر ان کی تاریخ وفات مصنفؒ نے غلط لکھ دی ہے۔

۲۔ اللہ کے راستے سے مراد جہاد فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ لڑنا ہے اسلاف کے الفاظ احادیث طیبہ کے مطابق ہیں جہاں فی سبیل اللہ کے الفاظ سے عام طور سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے۔

﴿سیدنا حضرت سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۴۰ہجری بمطابق ۷۵۷ء)

☆ ایسا شخص جو بادشاہوں جیسی عظمت اور علماء کی ذمہ داریوں کا حامل تھا۔
☆ پھل کے پاس سے گزرتا تو کہتا صبر کر جنت میں ملاقات کا وعدہ ہے۔
☆ اس کی حکمت کی آواز روشنی اور وضاحت میں سورج کی طرح ہے۔

☆☆☆

سلمہ بن دینار

ان کا نام عام لوگوں کی فہرست سے نکال کر عزت اور ہمیشہ کے لئے امر ہو جانے والوں میں لکھ دیا گیا یہ ہیں ابو حازم سلمہ بن دینار مدنی مخزومی۔ نسلاً فارسی تھے ایک زاہد اور خاشع شخص۔ ان کی والدہ رومی تھیں۔ ان کو سرخ زرد رنگ کبڑا پن، بھینگا پن اور لنگڑا پن جیسے عوارض لاحق تھے۔

لاثانی شخص تھے ان کے زمانے میں ان جیسا کوئی نہ تھا جب صحابہ کا سورج چمک رہا تھا تو یہ دودھ پیتے بچے تھے پھر انہوں نے اپنی جوانی علم کی مختلف مجلسوں میں شریک ہونے میں لگا دی خود کو زہد اور تقوے کے میدان میں پھینک دیا۔ شہرت کو پرے کیا اور خود تواضع کے لباس کے پیچھے چھپ گئے۔ نیند چھوڑی رات کے پردے کو تسبیح اور رکوع سے چاک کیا دنیا کو جھوٹا سمجھتے اور موت کو حقیر سمجھتے رہے۔ حکمت ان کے لبوں سے پھوٹتی تھی، لوگوں کو وعظ کرتے تو رلا دیتے۔ ان کی آواز لوگوں کے دل میں مقیم ہو جاتی اور ان سے سکون بن کر نازل ہوتی۔ سلمہ بن دینار ہر بھلائی کا ذخیرہ تھے۔

خراج تحسین

عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حکمت کو ابو حازم کے منہ سے زیادہ کسی کے قریب نہیں دیکھا۔ ''عون'' کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو دنیا کی اس بری طرح مذمت

کرتے اور اس کے بخیے ادھیڑتے صرف اسی لنگڑے (یعنی ابو حازم) کو ہی دیکھا ہے۔

سلمہ بن دینار کے نصائح

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ ان جیسا زمانے میں کوئی نہ تھا۔

ابو حازم سلمہ بن دینار جب بازار میں کسی پھل کے پاس سے گذرتے تو فرماتے کہ تم سے جنت میں ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

کسی شخص نے پوچھا اے ابو حازم آپ کا مال کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ پر میرا اعتماد اور لوگوں کے ہاتھوں میں موجود چیز سے مایوسی۔

لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ اپنی نیکیوں کو اس سے بھی زیادہ شدت سے چھپاؤ جتنا کہ تم اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو۔ اور فرماتے کہ "ہر وہ عمل جس کی وجہ سے تم موت کو ناپسند کرتے ہو اسے چھوڑ دو پھر تمہیں کہیں بھی مر جانے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

ایک دن مسجد میں بیٹھے رو رہے تھے اور اپنے آنسوؤں کو چہرے پر مل رہے تھے۔ کسی نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے آنسو جسم کے جس حصے کو لگیں گے وہاں جہنم کی آگ نہیں پہنچے گی۔

تقدیر پر ایمان

رزق پر ایمان کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے کہ میں نے دنیا میں دو چیزیں دیکھی ہیں ایک میرے لئے اور ایک دوسروں کے لئے۔ جو دوسروں کے لئے ہیں اگر میں آسمانوں اور زمین کی تمام تدبیریں کرلوں تب بھی وہ مجھے نہیں ملیں گی اور دوسرے کا رزق میرے ہاتھ لگنے سے یوں روکا جائے گا جس طرح میرا رزق دوسرے کے ہاتھ لگنے سے روکا جاتا ہے۔

سلمہ بن دینار فرماتے کہ ابلیس کیا ہے؟ اس کی نافرمانی کرو تو وہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اطاعت کرو تو فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور فرماتے کہ "جب تم اپنے رب کو دیکھتے

ہو کہ وہ تمہیں مسلسل نعمتیں عطا کر رہا ہے اور تم اس کی نافرمانی کر رہے ہو تو اس سے ڈرو''۔

سلیمان بن عبدالملک سے عبرت انگیز ملاقات

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک حج کے زمانے میں مدینے آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا یہاں کوئی ایسا شخص ہے جس نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو پایا ہو؟ لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں! ابو حازم سلمہ بن دینار ہیں۔ چنانچہ اس نے انہیں بلوایا۔ تو وہ آ گئے انہیں دیکھ کر سلیمان نے کہا کہ ابو حازم یہ کیسی بے وفائی ہے؟ ابو حازم نے فرمایا امیر المومنین آپ نے میری کون سی بے وفائی دیکھ لی؟ اس نے کہا کہ بڑے بڑے لوگ آئے مگر آپ نہیں آئے۔ ابو حازم نے فرمایا کہ آپ اس سے پہلے مجھے جانتے نہیں تھے اور نہ ہی میں نے آپ کو دیکھا تھا پھر کون سی بے وفائی میں نے کی؟ سلیمان نے زھری کی طرف دیکھا اور بولا کہ شیخ نے صحیح فرمایا میں نے غلطی کی۔

خلیفہ سلیمان نے پوچھا اے ابو حازم ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ تم نے دنیا کو آباد کیا خوبصورت بنایا اور آخرت کو خراب ویران کیا لہٰذا اب آبادی سے ویرانے میں جانے کو ناپسند کرتے ہو۔ خلیفہ نے کہا آپ نے سچ کہا۔ پھر اس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کیسے ہوگی؟ ابو حازم نے فرمایا کہ احسان کرنے والے اس طرح پیش ہوں گے جیسے دور گیا ہوا شخص اپنے گھر والوں کے پاس چلا آئے اور برا کرنے والے اس بھگوڑے غلام کی طرح پیش ہوں گے جسے پکڑ کر اس کے آقا کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ سن کر سلیمان خوب رویا حتی کہ اس کی ہچکیوں کی آواز آنے لگی اور رونا شدید ہو گیا۔

سلیمان نے پھر پوچھا کہ ابو حازم سب لوگوں میں زیادہ سمجھدار کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو پایا پھر اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی نشاندھی کی۔ سلیمان نے پوچھا کہ لوگوں میں بڑا احمق کون ہے؟ فرمایا کہ وہ "شخص جس نے اپنے بھائی کی خواہش پر غصہ کھایا اور وہ ظالم تھا چنانچہ اس نے آخرت کو دنیا کے

بدلے بیچ دیا۔" سلیمان نے کہا اے ابو حازم کیا آپ ہماری مصاحبت اختیار کر سکتے ہیں کہ آپ کو ہم سے فائدہ ہو اور ہمیں آپ سے فائدہ ہو۔ ابو حازم نے فرمایا ہرگز نہیں سلیمان نے پوچھا کیوں نہیں؟ تو حضرت ابو حازم سلمہ بن دینار نے فرمایا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں تھوڑا سا ہی سہی تمہاری طرف جھک گیا (مائل ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کا دگنا اور موت کا دگنا عذاب چکھا دیں گے پھر میرا اس معاملے میں کوئی مددگار نہ ہوگا۔ سلیمان نے کہا اے ابو حازم اپنی ضرورت مجھے بتاؤ۔ تو ابو حازم نے فرمایا کہ آپ مجھے جنت میں داخل کر دیں اور جہنم سے نکال باہر کریں۔ سو سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ مجھے تو اس کی طاقت نہیں۔ تو ابو حازم نے فرمایا میری بھی اس کی سوا کوئی حاجت نہیں۔

خلیفہ ہشام کو نصیحت

خلیفہ ہشام بن عبدالملک مدینے آیا تو اس نے ابو حازمؒ کو بلوا بھیجا وہ آ گئے تو ہشام نے کہا۔ اے ابو حازم مجھے نصیحت فرمایئے! ابو حازم نے کہا "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا میں زہد اختیار کرو اس لئے کہ اس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔"

کسی امیر نے ابو حازمؒ کو بلوایا تو وہ آئے تو وہاں علامہ افریقی اور زھریؒ وغیرہ موجود تھے۔ تو امیر نے کہا کہ ابو حازم کچھ فرمایئے! تو آپ کہنے لگے کہ بہترین امراء وہ ہیں جو علماء سے محبت کریں اور بدترین علماء وہ ہیں جو امراء سے محبت کریں۔

کسی امیر نے سلمہ بن دینارؒ سے کہا کہ اپنی کوئی ضرورت بیان کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رہنے دیجئے۔ میں آپ کے پاس آنے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو بیان کر چکا ہوں۔ وہ مجھے عطا کرے گا تو شکر کروں گا اور عطا نہیں کرے گا تو راضی رہوں گا۔

وفات

آپ کی روح اپنے رب کے پاس چلی گئی۔ یہ ۱۴۰ ہجری تھا اور ایک قول کے مطابق ۱۴۰ ہجری کے بعد وفات ہوئی۔

سیدنا حضرت عطاء السلیمی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۴۰ ہجری بمطابق ۷۵۷ء)

- ☆ وہ شخص جسے خوف نے تقوے کی جیل میں قید کر دیا تھا۔
- ☆ اس نے اپنے دل کو آنسوؤں کے سمندر میں ڈبو دیا تھا۔
- ☆ اتنا رویا کہ آنسوؤں نے اس کی آنکھوں کی روشنی ختم کر دی۔
- ☆ اس کے لبوں نے چالیس سال تک مسکراہٹ نہیں دیکھی۔

☆☆☆

جب کوئی نصیحت ان کے دل تک پہنچتی تو یہ بے ہوش ہو جاتے۔ اگر آپ انہیں دیکھیں تو جان لیں گے کہ یہ شخص اہل دنیا میں سے نہیں ہے.......... یہ ہیں حضرت عطاء السلیمی بصری بڑے عبادت گذار تابعین میں عمر میں چھوٹے مگر قدر و منزلت میں بڑے۔ حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا اور حدیث کی روایت حضرت حسن بصریؒ سے کی۔ خود کو روایت حدیث سے دور کر لیا تھا۔ اتنا روتے تھے کہ آنکھیں چندھی ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف نے انہیں مرعوب کر دیا تھا اس لئے کھانے پینے کی کسی چیز سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ ان کا خوف شدید ہو چکا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے جنت نہیں مانگتے تھے بلکہ معافی مانگتے تھے۔ کہا جاتا ہے ''عطاء'' خوف کے مارے چالیس سال تک اپنے بستر سے نہیں اٹھ سکے وہ وضو بھی بستر ہی پر کرتے تھے روزانہ اپنے جسم کو چھو کر دیکھتے کہ کہیں مسخ تو نہیں کر دیا گیا۔

خوف خدا کی حالت

نعیم بن مورع کہتے ہیں کہ ہم عطاء سلیمی کی خدمت میں آئے تو وہ فرمانے لگے کاش ''عطاء'' کو اس کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا اور یہ بات بار بار دہراتے رہے حتی کہ سورج زرد ہو گیا۔ (مغرب سے قبل کا وقت ہو گیا)

وہ عام طور سے بڑے گڑگڑا کر یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ دنیا میں میری

اجنبیت پر رحم فرما۔ موت کے وقت میرے گر جانے پر رحم فرما۔ اور تیرے سامنے کھڑے ہونے پر رحم فرما۔

خوف نے انہیں یوں گھیر لیا تھا کہ انہیں قرآن بھلا دیا چنانچہ یہ چیختے چلاتے نکل جاتے۔ کہتے ''میرے لئے رخصت کی احادیث تلاش کرو تا کہ میری حالت میں تخفیف ہو سکے۔

صالح مہریؒ نے اپنے دوست عطاء سلیمی کا ہاتھ پکڑا تا کہ انہیں خوف کے جنگل سے نکالیں جس میں وہ بھٹکنے والے تھے۔ اور انہیں بلند آواز سے فرمایا۔ شیخ تمہیں ابلیس نے دھوکا دیا ہے اس لئے کوئی ایسی چیز پیو جس سے تمہیں نماز اور وضو پر طاقت حاصل ہو جائے۔ پھر صالحؒ نے انہیں تین درہم اس وعدے پر دیئے کہ وہ روزانہ ستو پیا کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک یا دو دن پیا پھر پینا چھوڑ دیا اور فرمایا اے صالح ''جب مجھے جہنم یاد آتا ہے تو مجھ سے کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔

حضرت عطاء سلیمی برتن سے چلو بھر کر پانی لیتے تھے اور اعضاء وضو کو دھوتے ایک مرتبہ اسی طرح وضو فرما رہے تھے کہ اچانک کپکپاہٹ طاری ہو گئی اور بہت شدید رونے لگے۔ چہرے کی رگوں سے خون غائب ہو گیا (پیلے پڑ گئے) تو ان کے احباب ان کی حالت دیکھ کر ڈر گئے پوچھنے لگے ''اے عطاء'' کیا ہوا؟ آپ کے جسم میں یہ کپکپاہٹ کیسی ہو رہی ہے؟ آنسو بہاتے ہوئے عطا نے جواب دیا۔ میں چاہتا ہوں میرا حساب کتاب قیامت سے پہلے ہی ہو جائے اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھے پہلے ہی کھڑا کر دیا جائے۔

جہنم کے عذاب سے خوف

ایک دن علاء بن محمد حضرت عطاء سلیمی کے گھر گئے دیکھا تو بے ہوش تھے۔ ان کی زوجہ ام جعفر سے پوچھا کہ عطاء کو کیا ہوا؟ فرمانے لگیں کہ ہماری پڑوسن نے تنور دہکایا تھا یہ اس میں جھانکے تو بے ہوش ہو کر گر گئے۔

حضرت سرار بن عبیدہؒ عطاء سلیمی کے گھر آئے تو ان کی زوجہ نے سرار سے کہا کہ آپ ان کو بہت زیادہ رونے پر سرزنش کیجئے چنانچہ انہوں نے کچھ کہا سنا تو حضرت عطاء کہنے لگے۔ اے سرار تم مجھے اس بات پر کیسے ڈانٹ رہے ہو جو میرے لئے ہے ہی نہیں۔ میں جب جہنمیوں اور ان پر ہونے والے عذاب کو یاد کرتا ہوں تو خود کو ان کی جگہ بدل کر سوچتا ہوں کہ میرے ہاتھ کس طرح گردن کے پیچھے باندھے جائیں گے اور کس طرح آگ بھڑکے گی۔ تمہارا بھلا ہو، اے سرار۔

ایک مرتبہ ایک شخص عطاء سلیمیؒ کے پاس سے گذرا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے بتایا کہ آپ کے بھائی حسن بصریؒ کے پاس سے آپ نے پوچھا کہ انہوں نے کیا فرمایا؟ اس نے بتایا کہ انہوں نے فرمایا دنیا رب کی طرف جانے کے لئے مومن کی سواری ہے اس پر مومن اپنے رب کی طرف کوچ کرتا ہے۔ لہٰذا اپنی سواریوں کو درست کر کے رکھو۔

یہ سن کر حضرت عطاء کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگے اور اس کے بعد کپکپی طاری ہوگئی اور پھر چیختے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔

وفات

۱۴۰ ہجری میں حضرت عطاء نے اپنے رب کا پڑوس چن لیا۔

﴿سیدنا حضرت سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ﴾

☆ ایک ستارہ جس نے زاہدین کے آسمان میں اپنا مقام بنایا۔
☆ زمین کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ۔
☆ جس نے اپنے دل کو اطاعت کے نور سے روشن کیا۔

☆☆☆

اپنے عمل کے ذریعے گناہوں کے گڑھے سے دور اللہ تعالیٰ کے قرب کے باغیچے

کی طرف بھاگ گئے یہ ہیں حضرت سلیمان بن طرخان تیمی ابو المعتمر تیمی بصری۔ شیخ الاسلام زاہد۔ایک پرہیزگار انسان بنو تیم میں آکر رہے تو تیمی کہلائے۔ مشقت وریاضت سے عبادت کرنے والے۔ایک صاحب کرامات بزرگ جو کبھی بستر پر نہیں سوتے تھے۔

محدث تھے کسی شخص کو پانچ احادیث سے زیادہ بیان نہیں کرتے تھے۔ قدری فرقے کے لوگوں کو ناپسند کرتے تھے انہیں حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

زہد وتواضع

زہد کے بارے میں ان کے اقوال جادو سے مشابہت رکھتے ہیں اوران کو سن کر سامعین کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے تھے۔سلیمان تیمیؒ معصیت کے اندھیرے سے بھاگ کر اطاعت کے باغ میں پہنچ جاتے اور لوگوں کو یہ کہ کر ترغیب دلاتے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس پر ذلت طاری ہو جاتی ہے۔اور فرماتے کہ نیکی دل کا نور اور عمل میں قوت ہے اور برائی دل میں اندھیرا اور عمل میں کمزوری ہے۔

سلیمان تیمیؒ نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس سے حیا کرتے گذاری ان کی روح ان کے ضمیر کی پکار کے نیچے تڑپتی اور مچلتی رہتی تھی۔

یحیٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ میں سلیمان تیمی سے زیادہ ''اللہ کے خوف والے کسی شخص کے ساتھ نہیں بیٹھا۔

حضرت شعبہ اس عظیم انسان اور اس کے دل کی شفافیت اور خوف کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان تیمی سے زیادہ سچا انسان نہیں دیکھا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کی سند کو آنحضرت ﷺ تک پہنچاتے تو ان کا چہرہ بدل جاتا اور ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

عبادت وخشیت

ان کی عبادت بڑی مشقتوں اور مصائب سے بھرپور تھی جن کی صدا تاریخ کے کانوں میں آج تک گونجتی رہتی ہے۔سلیمان تیمیؒ کے صاحبزادے ان کی سیرت اور عبادت

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے والد نے چالیس سال اس طرح گذارے کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے اور فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔

سلیمان تیمی کی کرامات

ان کی کرامات آج تک ذہنوں کے آسمان میں روشن ہیں اور وہ لوگوں کی حیرت واستعجاب کا احاطہ کرنے کی استطاعت رکھتی ہیں۔ لہٰذا مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک دوست سے پوستین پہننے کے لئے لی اور مقصد پورا ہونے پر واپس کر دی تو وہ دوست کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ اس پوستین میں مشک کی خوشبو محسوس کی۔

ابن سلمہ کہتے ہیں کہ "سلیمان تیمیؒ نے بیس سال تک اپنا پہلو زمین سے نہیں ٹکایا۔"

سلیمان تیمیؒ نے اپنی جان اور اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کو بیچ دی تھی کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی چادر پہنے فرمانبرداری کے انس میں نہ ہوں۔ ہر لمحے کوئی نہ کوئی چیز صدقہ ضرور کرتے اگر صدقہ نہیں کر پاتے تو وہ دو رکعت نماز پڑھتے۔

حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم جب بھی سلیمان تیمی کے پاس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے وقت میں آتے تو انہیں اطاعت ہی میں لگا دیکھتے۔ نماز کا وقت ہوتا وہ نماز پڑھ رہے ہوتے نماز کا وقت نہ ہوتا تو ہم انہیں وضو کرتے، کسی عبادت کرنے، کسی جنازے کی اتباع میں یا مسجد میں بیٹھے تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھتے۔

گناہوں کے خوف نے ان کے دل سے خواہشات کو جلا کر رکھ دیا تھا چنانچہ انہوں نے استغفار لازم کرلیا۔ سلیمان تیمیؒ پر قرض بھی تھا تو وہ استغفار کرتے رہتے تھے۔ انہیں کسی نے کہا کہ اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب وہ میرے گناہ معاف کر دے گا تو میرا قرض بھی ادا کر دے گا۔

سلیمان تیمی نہ بڑی عمارتوں والے لوگوں میں سے تھے نہ دنیا جمع کرنے والوں میں سے چنانچہ ایک دن وہ گھر گر گیا جس میں آپ رہتے تھے۔ تو کسی نے کہا کہ اسے بنوالیں تو فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے کل موت ہے...... پھر انہوں نے

ایک خیمہ گاڑھ لیا اور وفات تک اسی میں رہتے رہے۔

آخری لمحات

سلیمان تیمیؒ بیمار ہو گئے اور اپنا جسم بستر پر ڈال دیا اور موت قریب آ گئی تو وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں نے ان کے کپڑے تر کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا موت سے ڈر رہے ہیں؟ آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا کہ نہیں۔ میں موت سے نہیں ڈر رہا لیکن میں ایک مرتبہ قدری فرقے کے شخص کے پاس سے گذرا تھا تو اسے سلام کیا تھا۔ بس اسی کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر میرا محاسبہ نہ فرمائے۔ پھر کمزور آواز سے اپنے بیٹے کو آواز دی اے معتمر مجھے کوئی رخصت و آسانی والی حدیث سناؤ شاید میں اللہ تعالیٰ سے ملتے وقت اس سے اچھے گمان کے ساتھ ملوں۔

وفات

سلیمان تیمیؒ کی روح دنیا سے آخرت کی طرف ذی القعدہ ۱۴۳ ہجری میں ہجرت کر گئی۔ ان کا انتقال بصرہ میں ہوا۔

﴿سیدنا حضرت کہمس بن حسن قیسی رحمہ اللہ تعالیٰ﴾

(وفات ۱۴۹ ہجری بمطابق ۷۶۶ء)

☆ اپنے پڑوسی کی دیوار سے بغیر پڑوسی کے جانے ہاتھ پونچھنے پر چالیس سال تک روتے رہے۔

☆ خود کو اور اپنی تاریخ کو تقوے کی گود میں ڈال دیا تھا۔

☆ ان کی زبان ایمان اور مشک سے معمور تھی اور یہ لوگوں کے دلوں کو نرم کرتے رہے۔

☆☆☆

انہوں نے اپنی زندگی کی کہانی تقوے کے قلم، زہد کی روشنائی اور نور کے الفاظ

سے والدین کی خدمت سے نئے اوراق پر لکھی۔ یہ ہیں حضرت کھمس بن حسن قیسی، تمیمی حنفی، بصری، جو کہ اہل بصرہ میں سے بڑے عبادت گذار اور بڑے ثقات میں سے تھے ان کے جادو اور طرب بھرے الفاظ سے دل جھوم جھوم جاتے تھے اور یہ دلوں کو لے کر رفائق کے سمندر میں گشت کرتے رہتے۔

یہ گارالپائی کا کام کیا کرتے تھے اور دو دانق اجرت لیتے (دانق ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے) جب کام سے واپس آتے تو والدہ کے لئے ان سے پھل وغیرہ خرید کر لاتے۔

اپنی والدہ کی بڑی خدمت کرتے ان کی وفات تک خدمت اور دیکھ بھال میں لگے رہے کہمس ٹھنڈے پانی کی نعمت کے صلے میں آنسو بہایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے حتیٰ کہ تھک جاتے۔ چنانچہ جب تھکتے اور ان میں سستی یا اکتاہٹ پیدا ہونے لگتی تو اپنے نفس کو سرزنش کرتے ہوئے فرماتے:

''اے ہر گناہ کی پناہ گاہ خدا کی قسم میں تجھ سے اللہ کے لئے کبھی راضی نہیں ہوں گا''۔

ایک گناہ پر چالیس سال رونا

ایک دن کہمس حضرت ابوسلمہ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اپنے گناہوں کا شکوہ کرنے لگے فرمایا کہ میں نے ایک ایسا گناہ کیا جس پر چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ ابو سلمہ کے چہرے پر حیرانی کے آثار تھے، کہنے لگے ابوعبداللہ ایسا کون سا گناہ کرلیا؟ کہمس نے کہا کہ ایک دن میرا بھائی مجھ سے ملنے آیا تو میں نے ایک دینار کی مچھلی خریدی۔ چنانچہ اس نے کھالی تو میں نے اٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا اٹھالیا تا کہ اس سے ہاتھ پونچھ لے۔ چنانچہ اس بات پر میں چالیس سال سے رو رہا ہوں کیونکہ وہ ٹکڑا میں نے اپنے پڑوسی کے علم میں لائے بغیر اٹھایا تھا۔

زہد وخشیت

ایک مرتبہ راستے میں کہمس کا کوئی دینار گر گیا چنانچہ یہ لوٹ کر گئے اور اسے

ڈھونڈنے لگے دینار مل بھی گیا۔ تو جب کہمسؒ نے اسے اٹھایا تو خود سے کہنے لگے کہ پتہ نہیں یہ دینار میرا ہے یا کسی اور کا دینار ہے۔ چنانچہ تقوے کے باعث اس دینار کو چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

والدہ سے حسن سلوک

ایک دن کہمس نے اپنے گھر میں ایک بچھو دیکھا تو اسے پکڑنا یا مارنا چاہا تو وہ تیزی سے ایک سوراخ میں گھس گیا کہمسؒ نے اس سوراخ میں اپنا ہاتھ ڈال دیا تاکہ بچھو کو پکڑ لیں مگر بچھو نے انہیں ڈنگ مار دیا۔ کسی نے انہیں کہا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ سوراخ سے نکل کر میری والدہ کے پاس آ کر انہیں کاٹ نہ لے۔

شام کے وقت عمرو بن عبید حضرت کہمسؒ کے پاس آتے انہیں سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ تو ان کی والدہ نے کہمس سے کہا کہ میں اسے اور ان کے ساتھیوں کو دیکھتی ہوں مجھے ناگواری ہوتی ہے یہ لوگ مجھے اچھے نہیں لگتے۔ چنانچہ جب عمرو بن عبید اور ان کے ساتھی آئے تو کہمس نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میری والدہ کو تم اور تمہارے ساتھی پسند نہیں ہیں لہٰذا تم میرے پاس نہ آیا کرو۔

کرامات

حضرت کہمس صاحب فضل کرامات تھے ان کی برکت ہر اونچی نیچی جگہ سے اڑتی محسوس ہوتی حتی کہ قریب و بعید کے سب لوگ پہچان گئے۔

ایک دن انہوں نے ایک درہم کا آٹا خریدا اور اسی آٹے میں سے ایک مدت تک کھاتے رہے جب کافی عرصہ ہو گیا تو انہوں نے اسے تولا تو وہ اتنا ہی نکلا جتنا رکھا تھا۔

وفات

۱۴۹ ہجری میں مکہ مکرمہ میں اپنے رب کے پڑوس سدھار گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ﴾

(وفات ۱۵۰ ہجری بمطابق ۷۶۷ء)

☆ تمام فقہاء فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

☆ فقہ کے امام اور تقوے کی درسگاہ۔

☆ سب سے پہلے فقہ کے غلاف کو کھولنے اور اس کے موتی نکالنے والے۔

☆☆☆

جس نے علم کے سمندروں میں تیراکی کی، مسائل کی امواج سے مقابلہ کیا، گہرائیوں تک پہنچا حتی کہ فقہ کے جواہر اور عمدہ جوہروں کو حاصل کیا۔ یہ ہیں حضرت نعمان بن ثابت الکوفی، ائمہ اربعہ میں سے ایک۔ صغار (چھوٹے) صحابہ کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ اور ان کا دل علم کی محبت سے روشن ہو گیا چنانچہ اس کی وجہ سے سفر کئے اور علم کے ماہرین سے ہر علاقے میں جا کر ملے حتی کہ فقہ کی انتہاء ان پر ہوگئی۔

بڑے خوبصورت اور چمکتے چہرے والے، میٹھی گفتگو، میٹھے بول کے مالک، قد زیادہ لمبا نہ بہت چھوٹا۔ خز کے کپڑوں کی تجارت کی اور علم حاصل کیا جب انہیں مہارت حاصل ہوگئی اور علم پختہ ہو گیا تو تدریس کے لئے وقف ہو گئے۔ (اور تجارت کو خیر باد کہہ دیا) یہ عہد کیا تھا کہ اگر دوران گفتگو قسم کھالی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔

مختلف ائمہ کا خراج تحسین

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کوفے آیا تو میں نے وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نام لیا۔ پھر میں نے سب سے بڑے زاہد کا نام پوچھا تو لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کا نام لیا۔ پھر میں نے سب سے بڑے متقی، پرہیز گار شخص کا نام لیا تو لوگوں نے امام ابوحنیفہ کا نام لیا۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کوئی عقل مند، افضل، اور نہ ہی ان سے زیادہ پرہیز گار شخص دیکھا۔

ابن مبارکؒ نے سفیان ثوریؒ سے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ غیبت سے پرہیز کرنے والا امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ میں نے انہیں کبھی دشمن کا بھی ذکر برائی سے کرتے نہیں دیکھا۔ یہ سن کر سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ اس بات کی عقل بہت زیادہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی نیکیوں پر کسی شخص کو مسلط نہیں کرتے جو ان کی نیکیوں کو بہا کر لے جائے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

تقویٰ وزہد

امام ابوحنیفہؒ نے بہت بڑے تقوے کو اپنایا تھا حتیٰ کہ اس کے ذریعے صحابہ کرام کے راستے تک جا پہنچے تھے اور آپ کے شوق اس مختصر جثہ میں بھڑکتے رہتے۔

حضرت حفص بن عبدالرحمٰن امام ابوحنیفہؒ کی کسی تجارت میں شریک تھے امام ابو حنیفہؒ انہیں خز کا کپڑا دے کر بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کافی سارا سامان دے کر انہیں بھیجا تو انہیں مال میں موجود عیوب گنوا دیئے کہ خریدار کو یہ عیب بتا دینا۔ چنانچہ حفص نے وہ سارا مال بیچ دیا لیکن خریداروں کو مال کے عیوب بتانا بھول گئے جب یہ بات امام ابو حنیفہؒ کو پتہ چلی اور خریداروں کو حفص جانتے بھی نہ تھے لہٰذا امام ابوحنیفہؒ نے وہ ساری رقم جو اس سامان سے حاصل ہوئی تھی صدقہ کر دی۔

خوف آخرت

خوف اور بکاء نے آپ کے دل کو ساکن کر دیا تھا۔ چنانچہ جب قرآن پڑھتے یا رات کو تہجد کے لئے کھڑے نماز میں قرآن پڑھتے تو ان کے رونے کی ایسی آواز سنائی دیتی جو دل کی رگوں کو کاٹ دے۔ کبھی تو پوری رات کھڑے بس یہی آیت دہراتے رہتے۔

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ﴾

(القمر آیت نمبر ۴۶)

ترجمہ ''بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی اندھیری اور کڑوی ہوگی۔''

حضرت امام ابوحنیفہؒ کسی بچھڑے بیٹے کی ماں کی طرح روتے رہتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔

ایک دن بیٹھے قرآن کریم کی تلاوت فرمارہے تھے کہ سورہ زلزال آگئی اوران پر کپکپی طاری ہوگئی اورخوف کے مارے پیشانی عرق آلودہوگئی۔اپنے ہاتھ سے اپنی داڑھی پکڑلی آنکھیں تضرع کے باعث چندھیاسی گئیں۔نہایت پست آواز سے فرمانے لگے۔ اے وہ ذات جو ذرہ برابر خیر کا بدلہ خیر سے دے گی اپنے بندے نعمان کو آگ سے پناہ دے دے۔ اور آگ اور اس کے درمیان دوری کردے اور اپنی واسع رحمت میں اس کو داخل فرما،اے ارحم الرحمین۔

عبدالرزاق امام ابوحنیفہؒ کا حال بیان کرتے ہیں کہ میں جب امام ابوحنیفہؒ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا مجھے ان کی آنکھوں اوران کے رخساروں پر رونے کے آثار نظر آتے۔

امام ابوحنیفہؒ بڑے بردبار تھے نصیحت کو پسند کرتے اور تعریف سے نفرت کرتے تھے ایک دن ایک شخص نے انہیں پکار کر کہا ''اللہ سے ڈرو'' چڑیا کی طرح پھڑکنے لگے۔ رنگ پیلا پڑ گیا اور جسم کپکپانے لگا پھراپنی بکھری سانسوں کو مجتمع کرکے فرمانے لگے۔اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ہر شخص ہر وقت اس جیسے کہنے والے کا محتاج ہے۔

حد درجہ سخاوت

امام ابوحنیفہؒ نے سخاوت اور انفاق کو گویا گود لے لیا تھا ان کی سخاوت کے واقعات مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں آپ کی زندگی سخاوت اور مال خرچ کرنے سے عبارت تھی اس قدر سخی تھے کہ جتنا اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے اتنا ہی محتاجوں وغیرہ پر صدقہ کیا کرتے تھے۔جب نیا کپڑا پہنتے تو مساکین کو اتنی ہی قیمت کے کپڑے عنایت فرماتے۔

سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ ہم جب امام کے ہاں جاتے تو وہاں ہمیں ایک چٹائی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ جتنا ہاتھوں سے خرچ کرنے کے شہسوار تھے عبادت میں ان کی شہسواری اس سے کم نہ تھی دن روزے میں رات عبادت میں گذارتے قرآن کے ساتھی

بنے رہتے اور صبح وشام استغفار کیا کرتے۔

عبادت وتواضع

ایک دن کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے تو لوگ ان کی طرف اشارے کر کے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے ان کی کوئی سرگوشی آپ کی سماعت تک بھی پہنچ گئی وہ کہہ رہے تھے اس شخص کو دیکھ رہے ہو یہ رات کو سوتا نہیں ہے۔ کانوں تک یہ سرگوشی پہنچتے ہی خود سے کہنے لگے کہ میں لوگوں کی نظروں میں ایسا ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا نہیں۔ لہٰذا آج سے لوگ میرے بارے میں وہ نہ کہیں گے جو میں نہیں کرتا اور آج سے رات میں کبھی بستر پر ٹیک بھی نہیں لگاؤں گا۔ چنانچہ اس دن سے جب رات کو اندھیرا ہو جاتا لوگ اپنے بستروں میں دبک جاتے تو امام ابو حنیفہؒ اپنے رب کے سامنے جا کھڑے ہوتے۔ مروی ہے کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور کثرت نماز کی وجہ سے لوگ ان کو گڑی ہوئی لکڑی کہنے لگے تھے۔ پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ لیتے تھے۔

امراء کے مال سے استغناء

تقدیر نے وہ زمانہ بھی دکھایا جس میں بادشاہوں اور حکمرانوں نے علماء کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ان کے پاس ضروریات زندگی کا ہر سامان ایسی جگہوں سے آجاتا کہ ان کو گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اپنے علم اور نفس کو اس ذلت سے بچا کر رکھا اور اس طرح کی کمائی سے بچ کر چلتے رہے اور رزق کے پیچھے بھاگنے سے ہمیشہ گریز کیا۔

ایک مرتبہ منصور (خلیفہ عباسی) نے آپ کو بلوا بھیجا اور آپ کا خوب اکرام کیا اور پھر جب امام ابو حنیفہؒ واپس ہونے لگے تو آپ کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کی جس میں تیس ہزار درہم تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے علماء کے تقوے کے ساتھ جواب دیا امیر المؤمنین میں بغداد میں اجنبی ہوں اور اس مال کی حفاظت نہیں کرسکوں گا لہٰذا یہ مال میری طرف سے بیت المال میں جمع کر کے محفوظ کرلیں مجھے جب ضرورت ہوگی میں آپ سے

مانگ لوں گا۔ چنانچہ دن تیزی سے گذرتے چلے گئے اور امام ابو حنیفہؒ دنیا میں اپنا وقت پورا کر کے رب تعالیٰ کے پڑوس چلے گئے۔ تو امام ابو حنیفہ کے گھر میں اتنی قیمت سے زیادہ لوگوں کی امانتیں رکھی ملیں۔ جب یہ بات خلیفہ منصور کو پتہ لگی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ پر رحم کرے اس نے ہمیں دھوکے میں رکھا اور ہم سے کچھ بھی لینے سے انکار کیا مگر انکار کرنے کا بڑا لطیف پیرایہ استعمال کیا۔

عہدہ قبول کرنے سے انکار

اسی خلیفہ منصور نے آپ کو طلب کیا اور عہدہ قضاء قبول کرنے کا مطالبہ کیا مگر آپ نے انکار کر دیا تو منصور نے کہا: کیا آپ ہماری بات سے اعراض کر رہے ہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ منصور نے کہا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا امیر المؤمنین نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر میں جھوٹا ہوں تو اس عہدے کا اہل نہیں ہوں اور اگر سچا ہوں تو بتا چکا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔

چنانچہ خلیفہ منصور نے قسم کھائی کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کو عہدہ قضاء پر بٹھا کر چھوڑے گا۔ اور امام حنیفہؒ نے بھی قسم کھالی کہ وہ قضاء کا عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ منصور کے حاجب ربیع نے کہا آپ دیکھ رہے ہیں کہ امیر المؤمنین نے قسم کھالی ہے پھر بھی آپ نے قسم کھالی؟ تو امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین اپنی قسم کے بارے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔ چنانچہ اس بات پر امام ابو حنیفہؒ پر تشدد کیا گیا اور بغداد کی ایک جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔

وفات

امام ابو حنیفہؒ نے جیل ہی میں اپنے رب کا پڑوس اختیار فرما لیا۔ اور ان کی پاکیزہ روح ۱۵۰ ہجری میں رب تعالیٰ کے حضور پیش ہوگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت عبداللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ﴾

(وفات ۱۵۱ ہجری بمطابق ۷۶۸ء)

☆ جس نے اپنے زہداور استقامت کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔

☆ صدقہ رات کی تاریکی میں دیتے کہ کہیں سورج کی روشنی بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

☆☆☆

اپنی والدہ سے ایک مرتبہ غلطی سے اونچی آواز سے بات کی تو کفارے میں دو غلام آزاد کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور دل کے تاروں میں پرہیز گاری رکھ دی تھی۔ یہ ہیں حضرت عبداللہ بن عون مدنی (ولاء کے اعتبار سے) جو کہ اہل بصرہ کے شیخ اور حافظ الحدیث تھے۔

اپنے آپ میں مگن رہتے کسی سے مذاق نہ کرتے اور نہ ہی تنگ کرتے۔ عراق میں ان جیسا سنت کا عالم کوئی نہ تھا ہر بات میں ثقہ تھے، جنگوں میں شریک ہوتے اور گھوڑ سوار ہوتے۔ ان کا ایک قریبی شخص روایت کرتا ہے کہ عبداللہ بن عون جب صبح کی نماز ادا کر لیتے مصلے پر ہی ذکر اذکار میں مشغول رہتے اور جب سورج طلوع ہو جاتا تو نماز اشراق پڑھتے پھر اپنے اصحاب کی جانب متوجہ ہوتے۔ اور میں نے انہیں کبھی کسی کو برا بھلا کہتے نہیں دیکھا چاہے وہ غلام ہو یا باندی ہی کیوں نہ ہوں، یا بکری یا مرغی ہی کیوں نہ ہوں۔

اپنی زندگی اس طرح گذاری کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے۔ اور جب کسی سے صلہ رحمی کرتے (عطیہ دیتے) تو خفیہ طور پر کرتے۔ صحیح ہو یا غلط قسم نہیں کھاتے تھے۔

قرہ بن خالد کہتے ہیں کہ ہم ابن سیرین کی پرہیزگاری پر تعجب کیا کرتے تھے۔ مگر ابن عون نے ان کی یاد بھلا دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ ابن عون کس وجہ سے بلند مرتبے پر پہنچے۔ انہوں نے جواب دیا۔ استقامت کی وجہ سے۔

زہد و عفت لسانی

یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ ابن عون لوگوں کے سردار دنیا چھوڑنے کی وجہ سے نہیں بنے بلکہ وہ ان کے سردار اپنی زبان کی حفاظت کی وجہ سے بنے۔

ابن عونؒ کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے اگر غصہ آ بھی جاتا تو زبان کی حفاظت کرتے کہ کہیں کوئی بری بات نہ نکلے بس اتنا فرماتے "بارک اللّٰہ فیک" اللہ تجھ میں برکت دے۔ (ایسا ہی ایک غلام کو کہا) تو غلام نے چیخ کر کہا کہ میں نے اونٹنی کی آنکھ پھوڑ دی ہے اور آپ "بارک اللّٰہ فیک" فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں اللہ تجھ میں برکت دے اور تو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے آزاد ہے۔

محاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عون جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اہل اسلام کے لئے اتنی زیادہ اچھی امید رکھنے والا ہو۔ چنانچہ اگر ابن عونؒ کے سامنے کسی شخص کے عیب کا ذکر کیا جاتا تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے۔

خارجہ بن مصعب، حضرت ابن عون سے اپنی مصاحبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عونؒ کی مصاحبت میں چوبیس سال رہا مگر نہیں جانتا کہ ملائکہ نے ان کا کوئی گناہ بھی لکھا ہو۔

ایک شخص نے ابن عونؒ سے جھگڑا کیا اور بڑی بُری باتیں کہیں تو ابن عونؒ نے ادب اور حیاء کے ساتھ فرمایا کہ اگر (ہر قول) نہ لکھا جا رہا ہوتا تو میں اس بارے میں وہ کچھ کہہ دیتا جو جانتا ہوں۔

مسلمانوں پر رحم

حضرت عبداللہ بن عونؒ کی کچھ دکانیں تھیں جنہیں وہ کرائے پر دیا کرتے تھے مگر مسلمانوں کو نہیں دیتے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ مسلمانوں کو دکان کرائے پر کیوں نہیں دیتے؟ تو فرمایا کہ جب مہینہ سر پر آتا ہے تو سر پر کرایہ دینے کی ایک دہشت سوار ہوتی ہے۔ مجھے ناپسند ہے کہ میں مسلمان کو خوف زدہ کروں۔

وفات

حضرت ابن عونؒ بیماری میں بستر پر لگ گئے مرض کے تیروں نے ان پر ہجوم کر دیا جسم ٹوٹ پھوٹ سا گیا مگر کبھی نہ درد کا اظہار کیا اور نہ کبھی آہ کی ابن عون آپ کے دیکھنے سے بھی زیادہ صبر والے انسان تھے انہوں نے اپنی تکلیف کا کبھی شکوہ نہیں کیا۔ حتیٰ کہ ۱۵۱ ہجری میں وفات پا گئے۔

﴿سیدنا حسان بن ابی سنان رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۵۱ ہجری بمطابق ۷۶۸ء)

☆ انہوں نے ایک سال محض اس لئے روزے رکھے کہ ان کے نفس نے پوچھا تھا کہ حجرہ کب بنا تھا۔؟

☆ پرہیز گاری نے ان کی آنکھیں نابینا کر دیں۔

☆ روزوں کے سمندر میں تہہ تک چلے گئے حتیٰ کہ اس سے موتی نکال لائے۔

☆☆☆

یہ ہیں حضرت حسان بن ابی سنان بصری جو کہ بڑے پرہیز گار عبادت گذاروں میں سے تھے۔ عربی فارسی اور سریانی لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری اور ثابت بنانیؒ سے بہت زیادہ روایت کرتے تھے۔ پھر عبادت میں لگ گئے تو روایت نہ کر سکے۔ اگر ان کی طرف کوئی دیکھتا تو انہیں بیمار سمجھتا۔

فرماتے تھے کہ تقویٰ کتنا آسان ہے کہ جب مجھے کسی چیز میں شک ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

ایک دن حسان ایک کمرے کے قریب سے گذرے جو راستے کے ایک طرف بنا ہوا تھا تو دل میں کہنے لگے کہ یہ کتنے عرصہ پہلے بنا ہوگا؟ پھر فوراً ہی اپنے نفس پر پل پڑے اور ڈانٹنے لگے کہ تجھے اس سے کیا کہ یہ کب بنا؟ تو لایعنی سوال پوچھتا ہے۔ اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے ایک سال کے روزے رکھے۔

تقوے سے آسان کوئی چیز نہیں

ایک صفاء اور ذکر کی مجلس میں حضرت یونس بن عبید اور حضرت حسان بن ابی سنان بیٹھے تھے۔ یونس بن عبیدؒ نے فرمایا کہ ورع (تقوے) سے زیادہ کسی سخت چیز کا میں نے (مقابلہ) علاج نہیں کیا۔ حسان بن ابی سنان نے فرمایا کہ میں نے تقوے سے زیادہ کسی آسان چیز کو نہیں پایا۔ تو یونسؒ نے حیرت سے فرمایا وہ کیسے؟ حسانؒ نے فرمایا کہ جو چیز مجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ کر میں اس چیز کی طرف چلا جاتا ہوں جو شک میں نہ ڈالے۔ چنانچہ میں راحت پالیتا ہوں۔

حسان بن ابی سنان عید کے دن نماز وغیرہ کے لئے نکلے پھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے کہا کہ آج میں نے بہت ساری خوبصورت عورتیں دیکھیں اور بار بار یہی کہتی رہی (کہ ادھر دیکھی ادھر دیکھی وغیرہ) تو حسان نے فرمایا تیرا ستیاناس ہو میں باہر گیا اور واپس آ گیا مگر میری نظر صرف اپنے انگوٹھے پر ہی رہی۔

حسان حضرت مالک بن دینار کی مجلس میں جایا کرتے تھے جب مالک بن دینارؒ گفتگو فرماتے تو حسان رو پڑتے حتیٰ کہ آنسوؤں سے سامنے کی زمین تر ہو جاتی اور مالک بن دینار کی آواز انہیں سنائی نہ دے پاتی۔

جود وسخاوت وزہد

حسان بن ابی سنانؒ بہت زیادہ صدقہ خیرات کرتے تھے، فرماتے کہ اگر مساکین نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔ حسان بصرہ کے تاجرین میں سے تھے ان کا ایک شراکت دار اھواز میں رہتا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ دونوں جمع ہوتے اور منافع تقسیم کر لیتے تھے چنانچہ اپنے حصے میں سے حسان اپنے گذارے کی رقم منہا کر کے باقی رقم صدقہ کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی اپنا حصہ منافع میں لے کر گذارے کی رقم نکال کر صدقہ کر دی تو کسی نے کہا کہ تمہارے گھر والوں کو دیکھا جائے ان کی ضرورت اس سے پہلے ظاہر نہیں ہوئی۔ ان کا خیال رکھو۔ تو حسان نے غمزدہ ہو کر فرمایا تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ چنانچہ تین سو درہم قرض لے کر ان کو بھجوائے۔

عبادت اور نسک

ان کی عبادت اور نسک کا ذکر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم ان کی زوجہ کی زبانی ان کی عبادت میں مشغولیت کا حال سنتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ حسان کی عادت یہ تھی کہ جیسے ہی رات اپنے پروں کو پھیلاتی تو وہ میرے بستر میں میرے پاس آجاتے اور جیسے ماں اپنے بچے کو بہلاتی ہے ایسے ہی مجھے بہلا کر سلا دیتے جب وہ یقین کر لیتے کہ میں سو گئی ہوں تو وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ میں نے ایک دن کہا اے ابو عبداللہ کیوں اپنے آپ کو اتنی تکلیف دیتے ہو؟ اپنے نفس پر نرمی کرو۔ تو قریب تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جھلک جاتے فرمانے لگے کہ خاموش ہو جاؤ۔ عنقریب میں ایسی نیند سو جاؤں گا جس سے ایک لمبے عرصے تک نہ اٹھ سکوں گا۔

حسانؒ نے اپنی پنڈلیوں سے چادر سمیٹ لی اور روزوں کے سمندر میں تیرنے لگے حتیٰ کہ اس کی تہہ تک جا پہنچے۔ ایک ٹکڑے سے افطار کرتے اور دوسرے ٹکڑے سے سحری کرتے حتیٰ کہ سوکھ گئے اور ان کا جسم کمزور پڑ گیا۔ اور وہ کسی خیالی ھیئت کی طرح نظر آنے لگے۔

آخری لمحات

حسان بن ابی سنانؒ بستر مرگ پر جا پہنچے اور ان کے ساتھی ان کا حال دیکھنے آئے تو پوچھا کیا محسوس کر رہے ہیں؟ جواب دیا کہ خیریت سے ہوں اگر میں آگ سے بچ جاؤں۔ کسی نے پوچھا کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا ہاں ایسی رات کی خواہش ہے جس کے دونوں اطراف صبح و شام بہت دور ہوں اور میں اس رات میں جیوں۔

جب ان کی وفات ہوئی تو انہیں غسل کے لئے لے جایا گیا تو جب ان کے کپڑے کھولے گئے تو وہ بالکل کالے دھاگے کی طرح تھے اور ان کے ساتھی یہ دیکھ کر روئے جا رہے تھے۔

وفات

۱۵۱ ہجری کے لگ بھگ حسان بن ابی سنان نے اپنے رب کا پڑوس اختیار فرما لیا۔

سیدنا حضرت وھیب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۵۳ ہجری بمطابق ۷۷۰ عیسوی)

☆ ایسا شخص جس نے قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ اسے ہنستا ہوا نہیں دیکھیں گے۔
☆ دلوں کے علاج کے ماہر۔
☆ ان کے کھانے کی پاکیزگی کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ بلند فرما دیا۔

☆☆☆

بحر زھد کے موتی، تقوے اور پرہیز گاری کے صدف ایک عابد اور مکی دانشور۔ یہ ہیں وھیب بن ورد بن ابی ورد مخزوی۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام عبدالوھاب تھا بعد میں تصغیر کر کے وھیب رکھ دیا گیا ثوری اور ابراھیم بن ادھمؒ کے ہم عصر ہیں اور ان عابدین وزاھدین میں سے ہیں جنہوں نے اپنے دل میں تقوے کو جمع کر رکھا تھا انہیں پاکیزہ کھانا ہی اچھا لگتا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک آخرت میں اپنا مقام نہیں جان لیں گے ہنسیں گے نہیں۔

بشر بن حارث کہتے ہیں کہ چار افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھانے کی پاکیزگی کے باعث بلند درجہ عطا فرمایا ان میں سے ایک وھیب بن ورد بھی ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ مسجد حرام میں حدیث پڑھاتے تھے جب سبق سے فارغ ہوتے تو فرماتے کہ چلو طیب (پاک شخص) کی طرف چلو۔ ان کی مراد طیب سے وھیب ہوتے۔

دنیا وھیب کے نزدیک سواری تھی لہٰذا وہ اس میں ایک لمحے کو بھی مشغول نہ ہوئے اور نہ ہی اپنا وقت چوری کرتے۔ ان سے دنیا کے زھد کے بابت سوال کیا گیا تو جواب دیا کہ زھد، یہ ہے کہ جو چیز ہاتھ سے نکل جائے اس پر افسوس نہ ہو اور جو چیز ہاتھ آئے اس پر خوش نہ ہو۔

وھیب دنیا کی مذمت کے بارے میں فرماتے کہ اگر مومن دنیا سے اس لئے

نفرت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی اس میں نافرمانی کی جاتی ہے تو اس پر حق بنتا ہے کہ وہ دنیا سے نفرت کرے۔

اہل دنیا سے بے گانگی

وھیب تنہائی اور لوگوں سے کم ملنے کی طرف مائل ہو گئے تھے چنانچہ فرمایا کہ میں نے لوگوں کے ساتھ پچاس سال ملتے جلتے گذارے لیکن کوئی ایسا شخص نہ ملا جس نے میرا کوئی گناہ معاف کیا ہو اور اگر میں نے قطع تعلق کیا ہو تو اس نے آ کر جوڑا ہو اور نہ کسی نے میرا کوئی عیب ڈھانکا اور جب وہ غصہ میں ہو تو میں اس سے کبھی امن میں نہیں رہا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا بہر حال بڑی حماقت ہے۔

خلوت وجلوت میں یکساں

ان کی تنہائی اور جلوت دونوں ایک جیسی تھیں وہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ خلوت وجلوت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کیا کریں۔ اور فرماتے کہ ایسا نہ ہو کہ تم سب کے سامنے تو ابلیس کو گالی دو اور تنہائی میں اس کے دوست ہو۔

وھیب یہ سمجھتے تھے کہ معصیت (نافرمانی وگناہ) ایسی نحوست ہے جو عبادت کی حلاوت اور اللہ کی قربت کے انس کو ختم کر دیتی ہے۔

ایک دن عبداللہ بن مبارکؒ بیٹھے وھیبؒ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا نافرمان شخص عبادت کی لذت پا سکتا ہے؟ وھیب نے خشیت جھلکاتے چہرے سے جواب دیا کہ نہیں اور وہ شخص بھی نہیں پا سکتا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو۔

تقوے کی کیفیت ومرتبہ

پرہیز گاری (تقوے) نے اپنی لاٹھی اپنی گردن پر رکھی اور وھیب کے دل میں براجمان ہونے چلا۔ وھیب کا دل حلال کھانے کی طرف متوجہ تھا وہ فرماتے کہ اگر تم اس ستون کی طرح نماز میں کھڑے رہو تو اس کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا حتی کہ تم یہ دیکھو کہ

تمہارے پیٹ میں جو گیا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

اور تقویٰ وھیب کے دل میں ایسے مرتبہ پر پہنچا کہ وہ زمزم کے کنویں سے بھی اپنی ملکیت کے ڈول سے ہی پانی نکال کر پیتے تھے۔

بے مثال ورع

ایک دن مکہ کی فضاء میں علم کے سرچشموں کا حلقہ لگا تھا حضرت فضیل بن عیاضؒ وھیب بن وردؒ، اور عبداللہ بن مبارک احادیث سن اور سنا رہے تھے کہ وہ نرم کھجور کا ذکر آ گیا۔ تو وھیب نے فوراً کہا کیا نرم کھجور بازار میں آ گئی؟ تو عبداللہ بن مبارک نے حیرت سے فرمایا کہ اللہ تم پر رحم کرے یہ تو اس کا آخری وقت چل رہا ہے کیا تم نے نہیں کھائی؟ وھیب نے نفی میں سر ہلا کر لبوں کو جنبش دی اور فرمایا نہیں۔ ابن مبارکؒ نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ مکہ کے باغ عام طور پر ان زمینوں پر بنے ہوئے ہیں جو حکمران یونہی لوگوں کی ملکیت کر دیا کرتے تھے اس لئے مجھے نرم کھجور ناپسند ہو گئی۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کیا ہمیں بازار سے خریدنے کی آسانی نہیں دی گئی؟ کیا ساری کھجوریں انہیں زمینوں کی ہیں؟ اور جو مصر وغیرہ سے آتی ہیں وہ تو ایسی نہیں ہیں نا؟ اور میں نہیں سمجھتا کہ تم مصری کھجور سے مستغنی ہو گئے؟ وھیب اتنی باتیں سن کر بے ہوش ہو گئے۔ تو فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ارے یہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تو ابن مبارک نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ سارا خوف اسے عطا ہو چکا ہے۔

جب وھیب بن ورد کو ہوش آیا اور وہ تکلیف کم ہو گئی تو فرمانے لگے اے ابن مبارک مجھے اپنی اجازتوں سے معاف رکھو واللہ میں کھجور صرف اسی طرح کھاؤں گا جیسے مجبور و مضطر شخص مردار کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی پرہیزگاری سے ان کا جسم سوکھ گیا اور جسم کمزور ہو گیا۔

خوف خدا کی حالت

اذان عصر کی آواز بلند ہوئی اور ابو صالح جدی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہوئے اور وھیب بن ورد کے برابر میں کھڑے ہو گئے۔ جب نماز مکمل ہوگئی تو انہوں نے وھیب کو دعا کرتے دیکھا۔ اے اللہ اگر میں نے نماز میں کوئی کمی یا کوتاہی کی ہے تو مجھے معاف فرمادے۔

ابو صالح کہتے ہیں کہ وہ اس طرح دعا گو تھے کہ گویا کوئی بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا جس سے وہ مغفرت مانگ رہے تھے۔

وفات

۱۵۳ ہجری مکہ میں حضرت وھیب بن وردؒ نے اپنے رب کا پڑوس اختیار کرلیا۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۵۷ ہجری بمطابق ۷۷۴ عیسوی)

☆ علم نے ان کی وفات پر سوگ کے کپڑے پہنے۔
☆ ان کی گفتگو بادشاہوں کی تلوار سے زیادہ بارعب تھی۔
☆ دنیا والوں کے درمیان عالم کے لقب کے ساتھ زندہ تھے اور آسمان والوں میں شہید کے لقب کے ساتھ پہنچے۔

☆☆☆

دنیا ان کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے آئی مگر انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دنیا ان کے نزدیک سراب اور عاریت کی طرح تھی۔ یہ ہیں حضرت امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ قبیلہ اوزاع سے تعلق تھا۔ دیار شام میں فقہ اور زہد کے امام تھے۔ شام کے علاقے بعلبک میں پیدا ہوئے اور بیروت میں مقیم ہوئے۔

اپنے زمانے کے یکتا اور اپنے دور کے امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے میں ملامت گروں کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کو عہدہ قضاء کی پیش کش ہوئی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ بڑی شان والے تھے ان کا حکم بادشاہوں کے حکم سے زیادہ قدر رکھتا تھا۔ بڑے علم و فضل کے مالک تھے۔ بیروت منتقل ہو گئے تھے اور وفات تک وہیں مقیم رہے۔

ہم قلم اور تاریخ کو یہ موقع دیتے ہیں کہ وہ اس عظیم زاہد کے بارے میں ہمیں بتائے ہمیں ان کا راستہ ان کی ہیئت اور حال کے بارے میں بیان کرے۔

یہ بشر بن ولید تاریخ کے صفحات سے ہمیں بیان کر رہے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی کو دیکھا گویا کہ وہ خشوع کی وجہ سے نابینا ہو چکے تھے۔

عباس بن ولید امام اوزاعیؒ کے اخلاق بیان کر رہے ہیں کہ بادشاہان اس بات سے عاجز ہو گئے کہ وہ اپنے اندر اور اپنی اولادوں میں امام اوزاعیؒ جیسے اخلاق پیدا کر سکیں۔

ایک دن ایک شخص نے آ کر ان سے خشوع کے بارے میں سوال کیا فرمایا کہ خشوع نظریں جھکانے، بازو جھکانے، دل کی نرمی یعنی خوف اور رنج کا نام ہے۔

انہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا زندگی کو مال جمع کرنے سے دور رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت امام اوزاعی نے صرف چھ دینار ترکہ میں چھوڑے۔

امام اوزاعی کا تقویٰ وخشیت

خاموشی کو لازم کر لیا تھا، تنہائی پسند کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ عافیت کے دس حصے ہیں اور ان میں سے نو حصے خاموشی اور ایک حصہ لوگوں سے دور بھاگنا ہے۔

امام اوزاعیؒ کے پاس دو ہتھیار تھے (۱) تقویٰ (۲) حکمرانوں کے ہاں سنی جانے والی ان کی بات۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی شخص ان کے لئے شہد بھرا مٹکا تحفہ میں لایا اور پھر کہا کہ

بعلبک کے والی کو میرے لئے سفارشی خط لکھ دیں۔ چنانچہ امام اوزاعیؒ نے ہیبت وقناعت کے ساتھ فرمایا کہ یہ مٹکا لے جاؤ اور میں سفارشی خط لکھ رہا ہوں چنانچہ انہوں نے سفارشی خط لکھدیا۔ اور والی نے ان کے سالانہ وظیفہ سے تیس دینار کاٹ لئے۔

نیک لوگوں کے درمیان مرتبہ

امام اوزاعیؒ کی محبت عام اور نیک صالحین کے دلوں میں جاگزین تھی چنانچہ جب یہ حج کے لئے گئے تو سفیان ثوری ان کے استقبال کو پہنچے اور قافلے سے ان کا اونٹ علیحدہ کر کے اس کی مہار اپنی گردن میں ڈال لی اور لے چلے جہاں لوگوں کے ہجوم سے گذرتے آواز لگاتے "شیخ کے لئے راستہ دو"۔

امام اوزاعیؒ نیک سیرت، عبادت، زھد اور تقوے کے حامل تھے۔ رات کو نمازیں پڑھتے اور لوگوں کو اس کی نصیحت بھی فرماتے تھے۔ ان کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو طویل (نمازیں پڑھے گا) قیام کرے گا۔ قیامت کے دن اس کا کھڑا ہونا آسان ہو جائے گا۔

امام اوزاعیؒ صبح کی نماز پڑھ کر کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے اور تہلیل و تسبیح میں کھو جاتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔

ابوجعفر منصور کو نصیحت

ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے انہیں بلوا بھیجا۔ کچھ نصیحت کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ امام اوزاعیؒ نے پوچھا امیر المؤمنین آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں آپ سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

اے امیر المؤمنین جس بندے کے پاس اللہ کی طرف سے اس کے دین کے بارے میں کوئی نصیحت پہنچے وہ اللہ کی طرف سے اس کو بھیجی جانے والی نصیحت ہے اگر وہ اسے شکر کے ساتھ (عمل بالجوارح) قبول کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ کی طرف سے یہ اس کے خلاف حجت بنے گی اور گناہ اس کا زیادہ شمار ہوگا۔

اے امیر المومنین! اگر بادشاہت آپ سے پہلے والوں کے پاس ہمیشہ رہتی تو آپ تک نہ پہنچتی۔ یہ ہرگز آپ کے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی جیسا کہ دوسروں کے پاس نہ رہی۔

"اے امیر المومنین جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت حاصل کرے اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں اور اسے جو اللہ کی نافرمانی کے ذریعے حاصل کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے ہیں اور نیچا کر دکھاتے ہیں۔ بس میری یہی نصیحت ہے والسلام علیک۔ امام اوزاعی یہ فرما کر اٹھے اور واپس چلے گئے۔"

آنسو بہانے والے

امام اوزاعیؒ کے بہت جلد آنسو آجاتے تھے۔ دل خوف اور موت کی یاد سے بھرا ہوا تھا۔ ان کی والدہ ایک مرتبہ انہیں محراب میں عبادت کرتا دیکھ رہی تھیں جب یہ نماز پڑھ کر وہاں سے ہٹ گئے تو والدہ نے سجدے کی جگہ کو جا کر ٹٹولا تو وہ آنسوؤں سے تر تھی۔

ایک مرتبہ اپنے احباب اور شاگردوں کے پاس گئے اور اپنی نظران کے چہروں پر دوڑاتے رہے۔ پھر بلند آواز سے نصیحت فرمائی کہ "جو موت کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اسے تھوڑا سا (رزق) بھی کافی ہو جاتا ہے۔

وفات

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ بیروت میں ۱۵۷ ہجری میں وفات پا گئے اور پوری زندگی جس شہادت کی تمنا تھی وہ پوری ہوگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۵۸ ہجری بمطابق ۷۷۴ عیسوی)

☆ وہ اپنے دور کے حکمرانوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین ہلا دیتے تھے۔
☆ ایسا شخص جس کی گفتگو دلوں کے تار کاٹ دیتی تھی۔
☆ اس نے اپنے دل میں ایک غموں کا گھر بنالیا تھا۔

☆☆☆

یہ ہیں محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن حارث بن ابی ذئب۔شیخ الاسلام، ابوالحارث قریشی عامری، مدنی، جو کہ بڑے فقیہ محدث اور زاھد شخص تھے اور حضرت سعید بن میتبؒ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

زھد وتقویٰ

لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار فضول کام اور فضول بات سے بالکل دور، لوگوں سے بہت زیادہ حسن ظن رکھنے والے، بڑے کریم تھے فقراء کے ساتھ خوب بھلائی کرتے ان کے الفاظ دلوں تک اپنا راستہ خود بنا لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور فضائل پر عمل کے لئے صحراء کی ہوا سے زیادہ تیز تھے۔

ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے، ان کی غذا روٹی اور تیل ہوتی، رقیق الحال انسان تھے، فتنہ سے دور رہتے تھے۔حق کے معاملے میں جرات رکھتے کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے بادشاہان ان سے مرعوب رہتے تھے۔

خراج تحسین

امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ ان علاقوں میں ان جیسا کوئی دوسرا نہیں آیا نہ ہی کسی دوسرے علاقے میں۔ وہ مالک سے زیادہ پرہیزگار اور حق گو تھے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جتنا مجھے ابن ابی ذئب کی وفات کا افسوس ہے اتنا

افسوس کسی پر نہیں ہوا۔ (یعنی ان سے نہ مل سکنے کا دکھ ہوا کیونکہ امام شافعیؒ ان کی وفات کے وقت صرف آٹھ سال کے بچے تھے۔)

ان کی عبادت اور تقویٰ بے مثل تھے پوری رات نماز میں گذارتے اور عبادت میں بہت محنت مشقت کرتے، حتیٰ کہ اگر انہیں یہ کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہے، تو وہ عام دنوں سے زیادہ عبادت نہ کر پاتے۔

ابن ابی الذئب گویا حق کے ترکش میں ایک تیر تھے۔ ان کی آواز بادشاہوں کی سماعت کو لرزا دیتی اور زمین کو امراء کے پاؤں کے نیچے سے سرکا دیتی تھی۔

حق گوئی و بے باکی

خلیفہ ابوجعفر منصور اور ابن ابی ذئب اور حضرت انس بن مالک نے ایک ساتھ حج کیا، تو ابن ابی ذئب کو ابوجعفر نے بلوایا اور اپنے ساتھ دارالندوہ میں بٹھایا۔ اور پوچھا کہ آپ مدینہ کے امیر حسن بن زید کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ وہ عدل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ابن ابی ذئب نے فرمایا اس عمارت (کعبہ) کے رب کی قسم تو پکا ظالم ہے۔ یہ سن کر ابوجعفر کے حاجب نے ان کی داڑھی پکڑ لی تو ابوجعفر چیخا انہیں چھوڑ دے۔ اس کے بعد ابوجعفر نے ابن ابی ذئب کو تین سو دینار دینے کا حکم دیا مگر ابن ابی ذئب نے لینے سے انکار کر دیا۔

خلیفہ مہدی حج کے سال مدینہ آیا اور مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو مسجد کے تمام حاضرین سوائے ابن ابی ذئب کے، اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ابن زہیر نے کہا کہ کھڑے ہو جایئے۔ یہ امیر المؤمنین ہیں۔ تو ابن ابی ذئب نے پہاڑوں کی سی سر بلندی کے ساتھ جواب دیا کہ لوگ تو صرف رب العالمین کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ مہدی کی پیشانی پر ان کے رعب کے مارے پسینہ آ گیا۔ کہنے لگا کہ انہیں چھوڑ دو میرے سر کے سارے بال کھڑے ہو چکے ہیں۔

ابن ابی ذئب مدینے کے والی اور منصور کے چچا عبدالصمد کے پاس گئے اور

اس سے کچھ بات چیت کی تو عبدالصمد نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تم ریا کار ہو، تو ابن ابی ذئب نے زمین سے ایک چھوٹی سی لکڑی اٹھائی اور اس کے سامنے کر کے فرمایا کہ میں کسے دکھاؤں گا سارے لوگ میرے نزدیک اس لکڑی سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں۔

وفات

ابن ابی ذئب کوفہ میں ۱۵۸ ہجری کو انتقال فرما گئے۔

﴿سیدنا حضرت حیوہ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۵۸ ہجری بمطابق ۷۷۴ عیسوی)

☆ جب انہیں وظیفہ ملتا تو اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے اور جب واپس گھر آتے تو انہیں سارا مال بستر کے نیچے رکھا ملتا۔

☆ آنکھوں کے آنسوؤں سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی۔

☆ ان کی حالت ان کے وصف سے زیادہ جلیل القدر تھی۔

☆☆☆

ایک معزز، عبادت گذار شخص، امام ربانی، فقیہ، دیار مصر کے شیخ، یہ ہیں حضرت حیوہ بن شریح بن صفوان بن مالک کندی، مصری، ابو زرعہ۔ جو کہ امام، حافظ اور ثقہ، مستجاب الدعوات، رقیق الحال اور رونے والے انسان تھے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں مجھے حیوہ کے بارے میں بتایا گیا تو ان کی حالت ان کے بارے میں بتائے جانے والے اوصاف سے زیادہ تھی۔

ابن وھبؒ کہتے ہیں کہ میں نے حیوہ سے زیادہ اپنے عمل کو بے وقعت سمجھنے والا شخص نہیں دیکھا۔

زھد و کرامات

حیوہ اپنی سالانہ عطاء (وظیفہ) ساٹھ دینار وصول کرتے تھے اور گھر جانے سے

پہلے اسے صدقہ کر دیتے پھر گھر جاتے تو وہ ساٹھ کے ساٹھ دینار بستر کے نیچے رکھے مل جاتے۔

چنانچہ جب یہ بات ان کے چچا زاد بھائی کو پتہ لگی تو اس نے بھی وظیفہ سارا صدقہ کر دیا اور گھر آ کر بستر کے نیچے دیکھا تو اسے وہاں رقم نہ ملی تو اس نے حیوہ سے اس کا شکوہ کیا تو حیوہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر یقین کے ساتھ صدقہ کرتا ہوں اور تم نے تجربے کے طور پر صدقہ کیا ہے۔

وفات

۱۵۸ ہجری میں ان کی روح آخرت کے لالہ زار کی طرف پرواز کر گئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سلیمان خواص رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۱ ہجری بمطابق ۷۷۷ عیسوی)

☆ رات کے اندھیروں کو قبر میں روشنی کے لئے جگائے رکھا۔

☆ اپنی دنیا سے روٹی اور نمک کے ساتھ معاملہ کیا۔

☆ اپنے زھد کے ذریعے دل سے دنیا کے وسوسے نکال دیئے۔

☆ ایسا شخص جس پر غموں نے ہجوم کر دیا تھا۔

☆☆☆

ایک عابد اور زاہد، اکابرین اہل شام میں سے ہیں جس نے اپنے لئے ایک خاص زندگی بنائی جس کے فصیلیں بڑی اونچی اور ناقابل تسخیر تھیں۔ یہ ہیں حضرت سلیمان الخواصؒ جن کے دل پر فتنوں اور خواہش نے حملہ کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے ان کے روز وشب روزے اور آہ و بکاہ میں گزرتے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف نے ان کے دل میں گھر کر لیا تھا۔

سلیمان خواص چند علماء کے ساتھ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے ان میں امام

اوزاعیؒ اور سعید بن عبدالعزیز بھی تھے امام اوزاعی، نے زاھدوں کا ذکر چھیڑا اور ان کی سیرت بیان کرنے لگے۔ اتنے میں سعید بن عبدالعزیز نے کہا کہ میں نے سلیمان خواص سے زیادہ کسی کو زاہد نہیں دیکھا۔ (انہوں نے سلیمان کو مجلس میں دیکھا نہ تھا) یہ سن کر سلیمانؒ نے سر ڈھانک لیا اور خاموشی سے وہاں سے چلے گئے تو امام اوزاعی، سعید کی صرف متوجہ ہو کر ان سے خفگی کا اظہار کرنے لگے کہ تمہارا بھلا ہو۔ عقل سے کام لو دیکھو کہ تمہارے سر سے نکل کیا رہا ہے تم نے ہمارے ہم نشین کو اس کے سامنے تعریف کر کے تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

زہد کی کیفیت

ایک رات سعید بن عبدالعزیز بیروت میں سلیمان خواص کے ہاں گئے دیکھا کہ وہ سخت اندھیرے میں بیٹھے ہیں تو پوچھا کہ یہ اندھیرا کیسا؟ تو سلیمانؒ نے جواب دیا کہ قبر میں اس سے زیادہ اندھیرا ہوگا۔ پھر سعید نے ایک تھیلی درہموں کی نکال کر انہیں دی اور کہا کہ دوست کا دوست پر حق ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اپنے دوست کا حق ادا نہ کرسکوں۔ پھر کہا کہ آپ یہ (درہم) لیں میں آپ کے لئے یہ قسم اللہ کے سامنے کھا رہا ہوں کہ یہ حلال ہیں۔ سلیمانؒ نے فرمایا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ تو سعید نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ سلیمان خواص یہ سنتے ہی چیخ پڑے۔ سعید تمہیں کیا ہو گیا ہے پہلے تم نے مجھے دنیا کے ذریعے فتنہ میں ڈالا اور اب دین کے ذریعے فتنہ میں ڈال رہے ہو؟

وفات

۱۶۰ ہجری کے لگ بھگ حضرت سلیمان خواصؒ کی روح اپنے رب کے پاس پرواز کر گئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۶۱ ہجری بمطابق ۷۷۸ عیسوی)

☆ انہوں نے دنیا میں زہد اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حکمت پیدا کر دی۔

☆ دنیا کے لئے کچھ نہ چھوڑا سوائے اس کے جو آخرت سے بچا۔

☆ دنیا میں تیرتے رہے مگر ان کے کپڑے بھی نہ بھیگے۔

☆ تقویٰ کے تالے سے خواہش کا دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

جوانی کے آغاز ہی میں دین علم حاصل کر لیا اور چڑھتی جوانی میں ان سے علم حاصل کیا جاتا تھا۔ مصیبت کو نعمت سمجھتے اور آسانی کو مصیبت سمجھتے۔ یہ ہیں حضرت سفیان بن سعید بن مسروق ثوری جو امت کے عالم، شیخ الاسلام، حفاظ کے امام، علماء کے سردار، امیر المؤمنین فی الحدیث، اور علم و فضل میں اپنے زمانے کے سردار تھے۔

''ان کا دل غموں کا گھر تھا اور دوزخ کے خوف سے معمور تھا۔''

کوفہ میں پیدا ہوئے یہیں پلے بڑھے، منصور نے انہیں ولایت قبول کرنے پر بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کوفہ سے فرار ہو کر مکہ اور مدینہ میں آبسے پھر انہیں مہدی نے طلب کیا مگر یہ چھپ گئے اور بصرہ منتقل ہو گئے اور روپوشی ہی کے دور میں ان کی وفات ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی یادداشت عطا فرمائی تھی کہ جو چاہے اس میں بھر جائے پھر کوئی بات بھولتے نہ تھے۔ وہ اپنی یادداشت کے بارے میں خود بتاتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کوئی ایسی بات نہیں رکھی جس نے مجھ سے خیانت کی ہو۔ (یعنی بھول گئے ہوں)

علم کے سمندر تھے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت

کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ہلکے سائے اور دھیمی مسکراہٹ کے مالک تھے۔ اپنے دل کے ذریعے تقویٰ کے علاقے میں معززین اور متقین کے گھر میں پہنچ گئے اور خشیت کے کانٹے ان کے اور دنیا کی لذتوں کے درمیان آڑ بن گئے۔

ایک فقیہؒ کا قول ہے اگر ثوری نہ ہوتے تو تقویٰ مرجاتا۔

شعبہؒ کا قول ہے کہ تقویٰ اور علم کے ذریعے سفیان لوگوں کے سردار بنے۔

احمد بن یونس کا قول ہے کہ میں نے سفیان سے بڑا عالم، بڑا متقی، کوئی بڑا فقیہ اور بڑا زاہد نہیں دیکھا۔

حضرت ثوری اور زہد

حضرت سفیان ثوری سے کسی نے پوچھا کہ زھد کیا ہے؟ فرمایا مرتبے کا گرنا اور امیدوں کا کم ہونا۔ اور فرماتے کہ دنیا میں زھد یہ ہے کہ لوگوں سے دور رہو اور لوگوں میں زہد (ان سے دور رہنے) کا پہلا قدم اپنے آپ میں زھد ہے۔ سفیان ثوریؒ نے لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے دنیا سے محبت کی اور اس سے خوش ہوا آخرت کا خوف اس کے دل سے اتر گیا۔

ثوریؒ دعا فرماتے۔ اے اللہ دنیا کو ہمارے ہاتھوں میں دے دے اور ہمارے دلوں میں مت دے۔ اور فرماتے کہ تقویٰ دین کا سرمایہ ہے اور آخرت کے معاملے کی تکمیل ہے۔

جیسے ہی رات ہوتی سفیان ثوری اپنی محراب میں داخل ہو جاتے اور دروازہ بند کر لیتے اور پکارتے۔ اے میرے خدا ہر محبوب اپنے محبوب کے ساتھ تنہا ہے اور اے میرے محبوب میں تیرے ساتھ تنہا ہوں۔

دنیا سے بے رغبتی اور زہد

حضرت ثوریؒ نے دنیا کو پس پشت ڈال دیا تھا اور اس کی زینت میں سے کچھ نہ لیا صرف گذارے کی مقدار ہی حاصل کی۔ فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا کے لئے اتنا عمل

کرو جتنا تمہیں یہاں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنا عمل کرو جتنا وہاں رہنا ہے۔''

علی بن ثابت حضرت ثوریؒ کی ھیئت اور حال کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو مکہ کے راستے میں دیکھا تو ان کے پاس موجود ہر چیز کی قیمت کا میں نے اندازہ کیا حتی کہ ان کی جوتیوں کا بھی، تو وہ چار دانق کی جوتی تھی۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم مکہ کے راستے میں سفیان ثوریؒ سے ملتے اور تمہارے پاس دو پیسے ہوتے اور تم انہیں صدقہ کرنا چاہتے اگر تم سفیان کو پہچانتے نہ ہوتے تو وہ دو پیسے ان کے ہاتھ میں رکھ دیتے۔

دنیا میں تعمیر سے استغناء

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عمارت یا گھر بنانے کے لئے ایک درہم بھی خرچ نہیں کیا۔ سفیانؒ نے تین باتوں کا عہد کیا تھا۔ (۱) کوئی ان کی خدمت نہ کرے گا۔ (۲) ان کے لئے کپڑا نہیں لپیٹا جائے گا۔ (۳) اور یہ کہ وہ اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھیں گے۔ (اپنے لئے کوئی مکان یا گھر نہیں بنائیں گے)

حضرت ثوریؒ ان لوگوں کا جو دنیا اور مال جمع کرتے ہیں مذاق اڑاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ "دنیۃ" گھٹیا اور ردی ہے اور مال کو مال اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جس کے پاس ہوتا ہے اسے جھکا دیتا ہے۔

ثوریؒ شہرت کو ناپسند کرتے تھے اور نہ ظاہر ہونے میں رغبت رکھتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے آکر نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ شہرت سے بچو۔

علی بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے سفیانؒ کو مجلس کے درمیان میں کبھی نہیں دیکھا وہ ہمیشہ دیوار کی جانب بیٹھتے اور بیٹھ کر دونوں گھٹنے ساتھ ملا لیتے۔

سفیان ثوریؒ خود اپنے گرد موجود لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنی یہ چپل لوں اور ایسی جگہ جا کر بیٹھوں جہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ ہو۔

تقویٰ و خشیت

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کو کوئی کپڑا تحفہ میں دیا مگر انہوں نے لینے سے

انکار کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں آپ سے حدیث پڑھنے والا آپ کا کوئی شاگرد نہیں ہوں کہ آپ میرا تحفہ واپس کر دیں۔ تو سفیان ثوریؒ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے حدیث کے شاگرد نہیں ہو لیکن تمہارا بھائی میرے پاس حدیث پڑھتا ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوسرے شاگردوں کے مقابلے میں میرا دل اس کے لئے زیادہ نرم نہ ہو جائے۔

ایک دن حضرت ثوریؒ اپنے دوستوں میں بیٹھے اپنے ایک گناہ کا شکوہ کر رہے تھے۔ فرمایا کہ ایک گناہ کی وجہ سے میں نے عہد کیا کہ اس کے بدلے میں پانچ ماہ تک روزے رکھوں گا اور راتوں کو قیام کروں گا (نماز پڑھوں گا) چنانچہ کسی نے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا؟ تو فرمایا کہ میں نے مسجد میں ایک شخص کو روتے دیکھا تو دل میں سوچا کہ یہ شخص ریا کاری کر رہا ہے۔

ایک دن سنار کے پاس گئے تو ان کا ایک دینار گر گیا جب یہ اٹھانے لگے تو اس کے برابر میں ایک اور دینار پڑا تھا لہٰذا یہ اپنے دینار کو پہچان نہ سکے۔ چنانچہ تقویٰ کے باعث دونوں دینار وہیں چھوڑ دیئے۔

تباہی اور شاہوں سے بیزاری

جب مہدی خلیفہ بنا تو اس نے ثوریؒ کو بلوایا اور جب یہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر ان کی طرف پھینکی اور کہا کہ یہ میری انگوٹھی ہے۔ جاؤ امت کے لوگوں میں قرآن وسنت کے ذریعے کام کرو۔ (والی وغیرہ بن جاؤ) تو حضرت سفیان ثوریؒ نے اس سے امان مانگی جو اس نے دے دی۔ تو حضرت سفیانؒ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین آپ مجھے بلوایا نہ کریں جب تک کہ میں خود ہی آپ کے پاس نہ آجاؤں۔ اور جب تک کوئی چیز خود نہ مانگوں نہ دیا کریں۔ اتنا کہہ کر وہاں سے نکل گئے۔ مہدی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے انہیں سزا دینی چاہی تو اس کے کاتب نے اسے کہا کہ آپ انہیں امان دے چکے ہیں۔

محمد بن ابراہیم ہاشمی نے سفیان ثوریؒ کے پاس دو سو دینار بھیجے تو انہوں نے

قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے ان کے سامنے ذلیل ہونا پسند نہیں ہے۔

پولیس والوں سے نفرت

حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ رات کو کہیں چلے جا رہے تھے کہ دور سے ایک آگ دیکھی تو پوچھا کہ یہ آگ کیسی ہے؟ کسی نے بتایا کہ یہ پولیس والوں نے جلا رکھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں دوسرے راستے سے لے چلو ہم ان کی آگ کی روشنی سے بھی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔

حکمرانوں کے پاس جانے سے بیزاری

کسی نے کہا کہ اگر آپ امراء کے پاس آئیں جائیں تو (اچھا ہے) فرمانے لگے کہ مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں میرے کھڑے ہونے کے بارے میں پوچھ لیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ کسی نے کہا کہ آپ کہہ دیا کریں اور اپنی حفاظت کریں، تو فرمایا کہ تم مجھے سمندر تیرنے کا حکم دے رہے ہو اور یہ کہ میرے کپڑے بھی نہ بھیگیں۔

سفیان ثوریؒ کا دل خدا کے خوف اور رعب سے معمور تھا۔ چڑیا کی طرح پھڑکتے رہتے آنکھیں کبھی خشک نہ ہوتی تھیں اور آہ و بکاہ کی آواز مسلسل آتی رہتی تھی۔

عطاء الخفاف کہتے ہیں کہ میں جب بھی سفیانؒ سے ملا وہ روتے ہوئے نظر آئے تو میں نے پوچھ لیا آپ کو کیا ہوا؟ آنسو بہاتے ہوئے حضرت سفیان نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں کہیں بد بخت نہ ٹھہرا دیا جاؤں۔

رات کو سوتے اچانک ہڑ بڑا کر پکارتے ہوئے اٹھ بیٹھتے۔ آگ آگ۔ مجھے آگ کی یاد نے نیند اور دوسری خواہشات سے غافل کر دیا ہے۔

ایک شخص حضرت سفیان ثوریؒ کا پیچھا کیا کرتا تھا۔ تو وہ ہمیشہ ایک دیوار کے نیچے سے ایک رقعہ نکال کر پڑھتے دیکھتا جسے یہ پڑھ کر دوبارہ رکھ دیتے۔ اس کے دل میں یہ بات آئی کہ دیکھوں تو اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ اس نے وہ رقعہ نکال کر پڑھا تو اس

میں لکھا تھا کہ ''اے سفیان اللہ عزوجل کے سامنے اپنے کھڑے ہونے کو یاد رکھنا۔''

آخری لمحات

عبدالرحمٰن بن مہدی حضرت سفیان ثوریؒ کی وفات کے وقت کا حال بیان کرتے ہیں کہ سفیان کا میرے ہاں انتقال ہوا تھا۔ جب انہیں تکلیف بڑھی تو وہ رونے لگے۔ کسی نے پوچھا اے ابوعبداللہ مجھے لگتا ہے کہ آپ نے بہت گناہ کئے ہیں۔ تو زمین سے انہوں نے کوئی چیز اٹھائی اور فرمایا کہ میرے نزدیک میرے گناہ اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں۔ مجھے تو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں موت سے پہلے میرا ایمان سلب نہ ہو جائے۔

وفات

۱۶۱ ہجری میں حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے رب کا پڑوس اختیار کر لیا۔ وفات کے بعد حضرت حماد بن زید آئے دیکھا کہ ان کا جسم چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔ فرمانے لگے ''اے سفیان مجھے آج تمہاری کثرت حدیث پر رشک نہیں آ رہا بلکہ مجھے تمہارے ان اعمال پر رشک آ رہا ہے جو تم نے آگے بھیجے ہیں۔

☆☆☆

سیدنا حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۱ھ بمطابق ۷۷۸ عیسوی)

☆ زاھدین کا ایک بڑا شخص۔

☆ جس کا شعار دنیا میں موت تک تقویٰ رہا۔

☆ ریشمی کپڑوں کو چھوڑ کر موٹے کپڑوں کے پیچھے چھپ گئے۔

☆ اپنی پہلی زندگی کے صفحات لپیٹ کر نئی زندگی کے صفحات کھول کر ہمیشہ باقی رہنے والوں میں سے ہو گئے۔

☆☆☆

ان کا تعلق اس قافلے سے تھا جس نے دنیا کو حقیر جانا اور جاں نثاری کے حیرت

انگیز سبق پیش کیے۔ یہ ہیں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ بن منصور تیمی بلخی، ابواسحاق، امیر، زاہد، رہنما، عارف باللہ، زاھدین کے سردار، تقویٰ کی درس گاہ کے استاد، مشہور زاہد۔ جن کے نام نے تاریخ کے کانوں کو بھر دیا، شہزادے تھے بڑے نازونعم میں پلے بڑھے تھے۔

ان کے والد بادشاہوں میں سے تھے کہا جاتا ہے کہ بلخ کے مال داروں میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا کی چنانچہ مالداری کو پس پشت ڈال پھینکا اور علم، فقہ اور تقویٰ کی تلاش میں چار دانگ عالم میں سیاحت کو نکل پڑے۔

بڑے پرہیزگاروں میں سے تھے کھیتی باڑی اور باغوں کی رکھوالی کر کے زندگی گذارتے تھے بڑے ثقہ، فقیہ اور عارف باللہ تھے ان کی کرامات اور دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہے۔

زھد وخشیت

دنیا کے تذکرے سے اپنی زبان کو پاک رکھا اور اپنے دل کو خیر کی محراب میں پھرتے چھوڑ دیا۔ فرمانبرداری کی عزت سے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے غصہ اور دنیا کی ذلت سے بچایا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھمؒ صفات میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے مشابہ تھے اگر صحابہ میں سے ہوتے تو بڑے فاضل ہوتے۔

ایک دن صاف دل کے ساتھ بیٹھے سوکھی روٹی کا ٹکڑا کھا رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ اگر بادشاہوں اور شہزادوں کو معلوم ہو جائے کہ ہماری اس حالت میں کتنی نعمتیں اور مزے ہیں تو وہ زندگی بھر اس کے حصول کے لیے تلواروں کے ساتھ ہم سے لڑتے رہیں۔

زھد کے بارے میں ان کا ارشاد ہے کہ زھد، فرض، سلامتی، اور فضیلت ہے۔ فرض زھد، حرام سے دور رہنا ہے۔ سلامتی والا زھد شبہات سے بچنا ہے اور فضیلت والا زھد حلال چیزوں سے دوری اختیار کرنا ہے۔

لوگوں کو حصول رزق حلال کی نصیحت کرتے اور اس کی ترغیب دیتے، فرماتے کہ حلال کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے جو چاہو مانگ لو۔

ایک دن ایک شخص ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اس کا دل پھٹنے کے قریب تھا پوچھنے لگا۔ اے ابو اسحاق بتائیے کہ اللہ تعالیٰ سے دل کیوں محجوب ہیں؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کا ادراک کیوں نہیں کر سکتے) فرمایا اس لئے کہ دل اللہ کی مبغوض چیزوں کو پسند کرتے ہیں دنیا کو چاہتے ہیں اور غرور کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

دعاؤں کی قبولیت

ایک دن ابراہیم بن ادھمؒ سمندر کے سفر پر تھے کہ اچانک سخت آندھی چلی اور موجیں پہاڑوں کی طرح بلند ہو گئیں حتیٰ کہ لوگ ہلاکت کے قریب ہو گئے۔ ابراہیم سو رہے تھے تو ان کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ لوگ چیخ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ ابراہیمؒ نے اپنا سر اٹھایا اور گڑگڑا کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ اے اللہ تو نے ہمیں اپنی قدرت دکھا دی اب ہمیں اپنا عفو در گذر دکھا دے۔ بس اتنی دعا کی تھی کہ سمندر فوراً ساکن ہو گیا بالکل ایسے جیسے کہ کوئی تیل سے بھرا پیالہ ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا۔

یقین کامل

ابراہیم بن ادھمؒ کا دل رزق کے بارے میں ایمان سے معمور تھا۔ اللہ پر توکل کے بارے میں یقین سے پر تھا۔ ایک دن کسی شخص نے اپنے عیال کی کثرت کا شکوہ کیا تو اسے ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا:

''میرے بھائی اپنے گھر میں موجود ہر شخص کو دیکھو ان میں سے جو شخص ایسا ہو کہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔

دنیاوی آسائشوں سے فرار

اچھی زندگی اور دنیا سے یوں دور بھاگتے تھے جیسے لوگ موت سے دور بھاگتے ہیں۔ ایک شخص خراسان سے آیا اور لوگوں کے ہجوم میں اس نے آواز لگائی تم میں ابراہیم بن ادھم کون ہیں؟ کسی نے کہا یہ ہیں۔ تو اس نے کہا کہ مجھے آپ کے بھائیوں نے بھیجا ہے۔ ابراہیم نے اپنے بھائیوں کا نام سنا تو اٹھے اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف

لے گئے۔ پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں آپ کا غلام ہوں۔ یہ خچر آپ کا ہے اور میرے پاس دس ہزار درہم ہیں جسے آپ خود پر خرچ کریں اور بلخ چلیں، تو حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو تو آزاد ہے خچر تیرا ہے اور ساری رقم تیری ہے تو اسے خود خرچ کر لے۔ اور پھر یہ فرمانے لگے کہ ہم نے فقر مانگا تو مال داری ہمارے سامنے آتی ہے اور لوگ مال داری مانگتے ہیں تو ان کے سامنے فقر آتا ہے۔

وفات

۱۶۱ ہجری میں الجزیرہ میں ان کا انتقال ہو گیا اور ان کی میت وہاں سے شہر ''صور'' لائی گئی اور وہیں تدفین ہیں۔

☆☆☆

سیدنا حضرت داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۵ھ بمطابق ۷۸۱عیسوی)

☆ اگر داؤد گذشتہ امتوں میں سے ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان کا قصہ ضرور بیان کرتے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ان کی بغیر مال کے مدد کی بغیر نسب کے عزت عطا کی اور بغیر انسان کے انسیت عطا کی۔

☆ انہوں نے اپنی زبان کو ذکر کے سوا ہر چیز سے روک دیا اور نفس کو اس کی اصل قید سے پہلے خود قید کر دیا۔

☆☆☆

اس نے سخاوت کی لگام اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لی۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کی سواری پر چپکے سے سوار ہو گئے۔ یہ ہیں ابوسلیمان داؤد الطائی، کوفی، جو کہ امام، فقیہ اور صاحب بصیرت زاہد، ولی اور فقہ اور رائے کے ائمہ میں سے ایک تھے۔ امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ پھر اپنے نفس کی حالت کی طرف متوجہ ہو گئے اور خاموشی اختیار کر لی۔

دنیا سے یوں دور بھاگے جس طرح کوئی شیر سے دور بھاگتا ہے۔ ان سے اگر حدیث کا سوال پوچھا جاتا تو کہتے کہ مجھے چھوڑ دو میرا سانس نکلنے والا ہے۔ اور اگر قرآن کریم کے متعلق سوال کیا جاتا تو فرماتے کہ جواب ختم ہو گئے۔

ان کا زھد کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے کسی کو قبرستان میں یہ شعر نوحہ میں پڑھتے سنا۔

(ترجمہ) اور تیرے کس رخسار پر بوسیدگی ظاہر ہوگی اور تیری کون سی آنکھ رہے گی جب وہ بہہ جائیں گی۔

اقوال زریں

داؤد طائی کا قول ہے کہ زھد یہ ہے کہ کوئی شخص قادر ہونے کے بعد چھوڑ دے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو گناہوں کی ذلت سے نکال کر تقوے کی عزت کی طرف لاتا ہے اسے بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر خاندان کے عزت عطا کرتا ہے اور بغیر انسانوں کے اسے انس عطا کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ زھد کے لئے یقین، علم عبادت کے لئے اور مصروفیت کے لئے عبادت کافی ہے۔

داؤد الطائی کے پاس حارث بن ادریس آئے اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمایئے۔ داؤد طائی نے فرمایا کہ مردوں کا لشکر تمہارے انتظار میں ہے۔ ایک اور شخص کو فرمایا۔ دنیا سے روزہ رکھ لو اور اپنی افطار اس میں موت کو بنا لو۔ اور لوگوں سے اس طرح دور بھاگو جس طرح درندے سے دور بھاگتے ہیں۔ اور اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کرو۔

ایک شخص نے آکر حدیث کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو میرا سانس نکلنے والا ہے۔ حضرت سفیان کہتے تھے کہ طائی نے اپنا معاملہ دیکھ لیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری آکر بیٹھے تو داؤد نے فرمایا کہ جب تم ٹھنڈا پیتے رہو گے اور لذیذ کھانے کھاتے رہو گے اور سائے میں چلتے رہو گے تو موت اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کو کب پسند کرو گے؟ یہ سن کر سفیان ثوریؒ رونے لگے حتیٰ کہ اس کی شدت

سے رونے کی آواز بھی بند ہو گئی۔

ایک دن ابن سماک ان کے پاس آئے اور نصیحت کرنے کی درخواست کی تو داؤد نے فرمایا۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس جگہ نہ دیکھے جہاں کا اس نے تمہیں منع فرمایا ہے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا ہے وہاں تمہیں غیر حاضر نہ پائے، اس کے قریب ہونے اور اس کی تم پر قدرت وطاقت کے ہونے سے حیا کرو۔

زھد کی کیفیت

داؤد طائی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دنیا کو دور کر دیا تھا اور اپنا سینہ بھی دھکے کے لئے بڑھا دیا تھا اور پھر اپنے نفس کی طرف ہی متوجہ رہے حتی کہ اس کا تزکیہ کر لیا۔ دنیا ان کے ہاتھ میں عاریت کی طرح تھی ان کا پیٹ دنیا میں زیادہ مشغول نہیں رہا۔

ایک دن داؤد طائی کی خادمہ (باندی) نے کہا کہ کوئی چکنی چیز پکا لوں؟ تو فرمایا ہاں پکا لو۔ چنانچہ اسنے چربی پکائی اور ان کے پاس لائی تو انہوں نے پوچھا فلاں قوم کے یتیموں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہی حال ہے۔ تو فرمایا کہ یہ کھانا ان کے پاس لے جاؤ کیونکہ اگر میں نے اسے کھا لیا تو یہ پاخانے میں نکل جائے گا اور اگر وہ یتیم اسے کھائیں گے تو ہم اسے اللہ تعالیٰ کے پاس ذخیرہ کر دیں گے۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد ان کے گھر کی کسی خاتون نے گھی میں ثرید بنا کر ان کے افطار کرنے کے وقت اپنی خادمہ کے ہاتھ بھیجی تو باندی نے پیالہ ان کے سامنے لا کر رکھا۔ داؤد اسے کھانے کے لئے آئے تو اسی وقت ایک سائل نے دروازے پر صدا لگائی۔ داؤد وہ پیالہ اٹھا کر اس سائل کے پاس لے گئے اور اس کے پاس دروازے پر ہی بیٹھ گئے حتی کہ اس سائل نے وہ کھانا کھا لیا۔ داؤد پھر گھر میں آئے پیالہ دھویا اور ان کے پاس رات کے کھانے کے لئے کھجوریں تھیں وہ اس پیالے میں ڈال کر خادمہ کو دے دیں اور فرمایا کہ انہیں میرا سلام کہنا۔ وہ خادمہ کہتی ہے کہ جو کھانا ہم لے گئے تھے وہ انہوں نے سائل کو دے دیا اور جو اپنی افطار وغیرہ کے لئے رکھا تھا وہ ہمیں دے دیا، میرا خیال

ہے کہ رات انہوں نے بھوکے ہی گزاردی۔

اچھا دنیا میں کھاؤں تو آخرت میں کیا ہوگا

ایک شخص مغرب کے بعد داؤد طائی کے گھر آیا، داؤدؒ نے اس کے سامنے روٹی کے سوکھے ٹکڑے پیش کئے وہ کھانے لگا تو اسے پیاس لگی تو اس نے اٹھ کر اس برتن سے جس میں پانی تھا پینے کے لئے پانی لیا تو وہ گرم تھا۔ تو اس شخص نے کہا۔ اے داؤد، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اگر آپ اس برتن کے علاوہ کسی اور برتن میں پانی رکھ لیں تو اچھا ہے۔ تو داؤد طائیؒ نے جواب دیا کہ اگر میں صرف ٹھنڈا پانی پیوں اور ہمیشہ اچھا ہی کھاؤں اور ہمیشہ نرم کپڑا ہی پہنوں تو میں نے آخرت کے لئے کیا بچایا۔

دنیا کی حقیقت کی معرفت

داؤد طائی جان گئے تھے کہ دنیا دھوکے کا گھر ہے لہٰذا انہوں نے اپنے نفس کو اس کی تعمیر میں محنت نہیں کرائی اور نہ ہی اس کے لئے کچھ جمع کیا۔ چنانچہ ایک دن ایک شخص داؤد طائیؒ کے گھر میں داخل ہوا اور اس نے گھر میں نظر دوڑائی تو کوئی اچھی چیز نظر نہ آئی گھر کسی کھنڈر کا نمونہ پیش کر رہا تھا تو اس نے بڑی رحمدلی سے کہا، آپ اس ویران گھر میں رہتے ہیں تو داؤد نے خوف سے معمور لہجے میں جواب دیا کہ میری قبر کی ویرانی میرے اور دنیا کی ویرانی کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔

صالح عجلی حضرت داؤد طائیؒ کے گھر کی حالت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن داؤد طائی کے گھر میں داخل ہوا، اس وقت ان کا مرض وفات تھا ان کے گھر میں سوائے ایک برتن کے جس میں سوکھی روٹیاں تھیں، ایک لوٹے اور تکیے کی جگہ استعمال ہونے والے اینٹ کے ٹکڑے کے کچھ نہ تھا۔ ان کے گھر میں کم یا زیادہ کچھ نہ تھا۔

خود احتسابی اور داؤد طائیؒ

چاشت کے وقت امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد داؤد طائی کی خدمت میں

تشریف لائے تو انہیں یہ کہتے سنا کہ تو نے چوزہ کھانے کی خواہش کی تو میں نے تجھے کھلا دیا۔ پھر تو نے چوزہ اور کھجور کھانے کی خواہش کی تو میں نے انکار کر دیا کہ تو یہ کبھی نہیں کھائے گا۔" حماد کہتے ہیں کہ میں اندر گیا اور انہیں سلام کیا تو اس وقت خود اپنے آپ کو ڈانٹ رہے تھے۔

ایک دن داؤد طائی باہر نکلے تو انہوں نے کٹا پھٹا سا جبہ پہن رکھا تھا جس پر فقر و حاجت کے تیر لگے تھے۔ ایک شخص نے انہیں دیکھ کر عرض کیا کہ آپ اسے سلوا ہی لیتے؟ تو فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فضول دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

جب داؤد طائیؒ بیمار ہوئے تو لوگ دیکھنے آئے اور صحت دریافت کی اور عرض کیا کہ اگر آپ گھر کے صحن میں نکل آئیں تو اچھا ہے وہاں ہوا زیادہ ہے اور آپ کو آرام ملے گا۔ تو فرمایا کہ اگر میں ایک قدم بھی اٹھاؤں گا وہ لکھ دیا جائے گا کہ میں نے بدن کے آرام کو طلب کیا تھا۔ یہ مجھے پسند نہیں۔

وفات

۱۶۵ ہجری میں حضرت داؤد طائیؒ کی روح پرواز کرگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت وراد عجلی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۶۵ھ بمطابق ۷۸۱ عیسوی)

☆ وہ شخص جس کی قبر قدرت کی طرف سے گلدستوں سے سجادی گئی ہو۔

☆ جس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ جب تک اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لے گا ہنسے گا نہیں۔

☆ جس نے دنیا کے خلاف زھد اور تقوے سے مدد لی۔

☆☆☆

یہ ہیں حضرت ورّاد عجلی جو کہ عبادت گذار متقی اور بڑے تابعین میں سے تھے

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو پایا تھا۔ بڑے نیک انسان تھے۔ بڑی عبادت اور تقویٰ والے تھے۔ ان کا دل آخرت کے خوف سے بھرا ہوا تھا۔ بڑی ہیبت اور وقار کے مالک تھے۔

زھد وتقویٰ

مسجد چھپ کر آتے تھے۔ انہیں ظاہر ہونا پسند نہ تھا ایک کونے میں جا کر نماز پڑھتے دعا کرتے اور روتے رہتے اور دن کا کافی حصہ وہاں گذارتے پھر نکل جاتے۔ پھر دوبارہ ظہر کی نماز کے لئے آتے تو جماعت کے علاوہ اوقات میں عشاء تک وہیں نماز ،دعا، اور بکاء، میں مشغول رہتے پھر مسجد سے نکلتے کسی سے بات نہ کرتے۔ اگر ان کو کوئی شخص دیکھتا اوران کے بارے میں پوچھتا تو اسے جواب دیا جاتا کہ یہ وراد عجلیؒ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے کہ وہ جب تک اللہ رب العالمین کے رخ مبارک کو نہ دیکھ لیں گے ہنسیں گے نہیں۔

خوف خدا

حضرت ابو ذر غفاریؓ کے گرد ہجوم لگا تھا اور وہ انہیں قیامت اور اس کے زلزلے کے دھماکے اور خطرناکی سے ڈرارہے تھے کہ وراد عجلی اپنے نفس پر متوجہ ہوئے اور اسے بکاء کے سمندر میں ڈبودیا اور چیخیں مارتے لوٹ پوٹ ہوتے رہے حتی کہ انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لیجایا گیا۔ تو حضرت ابو ذرؓ نے چہرے پر افسوس کے آثار کے ساتھ فرمایا ہم سے کیا کوتاہی ہوئی کہ اس کے دل کو زخمی کر گئی حتی کہ اسے اس قدر رلا دیا پھر پکار کر کہا اے بنو عجل کے بھائی، واللہ یہ صرف تیرے دل کی صفاء اور نکھار کی وجہ سے ہے اور ہمارے دلوں پر گناہوں کے ڈھیر لگے ہیں۔

رات کی عبادت اور دعائیں

ہم اس زاہد کی رات کی عبادت کا حال ان کے ایک رشتہ دار کی زبانی سنتے ہیں

کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری اور وراد عجلی کی رشتہ داری تھی۔ میں نے ان کی چھوٹی بہن سے پوچھا کہ ان کی رات کیسی ہوتی تھی؟ اس نے بتایا کہ وہ ساری رات گڑگڑا کر روتے رہتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ان کا کھانا کیا تھا؟ اس نے بتایا کہ افطار کے وقت ایک ٹکڑا اور دوسرا ٹکڑا رات کے آخر وقت میں سحری کے وقت۔ میں نے پوچھا کہ کیا تمہیں ان کی کوئی دعا یاد ہے تو اس نے بتایا کہ ہاں جب سحر یا طلوع فجر کا وقت قریب ہوتا تو یہ سجدہ کرتے اور رونے لگتے اور فرماتے۔ اے میرے مولیٰ تیرا بندہ تیری فرمانبرداری سے جڑنا چاہتا ہے اس کی مدد کر، اے منان اپنی توفیق سے اس کی مدد کر۔ اے میرے مولی تیرا بندہ تیری ناراضگی سے بچنے کو پسند کرتا ہے تو اے منان اپنے احسان سے اس کی مدد کر، اے میرے مولیٰ۔ تیرا بندہ بھلائی کی بڑی امیدیں رکھتا ہے جس دن خیر کے ساتھ کامیاب ہونے والے خوش ہوں گے اس دن اس کی امید مت توڑنا۔ صبح تک وہ اسی حال میں رہتے۔

قبر میں گلدستوں کا بستر

تقدیر کا داؤ وراد عجلی پر چلا اور ان کو اس نے بستر مرگ لٹا دیا اور ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ چنانچہ جب انہیں قبر تک لیجایا گیا۔ اور کچھ لوگ قبر میں اترے تو دیکھا کہ قبر میں گلدستوں کا بستر بچھا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی ایک گلدستہ لے گیا۔ اور وہ اس کے پاس تقریباً ستر دن تک تازہ موجود رہا اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور لوگوں کا صبح وشام تانتا بندھا رہا وہ آکر دیدار کرتے۔ چنانچہ وہاں کے حکمران کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے۔ لہٰذا ایک آدمی بھیج کر وہ گلدستہ اس سے لے لیا اور لوگوں کو منتشر کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ پھر یہ گلدستہ حکمران کے گھر تھا کہ اچانک وہاں سے غائب ہو گیا اور اسے پتہ ہی نہ چلا کہ گلدستہ کیسے (اور کہاں) چلا گیا۔

وفات

وراد عجلی کی وفات ۱۶۵ کے لگ بھگ ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۷۵ھ بمطابق ۷۹۱ عیسوی)

☆ ان کا صدقہ انہیں جنت کی طرف لے اڑا۔
☆ انہوں نے دنیا کے دراہم اس لئے خرچ کئے تا کہ آخرت کے خزانے تک پہنچیں۔
☆ انہوں نے اپنی سوانح نور کے قلم سے لکھی۔
☆ لوگ جس سے راحت میں تھے اور یہ اپنی وجہ سے پریشان تھے۔

☆☆☆

انہوں نے ہر لذت اور خواہش سے اپنے نفس کو روک دیا تھا۔ جنہوں نے مال خرچ کرنے اور عطاء کرنے میں بڑی حیرت انگیز مثالیں قائم کیں۔ سخاوت کی لگامیں اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑلیں دیار مصر کا فخر، فقیہ اور زاھد، یہ ہیں حضرت لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن ابو حارث۔ اپنے دور میں اہل مصر کے امام، محدث اور علامہ تھے۔

اصل میں خراسان کے رہنے والے تھے ان کی پیدائش ''قلقشندہ'' نامی گاؤں میں ہوئی۔ بڑے سخی اور فیاض تھے۔ لوگوں کی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے مجلس لگاتے اور جو شخص جو کچھ بھی مانگتا اسے عطا کرتے۔ اپنے گھر کو محتاجوں کی پناہ گاہ بنا رکھا تھا۔ سردیوں میں کھجور اور شہد کے ساتھ لوگوں کو ھریسہ (گوشت اور گندم کا ایک کھانا) کھلایا کرتے تھے اور گرمیوں میں بادام کا ستو پلایا کرتے تھے۔

ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بھر گئی تھی امراء کوئی فیصلہ ان کے حکم کے بغیر نہیں کرتے تھے۔

لیث بن سعد کی سالانہ آمدنی پچیس ہزار دینار تھی جسے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے سال ختم نہیں ہوتا تھا کہ ان پر قرض چڑھ جاتا تھا اور کبھی زکواۃ واجب نہیں ہو پاتی تھی۔

ابن یونس کہتے ہیں کہ لیث بن سعد کا مصر میں ایک گاؤں تھا جس کا نام ''فرماء'' تھا اس کا سالانہ خراج ان کے پاس آتا تھا تو آنے والی رقم کو وہ چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں باندھ کر رکھ دیتے تھے اور پھر اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھ جاتے اور ایک تھیلی اسے دی دوسری اسے۔ اس طرح معمولی سی رقم ان کے پاس بچتی باقی یوں ہی بانٹ دیتے تھے۔

سخاوت کے ساتھ زھد

حضرت یحییٰ بن بکیر ایک دن ان کے ہاں پہنچے دیکھا کہ دروازے پر غریبوں کا ہجوم لگا ہے اور وہ ہر ایک کو صدقہ عطا کر رہے ہیں حتی کہ وہاں کوئی نہ بچا۔ پھر میں اور لیث بن سعد وہاں سے چلے اور تقریباً ستر بیواؤں کے گھر گئے (انہیں خرچ وغیرہ دیا) پھر وہاں سے لوٹے تو میں ساتھ تھا انہوں نے غلام کو بھیج کر روٹی اور زیتون کا تیل منگوایا جب ہم گھر پہنچے تو وہاں چالیس کے قریب مہمان موجود تھے جن کے لئے گوشت اور حلوہ منگوایا۔

جب صبح ہوئی تو میں نے غلام سے پوچھا کہ یہ روٹی اور حلوہ کس کے لئے ہے؟ اس نے بتایا کہ لیث کے لئے ہے؟ وہ اپنے مہمانوں کو گوشت اور حلوہ کھلاتے ہیں اور میں نے انہیں زیتون کے تیل اور روٹی کے سوا کچھ کھاتے نہیں دیکھا۔

ایک دن ان کے پاس ایک عورت آئی جس پر فقر و حاجت کے آثار نمایاں تھے اس نے کہا۔ اے ابوالحارث میرا بیٹا بیمار ہے اور اسے شہد کی خواہش ہے تو لیث نے آواز لگائی۔ اے لڑکے اسے ایک مبرط (بارہ رطل کا برتن ہوتا ہے) شہد دے دو۔

امام مالک اور لیث بن سعد

امام مالکؒ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا ارادہ بیٹی کی رخصتی کرنے کا ہے لہٰذا تم مجھے کچھ زرد رنگ بھجوا دو۔ تو انہوں نے تیس اونٹوں پر لاد کر زرد رنگ بھجوایا۔ امام مالکؒ نے اپنی بیٹی کی رخصتی مع ساز و سامان کے کر دی اور باقی لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

امام لیث کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حج پر گیا تو ہم مدینے آئے تو امام مالکؒ نے تر کھجوروں کا ایک طباق میرے والد کی خدمت میں بھیجا۔

چنانچہ جب ہم کھجوریں کھا چکے تو میرے والد نے اسی طباق میں ایک ہزار دینار رکھ کر اسے امام مالکؒ کی خدمت میں بھجوا دیا۔

لیث بن سعد کو مصر سے خلیفہ ہارون رشید کے پاس دمشق لیجایا گیا وہ فقہی مسائل پوچھنا چاہتا تھا۔ پھر اس نے بعد میں پوچھا کہ آپ کے شہر کی درستگی (کھیتی باغ اور فصل وغیرہ کی سیرابی) کس چیز سے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دریائے نیل کے بہاؤ اور اس کے امیر کی نیکی اور درستگی سے اور ایک سرچشمہ ہے (مراد امیر المؤمنین تھے) جو گدلا پن لے آتا ہے اگر وہ نکھرا ہو تو زمینیں نکھر جاتی ہیں یہ سن کر ہارون نے خوشی اور تعجب سے سر ہلایا اور خشوع کے ساتھ کہا۔ آپ سچ کہتے ہیں۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون نے پانچ ہزار دینار لیث کو دینے کا حکم دیا جو لیث نے اسے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ اسے مجھ سے زیادہ ضرورت مند شخص پر خرچ کریں۔

وفات

حضرت لیث بن سعد جمعہ کے دن ۱۷۵ھ میں وفات پا گئے شعبان ختم ہونے میں چودہ راتیں باقی تھیں۔ نماز جمعہ کے بعد قاہرہ میں تدفین ہوئی۔

محمد بن وھب کہتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کے جنازے میں شریک تھا میں نے اتنا بڑا اور لوگوں کی اتنی کثیر تعداد والا جنازہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے سب لوگوں کو روتے دیکھا۔ سب پر غم اور شکستہ دلی طاری تھی لوگ ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے۔

لیث بن سعدؒ کی وفات کے بعد ایک شخص ان کے بیٹے شعیب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کے والد ہر مہینے مجھے ایک سو دینار دیا کرتے تھے چنانچہ شعیب نے اسے ننانوے دینار دیئے تو اس شخص نے کہا کہ کیا ایک دینار مزید دینے سے آپ عاجز ہو گئے ہیں؟ تو شعیب نے جواب دیا کہ نہیں لیکن میں نے ایسا اپنے والد کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے کیا ہے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۱۷۹ھ بمطابق ۷۹۵ عیسوی)

☆ ایسے گھر میں پیدا ہوئے جس کے اہلیان اپنے سینوں میں قرآن اٹھائے ہوئے تھے۔

☆ دل انکے زھد اور تواضع کی وجہ سے جمع ہو گئے تھے۔

☆ ان کی والدہ نے انہیں ایمان اور ادب کا دودھ پلایا تھا۔

☆ جب بھی حدیث بیان کرتے باوضو بیان کرتے۔

☆☆☆

امام دارالھجرۃ (مدینہ) امت کی حجت، شیخ الاسلام، ایک ذہین اور عقل مند انسان یہ ہیں حضرت امام مالک بن انس اصبحی مدنی۔ جو کہ ذی مروہ نامی علاقے میں پیدا ہوئے جو مدینہ منورہ سے ۹۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ علم سے محبت ہوگئی اور دل میں اس کے ساتھ شغف انگڑائی لینے لگا تو والدہ محترمہ نے علم کے کپڑے پہنا دیئے اور فرمایا جاؤ ربیعہ کے پاس جاؤ اور علم سے پہلے ان کا ادب حاصل کرو۔

امام مالکؒ کا حافظہ بڑا قوی تھا اہل مدینہ کا سارا علم ان تک جمع ہو گیا تھا بہت زیادہ تلاوت کرنے والے اور راتوں کو طویل بکاء کرنے والے شخص تھے۔

امام مالکؒ کو خراج تحسین

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں اگر مجھے کہا جاتا کہ امت کے لئے امام چنو تو میں امام مالک کو چنتا۔ امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ واللہ میں نے ان سے زیادہ جلدی صحیح جواب دینے اور مکمل زھد والا شخص نہیں دیکھا۔ ابن وھب کا قول ہے کہ ''میری آنکھ نے امام مالک جیسا متقی پرہیز گار شخص نہیں دیکھا۔

ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس کے دل میں امام مالک کے دل سے زیادہ ھیبت ہو۔

محمد بن خالد کہتے ہیں کہ جب میں امام مالک کے چہرے کی طرف دیکھتا تو میں ان کے چہرے میں آخرت کی نشانیاں دیکھتا اور جب وہ گفتگو کرتے تو میں جان لیتا کہ حق ان کے منہ سے نکل رہا ہے۔

امام مالکؒ اور زہد

امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں زہد تین چیزیں ہیں، پاکیزہ کمائی، کوتاہ امیدی، اور اللہ کے ہاں موجود نعمتوں پر اعتماد اور بھروسہ۔ اور فرمایا کہ "علم ایک نور ہے اور وہ سوائے متقی اور خشوع رکھنے والے دل کے کسی سے تعلق نہیں رکھتا۔" ایک اور جگہ فرمایا کہ جو چاہے کہ اس کے دل میں خوشیاں کھل جائیں اور وہ موت کی سختیوں اور قیامت کی ہولنا کیوں سے نجات پا جائے، تو اس کا عمل تنہائی میں اس کی جلوت سے زیادہ ہونا چاہیے۔

علم کی قدر ومنزلت امام کی نظر میں

علم ان کے نزدیک بہت زیادہ عزت وشرف والا تھا اس لئے وہ صرف اس کے مستحق ولائق شخص کو علم سکھایا کرتے خاص طور پر رسول اکرم ﷺ کی احادیث کا علم۔

چنانچہ ایک دن ابن حازم کے پاس سے گذرے تو وہ حدیث پڑھا رہے تھے، امام مالک وہاں سے آگے بڑھ گئے کسی نے ان سے تذکرہ کیا تو فرمایا کہ وہاں جگہ نہیں تھی اس لئے میں وہاں سے آگے بڑھ گیا کیونکہ مجھے کھڑے ہو کر حدیث سننا ناپسند ہے۔

ابن مہدی ہمیں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، جس سے احادیث رسول اکرم ﷺ کی ان کے دل میں قدر ومنزلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے ساتھ ایک دن چل رہا تھا عقیق کی طرف جا رہے تھے تو میں نے ان سے حدیث رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ تمہاری وقعت میری نظر میں اس سے زیادہ تھی کیا تم مجھ سے اس حال میں حدیث رسول اللہ ﷺ پوچھ رہے ہو کہ ہم دونوں چل رہے ہیں۔

جب امام مالک حدیث بیان کرنے لگتے تو وضوفرماتے اوراپنے بچھونے پر بیٹھ جاتے اور داڑھی میں کنگھی بھی کرتے اور بڑے وقار اور ہیبت سے تشریف فرما ہوتے پھر حدیث بیان فرماتے۔ ان سے کسی نے اس اہتمام کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کروں۔

ہارون رشید حج کے لئے آیا تو امام مالکؒ کے ہاں بھی آیا اور دروازے پر آکر داخل ہونے کی اجازت مانگی تو امام مالک نے اسے روک دیا پھر کچھ دیر بعد اجازت دی۔ جب ہارون اندر آیا تو اس نے کہا۔ اے ابوعبداللہ آپ نے ہمیں دروازے پر روک دیا؟ تو امام مالک نے فرمایا واللہ اے امیر المؤمنین میں نے اس سے زیادہ وقت نہیں لگایا کہ میں وضو کرلوں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ صرف احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سننے تشریف لائے ہیں لہٰذا میں نے یہ پسند کیا کہ میں اس کی تیاری کرلوں۔

تقویٰ وزھد

امام مالکؒ نے اپنی زندگی شبہات سے بچتے اور ڈرتے گذاری لہٰذا وہ کسی بھی معاملے پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی رضا ان کا نصب العین ہوتی۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی فتویٰ دینا چاہا تو میں نے خود سے زیادہ بڑے عالم سے ضرور پوچھ لیا کہ شاید وہ میرے لئے اس میں کوئی دوسرا مقام سمجھتے ہوں۔ اور جب فتویٰ دیتے تو یہ آیت تلاوت فرماتے ...... ہم تو محض گمان کرتے ہیں اور ہمیں اس کا یقین نہیں ہے۔ (الجاثیہ آیت نمبر ۳۲)

امام مالکؒ زندگی بھر کسی مکان کے مالک نہ ہوسکے بلکہ وہ تاحیات کرائے کے گھر میں رہتے رہے۔ یہ گھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گھر تھا اس کے دروازے پر ''ماشاءاللہ'' لکھ دیا تھا۔

علم کے اصول کی پابندی

اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں علم اور عالم کی ہیبت جمع کردی تھی۔ ایک مرتبہ خلیفہ مہدی حج کے لئے آیا اور اس نے امام مالکؒ کو بلوایا تاکہ اپنے دو بیٹوں موسیٰ اور

ہارون کو احادیث سنوائے۔ مگر امام مالک نے فرمایا اے امیر المؤمنین علم اس بات کا لائق ہے کہ اس کی توقیر کی جائے اور دیا جائے۔ تو مہدی نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو پھر اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ امام مالکؒ کے پاس چلے جائیں تو وہ دونوں امام مالکؒ کے ہاں جا کر ان کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا کہ ہمیں حدیث سنایئے۔ امام مالک نے علماء کے انداز سے جواب دیا اس شہر میں استاد کے سامنے (شاگرد) پڑھتے ہیں جس طرح غلام پڑھتا ہے اور جب وہ غلطی کرتا ہے تو استاد بتا دیتا ہے۔

یہ سن کر وہ دونوں غصے میں وہاں سے اٹھ آئے اور مہدی کو بتا دیا۔ چنانچہ اس نے امام مالک کو بلوایا اور کہا کہ آپ نے پہلے ان کے پاس آنے سے منع کیا اور پھر جب یہ آپ کے پاس آگئے تو آپ نے ان کو حدیث سنانے سے منع کر دیا تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ میں نے ابن شہاب کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نے یہ علم روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بڑے لوگوں سے حاصل کیا ہے کہ ان کے سامنے اسے پڑھا جاتا ہے اور وہ کسی کے سامنے نہیں پڑھتے۔ مہدی نے یہ سن کر رضا مندی سے سر ہلایا اور اپنے بیٹوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور کہا کہ جاؤ اور ان کے سامنے حدیث پڑھو۔ (ان جیسے حضرات کی زندگی میں رہنمائی ہے)

(ہمارے عام قاری کو ہم یہ بتاتے چلیں کہ اسلاف کے دور سے احادیث کی تعلیم کے سلسلے میں عام رواج یہ چلا آرہا ہے کہ شاگرد لکھی ہوئی احادیث استاد کے سامنے پڑھتا اور استاد سنتا رہتا ہے غلطی ہوتی ہے تو استاد بتا دیتا ہے۔ امام مالکؒ نے مہدی سے یہی فرمایا تھا کہ میں نہیں پڑھوں گا تمہارے بیٹے پڑھیں گے جیسا کہ اس تعلیم کا دستور ہے۔)

خلفاء کو وعظ و نصیحت

ایک دن امام مالکؒ ہارون رشید کے پاس گئے اور اسے نصیحت کرنے اور مسلمانوں کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ترغیب دینے لگے۔ چنانچہ بہادری سے بھری

آواز سے فرمایا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی فضیلت وقدر کے باوجود لوگوں کی ہانڈیوں کے نیچے آگ پھونکتے تھے حتیٰ کہ ان کی داڑھی مبارک سے دھواں نکلنے لگتا اور لوگ تم سے اس کے بغیر راضی ہو چکے ہیں۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں جب رات کو لوگ سو چکے تھے تو میں رات کو نکلا اور حضرت امام مالکؒ بن انس کے پاس گذرا وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے الحمدللہ کے بعد سورۃ التکاثر پڑھی جب آخری آیت پر پہنچے تو بہت دیر تک روتے رہے اور اسی آیت کو بار بار دہراتے رہے اور روتے رہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو گئی۔

امام مالکؒ کا معمول تھا کہ وہ نماز میں رکوع وسجود طویل کرتے تھے جب نماز میں کھڑے ہوتے تو گویا سوکھی لکڑی ہوتے ان کی کوئی چیز حرکت نہیں کرتی تھی۔ امام مالکؒ کی زیادہ تر عبادت چھپ کر ہوتی جہاں سے آپ کو کوئی نہ دیکھے چاہے رات ہو یا دن۔

امام مالکؒ کے خادم کا بیان ہے کہ چالیس سال سے زیادہ ہو گئے کہ بہت کم ایسا ہوا کہ فجر کی نماز آپ نے عشاء کے وضو سے نہ پڑھی ہو۔ یا آپ نے ایسی جگہ کھانا کھایا ہو جہاں لوگ آپ کو دیکھ رہے ہوں۔ آپ صرف ضرورت کے وقت بات چیت کرتے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ لوگ جہنم میں منہ کے بل صرف اسی کی وجہ سے جائیں گے یہ کہہ کر آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔

انکار نفس

زھد اور تواضع نے آپ کو نفس کے انکار اور شہرت کے ترک کی طرف دھکیل دیا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ سے مشورہ کیا کہ ان کی کتاب ''موطا'' کو کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں کو اس کے مطابق چلنے پر مجبور کیا جائے مگر آپ نے حیا اور شہرت کے خوف سے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی فروع میں رائے مختلف تھی اور وہ دنیا کے کونوں میں پھیل گئے تھے اور ہر شخص اپنی ذات میں صحیح تھا۔ (صحیح عمل کرنے والا تھا)

بشر بن عمر حکایت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ ہنستے نہ تھے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہنسنا بے وقوفی کی طرف لے جاتا ہے اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہنسنا صرف مسکراہٹ ہوتی تھی۔

ایک دن امام مالک مدینے کے ایک والی کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ اس کے پاس بیٹھے اس پر تعریف کی برسات کر رہے ہیں یہ دیکھ کر امام مالکؒ کو غصہ آ گیا انہوں نے امیر کو دیکھتے ہوئے فرمایا اس بات سے بچو کہ یہ لوگ تمہیں تعریف کر کے دھوکے میں ڈال دیں کیونکہ جو شخص تمہاری تعریف کرے اور وہ اچھی بات کہے جو آپ میں نہیں تو ہو سکتا ہے وہ ایسی غلط بات بھی آپ کی طرف کہہ دے جو آپ میں موجود نہ ہو۔ لہٰذا تم ان کی تعریف اور اچھا کہنے سے ڈرو۔

عشق و ادب رسول ﷺ

امام مالک جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات کا اتنا ادب فرماتے تھے کہ زندگی بھر مدینہ منورہ میں کبھی سواری پر سوار نہیں ہوئے بلکہ پیدل ہی چلا کرتے تھے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ امام مالک کے ورع و تقویٰ اور نبی کریم ﷺ کے ادب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر خراسان کا ایک بہت خوبصورت گھوڑا کھڑا دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ بڑا خوبصورت ہے۔ امام مالک نے فرمایا یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ یہ گھوڑا اپنی سواری کے لیے رکھ لیجئے۔ تو امام مالک نے ادب کی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ میں اس مٹی کو سواری کی ٹاپ سے روندوں جس میں اللہ تعالیٰ کے نبی مدفون ہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھتے۔ جنازوں میں حاضر ہوتے، مریضوں کی عیادت کرتے اور لوگوں سے ملتے جلتے، مگر اس کے بعد انتقال سے دو سال پہلے سے یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی (کہ مسجد نبوی ﷺ میں آنا جانا تک چھوڑ دیا) چنانچہ جب امام مالک کے انتقال کا وقت قریب

آیا تو فرمانے لگے کہ اگر آج دنیا میں میرا آخری اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن نہ ہوتا تو میں یہ بات ہرگز نہیں بتاتا کہ مجھے سلسل البول (پیشاب کے قطروں کی بیماری) کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا اور میں مسجد نبوی میں اس لیے نہیں آتا تھا کہ میں بغیر وضو کسی ایسی جگہ پر آؤں جہاں رسول اکرم ﷺ آتے تھے۔ اس جگہ کی قدرومنزلت کی بناء پر ایسا نہیں کیا۔ اور میں نے بیماری کے بارے میں کسی کو بتانا اس لیے ناپسند کیا کہ بیماری کا ذکر کرکے میں اپنے رب کا شکوہ کروں۔

وفات

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی۔ اتوار کا دن تھا۔ بائیس دن بیمار رہے۔ ابن کنانہ کے ساتھ ابن ابی الزبیر اور آپ کے صاحبزادے یحییٰ نے آپ کو غسل دیا اور آپ کے کاتب حبیب (اور یہ لوگ) آپ پر پانی ڈالتے تھے۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے اور جنازہ گاہ میں ہی جنازہ ادا کیا جائے۔ چنانچہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی یہ اپنے والد کی طرف سے مدینہ میں امیر تھا اور آپ کے جنازے کے ساتھ چلا اور میت کو کاندھا بھی دیا۔ آپ کا کفن پانچ دینار تک کا تھا۔

☆☆☆

﴿سیدنا ضیغم بن مالک رحمتہ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۸۰ ہجری بمطابق ۷۹۶ عیسوی)

☆ رونا جن کے زہد کا قبلہ تھا۔
☆ جس نے اپنے دل کو عبادت کی حلاوت چکھائی۔
☆ جس نے اپنے دل کو اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے غسل دیا۔

☆☆☆

نماز نے ان کی کمر کو جھکا دیا تھا جہنم کی آگ کی یاد نے ان کے لیے کوئی خوشی

نہیں چھوڑی تھی۔ اپنی زندگی کپکپاتے دل اور خائف ضمیر کے ساتھ گزاری۔ یہ ہیں ضیغم بن مالک' ابوبکر' راسبی بصری' زاہد' رہنما۔ ایک ربانی شخص جس نے علم تابعین سے حاصل کیا۔ ان کا معمول تھا کہ روزانہ چار سو رکعت نماز پڑھتے۔ خائف اور رونے والوں میں سے تھے۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے نیکی اور فضائل میں ضیغم جیسا دوسرا شخص نہیں دیکھا۔

خالق کائنات کی رضا کی تلاش

ایک رات جب کہ آسمان میں ایمان کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ضیغم بن مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے مولیٰ ابو ایوب کے پاس بیٹھے ساعت کو گفتگو سے معطر کر رہے تھے تو ایسے میں ضیغم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ میں اپنا گوشت کتر دوں تو میں قینچی منگا کر ابھی اپنا گوشت کاٹ دوں۔

ضیغم رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ رونے اور گریہ کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جدا نہیں ہوتے تھے (تھمتے نہ تھے)۔ ایک دن ان کی والدہ نے پوچھا ضیغم کیا تم موت کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں امی جان۔'' ماں نے پوچھا۔ ''وہ کیوں بیٹا؟'' تو فرمایا۔ ''میری کوتاہیوں اور نفس سے غفلت کی وجہ سے پھر وہ اتنا روئے کہ ماں بھی رونے لگیں حتیٰ کہ سب گھر والے جمع ہو کر رونے لگے۔

خوف آخرت

ایک دن مالک بن ضیغم جناب حکم بن نوح کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ حکم نے زبان کھولی اور ضیغم کی سیرت بیان کرنے لگے اور گفتگو کے دوران بتایا کہ ''ایک مرتبہ ہم تمہارے والد ضیغم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سمندری سفر پر تھے تو اس رات وہ پوری رات روتے رہے۔ نہ کوئی سجدہ کیا نہ رکوع۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اے ابو مالک پوری رات آپ نے نہ کوئی سجدہ کیا نہ دعا کی؟ یہ سن کر بہت دیر روئے اور جب آنسو کچھ کم ہوئے تو فرمانے لگے کہ اگر مخلوق کو یہ معلوم ہو جائے کہ کل کیا ہوگا تو وہ زندگی

کے مزے کبھی نہ اڑائیں۔ واللہ رات کو جب میں نے اس کی ہولناکی اور سخت اندھیرے کو دیکھا تو مجھے روز حشر اور اس دن کی سختی کی یاد آ گئی۔ اس دن ہر شخص کے لیے صرف اپنی جان اہم ہوگی۔ والد اپنے بیٹے کو اور بیٹا اپنے باپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔''

یہ فرما کر بہت زور سے چیخ ماری قریب تھا کہ ان کی روح نکل جاتی اور وہ تھر تھرانے اور تڑپنے لگے۔

ایک دن ان کی والدہ نے انہیں پکارا' ضیغم! انہوں نے آہستگی سے جواب دیا کہ لبیک امی جان! والدہ نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے پاس جانے میں تمہاری خوشی کیا ہے؟ تو انہوں نے ایک زبردست چیخ ماری پھر بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ ان کی والدہ ان کے پاس بیٹھ کر روتے ہوئے کہنے لگیں۔ میرے والد تجھ پر قربان ہم تیرے رب کے کسی معاملے میں سے بھی کچھ تیرے سامنے ذکر نہیں کر سکتے۔

وفات

۱۸۰ ہجری میں ان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ ان کے دوست بسر بن منصور اور ان کا انتقال ایک ہی دن ہوا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۸۱ ہجری بمطابق ۷۹۷ عیسوی)

☆ تقویٰ اور زہد کے ذریعے دنیا کے عرش پر چڑھ گئے۔
☆ اپنے دل میں ایک گھر بنایا جس کا چراغ ذکر الٰہی تھا۔ اور سامان انفاق تھا۔
☆ ان کی عباء میں خیر کی ہر خصلت جمع تھی۔

☆☆☆

ایسے شخص جس کے دل میں دنیا کی ہر خواہش مدہم ہوگئی تھی اور دنیا کی گہرائی کی نہران کے سامنے خشک ہوگئی تھی۔ یہ ہیں حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح تمیمی

مروزی۔ جن کی کنیت (ابو عبداللہ تھی) اور یہ متقین کے امیر' اہل مشرق کے سب سے بڑے عالم اور مسلمانوں کے امام تھے۔ حافظ' مجاہد اور تاجر تھے۔ علم کی تلاش کی تو بیس سال عمر تھی اور پھر ساری زندگی سفر میں گزار دی کبھی حج کا سفر تو کبھی جہاد کا سفر۔

ابن مبارک کا مرتبہ

فقہ' حدیث اور عربیت اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی۔ ان کا دل فقہاء کی مجالس کا دیوانہ بن گیا تھا۔ انہوں نے اپنے نفس کو علم کے سمندر اور تقویٰ کے چمن میں پھینک دیا تھا۔ وہ بھوکے لوگوں کو کھانا کھلاتے اور خود روزے سے ہوتے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابن مبارک مسلمانوں کے ایک سردار تھے۔ ہارون رشید کو جب ان کی وفات کی اطلاع ملی تو اس نے کہا۔ علماء کا سردار وفات پا گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض ایک مرتبہ ابن مبارک سے پوچھنے آئے کہ۔ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ علماء' فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تو بادشاہ کون ہیں؟ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ زاہدین۔

سخاوت و زہد

ابن مبارک فرماتے تھے کہ قریب تھا کہ ادب دین کا دو تہائی حصہ قرار پا جاتا۔ عبداللہ بن مبارک بڑے متقی پرہیزگار اور فقراء پر بہت زیادہ خرچ کرنے والے انسان تھے۔ ایک سال میں ایک لاکھ درہم خرچ کیا کرتے تھے اور محتاجوں کے قرض وغیرہ ادا کرتے اور فرماتے کہ میں ایک درہم شبہ کی وجہ سے واپس کروں (یا چھوڑ دوں) یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک لاکھ درہم اور ایک لاکھ درہم صدقہ کروں (انہوں نے اور ایک کہتے کہتے چھ لاکھ درہم تک تعداد پہنچائی)۔

تقویٰ اور ورع

ایک دن حضرت حسن بصری' عبداللہ بن مبارک کے پاس تشریف لائے تو ایک کبوتری کو گھر کے آس پاس اڑتے دیکھا تو ابن مبارک بتانے لگے کہ پہلے ہم اس

کبوتری کے انڈوں کو استعمال کرتے تھے مگر اب نہیں کرتے۔ حضرت حسن نے پوچھا۔ ''وہ کیوں؟ تو فرمایا کہ دراصل یہ کبوتری دوسروں کے کبوتروں کے پاس آتی جاتی رہتی ہے وہاں عمل تناسل بھی ہوتا۔ لہٰذا ہمیں یہ ناپسند ہے اس وجہ سے اب یہ انڈے دے اور ہم انہیں استعمال کریں۔ (کیونکہ مال غیر کی اس میں آمیزش ہو چکی ہے)۔

ایک مرتبہ اپنے ایک دوست سے شام میں انہوں نے قلم مستعار لیا جب واپس آنے لگے تو واپس دینا بھول گئے۔ چنانچہ ''مرو'' شہر پہنچے تو سامان میں اس قلم پر نظر پڑی تو اسی وقت وہیں سے واپس ہوئے اور اسے قلم واپس کر کے آئے۔

عبداللہ بن مبارک اپنی سواری پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ اچانک اذان ہوئی تو وہیں نماز ظہر کے لیے اتر گئے۔ اس دوران ان کی سواری نے اس گاؤں کی کھیتی سے جو کہ حکومت کی ملکیت تھی کچھ چر لیا تو انہوں نے تقویٰ کے باعث اس سواری کو چھوڑ دیا اور اس پر سوار نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید ''رقہ'' آیا ہوا تھا۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مبارک بھی انہی دنوں وہاں تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق استقبال کے لیے نکلے۔ ہجوم کی کثرت سے بہت شور وشغب ہوا اور رقہ شہر میں ایک زبردست ہلچل مچ گئی۔ ہارون رشید کی ایک ام ولد لڑکی نے محل کے برج سے نیچے جھانکا جب لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خراسان کے ایک عالم رقہ آئے ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ تو وہ کہنے لگی کہ واللہ! یہ ہیں اصل بادشاہ۔ ہارون کی کیا حکومت ہے؟ یہ لوگ تو عوام کو فوج اور مددگاروں کے ذریعے جمع کر پاتے ہیں۔

کرامات اور دعا کی قبولیت

عبداللہ بن مبارک مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات بھی تھے۔ ایک دن عبداللہ بن مبارک ایک اندھے کے پاس سے گزرے (تو اندھے سے بات چیت ہوئی)۔ تو اس نے کہا کہ اے ابن مبارک۔ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ میری

بینائی لوٹا دے۔ حضرت ابن مبارک نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بینائی لوٹا دی۔

تنہائی پسند تھے

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کی سیرت کے مطابق شب بیداری کا معمول تھا۔ کسی نے کہ کہا کہ آپ تنہائی سے گھبراتے نہیں؟ فرمایا میں کیوں گھبراؤں؟ حالانکہ میں تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ہمراہ ہوتا ہوں۔

وفات

آپ کی وفات فرات کے کنارے واقع ''ہیت'' نامی شہر میں ہوئی جبکہ آپ چار مضان ۱۸۱ ہجری کو ایک جہادی مہم سے واپس آرہے تھے۔ اس وقت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت عبداللہ العمری رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۸۷ ہجری بمطابق ۸۰۰ عیسوی)

☆ تاریخ نے ان کا نام نور کی روشنائی سے لکھا۔
☆ ایسا شخص جس کی ہیبت نے بادشاہ کے تخت ہلا دیئے۔
☆ اگر ان کا تقویٰ ایک ہزار گناہگاروں کو تقسیم کردیا جائے تو وہ سب اللہ کے ولی بن جائیں۔

☆☆☆

وہ اللہ کے لیے دنیا میں ایسے تھے جیسا کہ وہ چاہتے تھے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسا ہو۔ ان کے الفاظ بڑے بردبار سچے اور کانوں میں بجلی کی کڑک کی طرح تھے۔ یہ ہیں عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ ابوعبدالرحمٰن العمری' جو کہ امام' رہنما'

زاہد و عابد اور ایمان کے بڑے پختہ تھے۔

بڑے پرہیزگار اور اللہ کے لیے سب سے کٹے ہوئے تھے۔ اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہتے۔ کم روایت کرنے والے، حق بات کرنے والے، اللہ کے حقوق میں کسی کی ملازمت کی پرواہ نہ کرنے والے انسان تھے۔ ہارون رشید پر ان کا بڑا رعب تھا۔ عمری بھی اس کے دارالحکومت میں جا کر اس کو وعظ و نصیحت کرتے اور آخرت کا خوف دلاتے۔

تقویٰ و زہد

حکمرانوں اور کسی اور سے بھی کوئی چیز نہ لیتے تھے۔ ان کے قریبی لوگوں میں یا جاننے والوں میں سے کوئی حکومت کا مقرب یا عہدیدار بنتا تو اس سے بات نہ کرتے۔ چنانچہ جب ان کا بھائی مدینہ منورہ کا والی بنا تو اس سے بات چیت چھوڑ دی۔ قبرستان میں رہتے اور ان کے پاس ایک کتاب ہوتی جس کا مطالعہ کرتے رہتے اور فرماتے کہ

قبرستان سے اچھا واعظ، کتاب سے اچھا غمگسار اور تنہائی سے اچھا محافظ کوئی نہیں۔ ان کا ایک حکمت بھرا قول یہ ہے کہ

''تمہاری اپنے آپ سے غفلت یہ ہے کہ تم اللہ سے اعراض کرو۔ وہ یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے ناراض ہوتا ہے پھر بھی ناراضگی کا کام کرو۔ اور مخلوق کے ڈر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔''

حکمرانوں کو وعظ و نصیحت

مصعب زبیری کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں عبداللہ عمری سے زیادہ بارعب شخص نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید حج کے لیے مکہ آیا جس وقت وہ مروہ سے اتر کر صفا کی طرف جارہا تھا اسے عبداللہ عمری نے آواز دی۔ اے ہارون! اس نے کہا چچا جان میں حاضر ہوں۔ عمری نے فرمایا صفا پر چڑھو۔ چنانچہ جب وہ صفا پر چڑھ کر کھڑا ہوگیا۔ تو عمری نے فرمایا کہ بیت اللہ کی طرف دیکھو۔ وہ دیکھنے لگا۔ تو عمری نے پوچھا کہ

کتنے لوگ طواف کرر ہے ہیں؟ اس نے کہا کہ ''بے شمار لوگ ہیں۔ تو عمری نے کہا۔ ہارون یہ بات جان لو کہ یہ سب لوگ صرف خاص اپنے نفس کے بارے میں (قیامت میں) جواب دیں گے مگر ان سب کے بارے میں تجھ اکیلے سے پوچھ ہوگی۔'' یہ سن کر ہارون رونے لگا اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔ عمری اسے اسی حال میں چھوڑ کر لوٹ گئے۔

تقویٰ کی اہمیت

ایک شخص عمری کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو عمری نے زمین پر ایک کنکری اٹھا کر فرمایا کہ اس کے وزن کے برابر تقویٰ اگر تیرے دل میں داخل ہو جائے تو وہ تمام زمین والوں کی نماز سے بہتر ہے۔ تو اس شخص کے آنسو آنکھوں میں بھر آئے کہنے لگا اور بھی فرمایئے۔ تو عمری نے فرمایا۔ کہ جس طرح تو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے لیے کل کو جس طرح ہو تو تو بھی آج اس کے لیے اسی طرح ہو جا۔

آخری لمحات

عمری رحمتہ اللہ علیہ کمزور جسم کے ساتھ بستر پر پہنچ گئے۔ بیماری کے نوکیلے دانت ان پر گڑ چکے تھے اور جب موت کی غشی ان پر طاری ہوئی تو اپنے لبوں کو جنبش دی فرمایا کہ اگر دنیا میرے قدموں کے نیچے ہو اور اسے لینے کے لیے صرف مجھے اپنے قدم اوپر کرنے (اٹھانے) پڑیں تو میں تب اتنا بھی نہ کروں گا۔ میرے پاس سات درہم ہیں جو مجھے درخت چھیلنے کی اجرت میں ملے تھے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے چھیلا تھا۔

وفات

پھر ان کی روح فرشتوں کے جھرمٹ میں آسمان پر چلی گئی۔ اس وقت ۱۸۴ ہجری تھا۔ اور ان کی عمر چھیاسٹھ برس تھی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۸۷ ہجری بمطابق ۸۰۳عیسوی)

☆ صالحین کی درسگاہ کے طلبگار جنہوں نے اپنے دل اور جوارح کے ساتھ خود کو ہمیشہ زندہ رہنے والوں کے قافلے سے ملالیا تھا۔

☆ جنہوں نے اپنے سینے پر زہد اور تقویٰ کا تمغہ سجالیا تھا۔

☆ ان کے دل میں نفس پر عتاب کرنا جاگزیں ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اسلام نے انہیں یہ موقع دیا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں اپنا نام لکھوادیں۔ اکابر صالحین میں سے تھے۔ یہ ہیں حضرت ابوعلی فضیل بن عیاض تمیمی خراسانی، مسلمان زاہدین کے سرداروں میں سے ایک سردار۔ جو سمرقند میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔

ابتداء میں رہزنی کا پیشہ اختیار کرلیا تھا مگر ایک دن گھر کی چھت پر بیٹھے تھے کہ کہیں سے کسی کی تلاوت کی آواز آئی جو تلاوت کررہا تھا۔

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ﴾

(الحدید: ۱۶)

(ترجمہ) کیا ایمان والوں کے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور سچی نازل شدہ کتاب کے لیے جھک جائیں۔ سنتے ہی آنسو بھری آواز میں فرمایا۔ کیوں نہیں؟ اے رب۔ پھر اس کے بعد زمین میں سیاحت کرنے علم حاصل کرنے اور تقویٰ ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑے اور پھر مکہ میں جا کر مقیم ہوئے اور ساری زندگی بیت اللہ کا مجاور بن کر گزاری دی۔

خوف اور زہد

فضیل نے اپنی زندگی، آخرت کے خوف، زہد اور دوزخ کے ڈر کے ساتھ گزاری ان کی پیشانی اللہ تعالیٰ سے حیات کے عرق سے آلودہ رہتی۔ ابراہیم بن اشعث

بیان کرتے ہیں کہ میں نے فضیل جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑائی ہو۔ چنانچہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا' یا یہ خود کرتے تو ان پر خوف طاری ہو جاتا اور ان کی آنکھیں شدت فکر سے بہہ پڑتیں۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے فضیل سے زیادہ ڈرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

حکمت ان کی میراث تھی۔ دلوں تک حقیقت کو آشکارا کر دیا کرتی تھی۔ ایک دن ان سے پوچھا گیا کہ زہد کیا ہے؟ فرمایا قناعت۔'' سوال کیا گیا۔ ورع کیا ہے؟ فرمایا حرام چیزوں سے بچنا' پھر سوال کیا گیا کہ عبادت کیا ہے؟ فرمایا فرائض کا ادا کرنا۔ پوچھا گیا کہ تواضع کیا ہے؟ فرمایا تواضع یہ ہے کہ تو حق کے ساتھ جھک جائے۔ فضیل یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا ریا کاری ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل کرنا شرک ہے۔

دنیا میں زندگی گزارنے کا انداز

دنیا میں اس طرح چلے کہ ان کا دل خوف اور رنج سے بھرا تھا۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ دور ہو چکی تھی۔ ابو علی الرازی کہتے ہیں کہ میں فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تیس سال رہا مگر میں نے انہیں ہنستے مسکراتے نہیں دیکھا سوائے اس دن جب کہ ان کا بیٹا انتقال کر گیا تھا۔ تو میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک معاملے کو پسند کیا تو میں نے بھی کیا۔

خلوت پسندی

فضیل رحمۃ اللہ علیہ تنہائی پسند فرماتے تھے ان کے دل میں نفس کو سزا دینا بیٹھ گیا تھا چنانچہ جس وقت اکیلے ہوتے وعظ کا ڈنڈا نکال کر نفس کی خوب پٹائی کرتے اور فرماتے کہ تو نے لوگوں کے لیے سنگھار کیا اور بناوٹ سے کام لیا۔ خوب تیار ہو کر ان کے سامنے ریا کاری کرتا رہا حتیٰ کہ وہ تجھے پہچاننے لگے اور کہنے لگے کہ یہ نیک آدمی ہے۔ اس لیے

تیری ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ تیرے لیے مجلس میں جگہ خالی کرتے ہیں۔ تیری تعظیم کرتے ہیں۔تو ناکام ہو۔اگر یہی تیرا حال ہے تو تیرا کتنا برا حال ہے۔

رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے سے عشق تھا۔مسجد میں ان کی ایک چٹائی رکھی تھی چنانچہ جب رات گھروں کو اپنی تاریکی میں لپیٹ لیتی تو یہ مسجد میں داخل ہوتے اور رات کے اول حصے سے نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔حتیٰ کہ نیند ان کی آنکھوں پر غلبہ کرنے لگتی تو تھوڑی دیر کے لیے چٹائی پر لیٹ کر سو لیتے۔ پھر دوبارہ اٹھ کر نماز میں لگ جاتے پھر نیند کا اگر غلبہ ہوتا تو تھوڑی دیر سو لیتے۔اس کے بعد پھر دوبارہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے، صبح تک یہی معمول رہتا۔

ابن اشعث بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات انہیں بار بار یہ پڑھتے سنا۔

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ﴾ (سورہ محمد : ۳۱)

''اور ہم تم کو آزمائیں گے حتیٰ کہ تم میں مجاہدین اور صابرین کو جان لیں اور تمہارے قصوں کو جانچ لیں۔''

پھر فرمانے لگے کہ اگر تو نے ہمارے قصوں کو جانچا تو ہمیں رسوا کرے گا۔ اور ہمارے عیوب کو افشا کرے گا ہمیں ہلاک کرے گا سزا دے گا۔اس کے بعد بہت دیر تک روتے رہے۔

اقوال زریں

حضرت فضیل بن عیاض کے الفاظ نورانی تھے جو فوراً ہی دل میں بیٹھ جاتے۔ فضیل لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے کہ دنیا مستقل رہنے کی جگہ نہیں ہے۔حضرت آدم کو سزا کے طور پر یہاں اتارا گیا تھا۔

فرماتے کہ تمہارے دلوں پر ایمان کی حلاوت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ تم دنیا میں زہد اختیار نہ کرو۔

دل کی سختی کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ دو خصلتیں دلوں کو سخت کر دیتی

ہیں۔ بہت زیادہ بولنا اور بہت زیادہ کھانا۔

خلیفہ ہارون رشید بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھ نے فضیل بن عیاض جیسا دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ میں ایک دن ان کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اپنے دل کو آخرت کے رنج اور خوف کے لیے خالی رکھو حتیٰ کہ یہ دونوں اس میں مقیم ہو جائیں۔ پھر یہ تجھے گناہوں سے کاٹ دیں گے اور جہنم کی آگ سے دور کر دیں گے۔

ایک دن ہارون رشید نے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو فرمانے لگے۔ کس بات کی نصیحت کروں یہ اللہ کی کتاب دو جلدوں کے درمیان ہے۔ اس میں دیکھ لو کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ان کے ساتھ کیا ہوا اور جنہوں نے اس کی نافرمانی کی ان کے ساتھ کیا ہوا؟''

خلیفہ ہارون اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ ہارون رشید حج کے لیے آیا تو اس کے دل میں کوئی بات کھٹکنے لگی۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی تو اس نے حاجب ابن ربیع سے کہا کہ کوئی (عالم) شخص دیکھو اس سے میں کچھ سوال پوچھوں۔ ربیع نے کہا کہ یہاں سفیان بن عینیہ ہیں۔ ہارون نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو چنانچہ دونوں ان کے پاس آئے۔ ربیع نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت سفیان نے پوچھا' کون ہے۔'' جواب دیا کہ امیر المومنین سے ملئے۔ تو وہ تیزی سے نکلے اور فرمایا امیر المومنین اگر مجھے بلوا لیتے تو میں آ جاتا۔ پھر ہارون نے ان سے کچھ دیر باتیں کیں اور پھر فرمایا آپ پر کچھ قرض ہے۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں ہے' تو ہارون نے ابن ربیع کو کہا کہ ان کا قرض ادا کر دینا۔

جب دونوں وہاں سے نکلے تو ہارون نے کہا کہ تمہارے ان صاحب نے میری کوئی تشفی نہیں کی۔ کوئی اور شخص بتاؤ۔ اس نے کہا کہ یہاں عبدالرزاق ہیں۔ چنانچہ یہ ان کے ہاں گئے اور پھر وہاں وہی کچھ ہوا جو سفیان کے ہاں ہوا تھا۔ پھر ہارون نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ پر قرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں ہے۔ ہارون نے ابن ربیع کو کہا کہ ان کا قرض ادا کر دینا۔ پھر یہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔

باہر نکل کر ہارون رشید نے کہا۔ میری ان سے بھی تشفی نہیں ہوئی مجھے کسی اور کے پاس لے چلو۔ چنانچہ ربیع نے کہا یہاں فضیل بن عیاض رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں فضیل کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے فضیل نے پوچھا کون ہے' ابن ربیع نے کہا امیر المومنین آئے ہیں ان سے ملیئے۔ تو فضیل نے کہا کہ میرا امیر المومنین سے کیا کام۔ ابن ربیع نے کہا۔ سبحان اللہ! کیا آپ پر ان کی اطاعت فرض نہیں؟ چنانچہ فضیل نے دروازہ کھول دیا اور پھر گھر کے دور کونے میں چلے گئے۔ مکان میں اندھیرا تھا لہٰذا ابن ربیع اور ہارون رشید ٹٹولنے لگے حتیٰ کہ ہارون کا ہاتھ فضیل رحمۃ اللہ علیہ پر پڑ گیا۔

حضرت فضیل نے فرمایا۔ ہائے یہ ہاتھ کتنا نرم ہے اگر کل اللہ کے عذاب سے بچ جائے تو پھر ہارون سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنے تو انہوں نے خلافت کو اپنے لیے مصیبت شمار کیا اور تم لوگ اسے نعمت خیال کرتے ہو۔ انہوں نے علماء کو جمع کیا تا کہ وہ انہیں مشورہ دیں۔

چنانچہ حضرت سالم بن عبداللہ نے انہیں فرمایا کہ دنیا سے روزہ رکھ لو اور تمہاری افطار اس میں موت پر ہو۔ ابن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو مسلمانوں میں بڑی عمر کا شخص تمہاری نظر میں باپ کے برابر درمیانی عمر کا شخص بھائی اور چھوٹی عمر کا شخص بیٹا ہونا چاہیے لہٰذا اپنے والد کی توقیر کرو' اپنے بھائی کا اکرام کرو اور اپنے بیٹے پر شفقت کرو۔ حضرت رجاء بن حیوہ نے فرمایا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات چاہتے ہو تو عام مسلمانوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اور ان کے لیے وہ ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ پھر جس طرح چاہو مر جاؤ۔ (بے پرواہ ہو کر موت گلے لگا لو)

میں بھی تمہیں یہی کہتا ہوں اور تمہارے لیے اس دن کا سخت خوف رکھتا ہوں جس دن قدم ڈگمگا جائیں گے۔ امیر المومنین کیا آپ کے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اس طرح کی باتیں آپ سے کریں؟ ہارون رشید یہ سن کر بہت زیادہ رویا حتیٰ کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ ابن ربیع نے کہا۔ امیر المومنین کے ساتھ نرمی کیجیے؟ تو حضرت فضیل بولے

اے ربیع کی ماں کے بیٹے۔ قتل تو اسے تم اور تمہارے ساتھی کر رہے ہو اور نرمی میں کر رہا ہوں۔ پھر جب ہارون کو افاقہ ہوا تو اس نے کہا کچھ اور بھی فرمائیے

تو فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اے خوبصورت چہرے والے تو وہ شخص ہے جس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کے بارے میں پوچھے گا۔ اگر تو اپنے آپ کو اس آگ سے بچا سکتا ہے تو بچا لے۔ ہارون پھر رونے لگا اور پھر پوچھا کہ کیا آپ پر کوئی قرض ہے؟ فضیل نے فرمایا ہاں مجھ پر میرے رب کا قرض ہے جس پر وہ میرا محاسبہ نہ کرے۔ اگر اس نے مجھ سے سوال کر لیا تو میرے لیے ہلاکت ہے۔ اگر جرح کی تو ہلاکت ہے اور اگر مجھے میری حجت الہام نہ ہوئی تو بھی میرے لیے ہلاکت ہے۔

ہارون رشید نے کہا کہ میرا مطلب ہے کہ بندوں کا کوئی قرض ہے؟ فضیل نے فرمایا مجھے میرے رب نے اس کا حکم نہیں دیا مجھے صرف وعدہ سچا کر دکھانے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہارون نے کہا یہ ہزار دینار ہیں انہیں لے لیجئے اور اپنے گھر والوں پر خرچ کر لیجئے گا اور اس سے رب کی عبادت پر طاقت حاصل کیجئے گا۔ مگر فضیل نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا سبحان اللہ! میں تو تمہیں نجات کا راستہ بتا رہا ہوں اور تم اس کا بدلہ اس جیسی چیز سے دے رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور توفیق عطا فرمائے۔

ہارون اس کے بعد وہاں سے نکل آیا اور ابن ربیع سے کہنے لگا۔ اے ابو عباس اگر تم مجھے کسی شخص کے بارے میں نشاندہی کرو تو اس جیسے شخص کے بارے میں کیا کرو۔ یہ شخص مسلمانوں کا سردار ہے۔

وفات

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی روح ۱۸۷ ہجری میں رب تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ ان کا انتقال مکۃ المکرمہ میں ہوا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۲ ہجری بمطابق ۸۱۸ عیسوی)

☆ اپنی زندگی کو اس طرح ڈھال لیا جو کسی خیال کے مشابہ ہو۔
☆ اپنے تقوے میں منفرد تھے' یکتا شخص تھے۔
☆ اپنے گھر میں چالیس ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا۔

☆☆☆

ان کا ہاتھ کسی کے سامنے نہیں پھیلا۔ تنگدستی کو ترجیح دی' کھردرے کپڑے پہنے۔ ان کی عزت بادشاہوں کی عزت سے بڑھ کر تھی' بافضیلت رہنما اور مسلمانوں کے امام' یہ ہیں حضرت عبداللہ بن ادریس اودی کوفی' نامور حفاظ میں سے تھے' عبادت گزار اور اپنی مرویات میں حجت تھے۔ ان میں ایسی کشش تھی جو احترام کو واجب کرتی تھی اور ایسا انداز تھا جو سر جھکانے کو واجب کرتا تھا۔ ان کے اور امام مالک کے درمیان سچی دوستی قائم ہو گئی تھی۔ ان کا مذہب اہل مدینہ کا مذہب تھا۔ انہیں ہارون رشید نے عہدہ قضا کی پیشکش کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ابن ادریس یکتائے زمانہ انسان تھے۔ ابن عرفہ کہتے تھے کہ کوفہ میں میں نے ان سے زیادہ افضل شخص نہیں دیکھا۔

زھد وتقویٰ

ان کے زہد اور تقویٰ کے بارے میں حسن بن ربیع نقل کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن ادریس کے پاس تھا۔ جب میں وہاں سے اٹھا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ڈول مشکیزے کی قیمت پوچھ کر آؤ۔ تو جب میں جانے لگا تو مجھے واپس بلایا اور فرمایا کہ مت پوچھنا۔ کیونکہ تم مجھ سے حدیث لکھتے ہو اور مجھے یہ پسند نہیں کہ جو مجھ سے حدیث سنتا ہو میں اس سے کوئی اپنی ضرورت کی بات کہوں۔

ابن ادریس، ہارون رشید کے پاس گئے تو ہارون نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔'' ہارون رشید نے کہا کہ آپ کے شہر والوں نے مجھ سے قاضی مانگا تھا اور انہوں نے کچھ ناموں میں آپ کا نام بھی دیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اپنی امانت میں شریک کرلوں اور آپ کو بھی امت کے اس اچھے معاملے میں شامل کرلوں۔ لہٰذا اپنا عہدہ لو اور شہر واپس چلے جاؤ۔ ابن ادریس نے جواب دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ ہارون نے غصہ میں کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا ہی نہ ہوتا۔ (کچھ سمجھا نہ ہوتا) ابن ادریس نے فرمایا میری بھی یہی خواہش ہے کہ میں نے آپ کو نہ دیکھا ہوتا۔

یہ کہہ کر ابن ادریس وہاں سے نکل گئے۔ پیچھے سے ہارون نے ایک قاصد کے ہاتھ پانچ ہزار درہم بھجوائے۔ قاصد نے انہیں کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہ اس رقم سے آپ اپنے سفر میں مدد لیں۔ تو ابن ادریس نے منع کر دیا اور رقم نہ لی۔ پھر ہارون رشید نے انہیں ایک رقعہ بھجوایا۔ جس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو معاف کرے۔ ہم نے آپ سے اپنے اعمال میں شامل ہونے کی درخواست کی مگر آپ نہ مانے پھر ہم نے آپ سے اپنے اموال کے ذریعے صلہ رحمی کرنا چاہی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ لیکن جب آپ کے پاس میرا بیٹا مامون آئے تو اسے حدیث ضرور بیان کرنا انشاء اللہ تو ابن ادریس نے قاصد کو جواب دیا کہ مامون جب ہمارے پاس جماعت کے ساتھ آئے گا تو ہم اسے حدیث ضرور سنائیں گے۔

وفات

جب عبداللہ بن ادریس کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کی بیٹی رونے لگی۔ تو انہوں نے فرمایا میری بچی مت رو۔ میں نے اس گھر میں چالیس ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے۔ ۱۹۲ ہجری کو کوفہ میں آپ کی روح اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۱۹۴ ہجری بمطابق ۸۱۰ عیسوی)

☆ انہوں نے اپنا سارا مال خرچ کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاس ان کے کفن کی قیمت بھی نہ مل سکی۔

☆ زھد کے سمندر میں ورع کے سفینے کے ناخدا۔

☆ قرآن میں سے بیس سال تک یوں عمل کیا حتیٰ کہ دنیا کو آخرت سے ممتاز کر دیا اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتیں ان کے نزدیک مخلوق کے پاس موجود اشیاء سے زیادہ قابل بھروسہ تھیں۔

☆☆☆

مشرق میں زاھدین کے سورج، متقین کے چراغ، خراسان کے مشہور مشائخ میں سے ایک زاہد، یہ ہیں حضرت شقیق بن ابراہیم بن علی ازدی بلخی، ابو علی۔ بڑے مجاہد تھے دین کے دشمن سے نیت کی اصلاح کے ساتھ تلوار اور نفس سے جہاد کرتے۔ انسانوں کے خزانوں کی معرفت میں بڑے باخبر تھے۔ دنیا سے بے رغبت ہو گئے (زھد اختیار کیا) اور اپنا سارا مال اللہ کے لئے خرچ کر دیا اور علم اور تقوے کو تلاش کرتے رہے۔

ان کے ایک پوتے کا کہنا ہے کہ میرے دادا کے اپنے تین سو گاؤں تھے مگر ان کو کفن دینے کے لئے کپڑا میسر نہ ہو سکا تھا۔

توبہ کی علامت

حضرت شقیق بلخی سے پوچھا گیا کہ توبہ کی علامت کیا ہے؟ ان کی آنکھ میں آنسو بھر آئے جواب دیا کہ توبہ کی علامت یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں پر روئے۔ آئندہ گناہ میں پڑنے سے خوف کھائے۔ برے دوستوں کو بالکل چھوڑ دے اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے۔

اور فرمایا کہ جو شخص اپنی مصیبت کا اللہ کے سوا کسی اور سے شکوہ کرے وہ اطاعت کی حلاوت نہیں پائے گا۔

زھد کی ترغیب

ایک مرتبہ ان کے ہاں طلبہ کی ایک جماعت کتاب اللہ کی ایک آیت کی تفسیر پوچھنے آئی تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس شرط پر درس دوں گا کہ تم میرے پاس دوپہر کا کھانا کھاؤ گے تو انہوں نے یہ شرط مان لی تو حضرت شقیق بلخی پڑھانے آئے۔ پھر جب کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے ان کے سامنے جو کی روٹی سرکہ اور زیتون کا تیل رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو جنت الفردوس کی طلب رکھتا ہے اور جہنم کی لپیٹوں سے دور بھاگتا ہے۔

شقیق بلخی مہمانوں کو بہت پسند فرماتے تھے اور فرماتے کہ مجھے مہمان سے زیادہ کوئی اور پسند نہیں کیونکہ مہمان کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا اجر مجھے ملتا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

دنیا کے لئے لوگوں سے آگے نکلنے کی دوڑ کو ناپسند کرتے تھے اور ان سے وہ کچھ اخذ کرتے جس میں آخرت کے لئے خیر ہو اور اپنے اصحاب اور آخرت کے طلب گاروں کو وعظ ونصیحت فرماتے کہ لوگوں کے ساتھ اس طرح رہو کہ جس طرح آگ کے پاس بیٹھتے ہو اس کا فائدہ لو اور اس سے ڈرو کہ کہیں وہ تمہیں جلا نہ ڈالے۔

حکمرانوں سے دور رہنا

طویل عرصے کے بعد شقیق بلخی تین سو زاہدوں کے ہمراہ نیشاپور پہنچے اور یہ خبر اڑتے اڑتے خلیفہ مامون رشید کے کانوں تک پہنچ گئی تو مامون نے انہیں اپنے پاس بلوایا تا کہ ان کے ساتھ بیٹھے۔ مگر حضرت شقیق بلخیؒ نے منع فرما دیا۔

شہادت

۱۹۴ ہجری میں حضرت شقیق بلخی ترک علاقے میں ماوراء النہر کے ایک جنگ، جنگ کولان میں جام شہادت نوش فرما گئے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۰ ہجری بمطابق ۸۱۰ عیسوی)

☆ جس نے خواہشات کی ظلمت کو زھد کے آفتاب کے ذریعے دور کیا۔
☆ چالیس سال اس طرح گذارے کہ دو قمیضوں کے مالک بھی نہ تھے۔
☆ دنیاوی عزت کے لئے دنیا والوں سے مقابلہ نہیں کیا اور دنیاوی کمتری سے پریشان نہیں ہوئے۔

☆☆☆

امراء ان کے محتاج تھے اور یہ ان کے عطایا سے بے پرواہ تھے۔ تقویٰ نے انہیں ان کی کتابوں کو دفن کرنے پر مجبور کر دیا جنہیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا...... یہ ہیں یوسف بن اسباط شیبانی، ابومحمد، زاھد اور واعظ انطاکیہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ ملک شام کے بڑے عبادت گذاروں اور قراء میں سے تھے۔ اہل زمانہ کے اخیار میں سے تھے۔ اپنے پیٹ کی حفاظت کی اور اس میں خالص حلال چیز ہی ڈالی اور اگر حلال نہ ملا تو مٹی ہی پھانک لی۔ (مراد یہ ہے کہ بھوکے رہے)

ایک نے آ کر سوال کیا کہ زھد کیا؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں سے بے رغبت رہے اور جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں اگر ان کا ارتکاب کرے گا تو اللہ تجھے عذاب دے گا۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ زھد کی انتہاء کیا ہے؟ فرمایا کہ جو چیز ہاتھ آئے اس سے خوش مت ہو اور جو چلی گئی اس پر افسوس مت کرو۔ اس نے پھر پوچھا کہ تواضع کی غایت کیا ہے؟ فرمایا کہ تو گھر سے نکلے تو جس سے ملے تو یہ سمجھے کہ وہ شخص تجھ سے افضل ہے۔

فرماتے کہ مجھے چالیس سال ہو گئے کہ ایک ساتھ دو قمیض میری ملکیت میں نہ آئیں اور جو چیز میرے دل میں کھٹکتی میں نے اسے چھوڑ دیا۔

فرماتے کہ بھوک دل کو نرم کرتی ہے اور بھوک زمین کی ہر نیکی کی بنیاد ہے۔

ابن اسباطؒ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بولا جانے والا کوئی کلمہ کوئی لفظ منہ میں چھپا کر نہ رکھتے تھے۔

ایک دن ایک امیر آپ کی خدمت میں کوئی مسئلہ پوچھنے آیا اس نے سر پر شاشی ٹوپی پہن رکھی تھی یوسفؒ نے اسے اس کی ٹوپی کی وجہ سے ناگواری سے دیکھا اور فرمایا کہ میرے استاد محترم حضرت سفیان ثوریؒ اس طرح کا لبادہ پہننے والوں کو فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے۔ یہ سن کر اس امیر نے سر سے ٹوپی اتار کر ایک طرف رکھ دی تو یوسف ابن اسباط نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

امراء اور بادشاہوں کے عطایا قبول نہ کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی نصیحت کرتے۔ ایک مرتبہ کسی امیر نے کچھ بھیجا تو فرمایا کہ ''میرے ہاتھ پاؤں کا کاٹ دیا جانا مجھے اس مال کو کھانے سے زیادہ پسند ہے۔

وفات

۱۹۰ ہجری میں آپ کی روح اللہ کے حضور پیش ہوگئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۹۷ ہجری بمطابق ۸۱۲ عیسوی)

☆ اپنے نفس کے پیچھے لگے رہے حتیٰ کہ اس کا تزکیہ کر لیا۔
☆ ان کی صفات ان کی حالت سے زیادہ فائق تھیں۔
☆ دائمی رنج کے ذریعے دل کا نور حاصل کر لیا۔
☆ اپنے نفس کو اطاعت کے ڈنڈے سے سیدھا کر دیا۔

☆☆☆

دنیا ان کے نزدیک ایسا گھر تھی جس میں قیام بہت تھوڑا ہے اور دنیا کی ہر مصاحبت جدائی والی تھی۔ انہوں نے اپنی زندگی بدحالی اور تنگ دستی کے ساتھ گزاری۔ یہ

ہیں حضرت وکیع بن جراح الرؤاسی، ابوسفیان، جو اپنے زمانے میں مسلمانوں کے امام تھے۔ حافظ اور ثبت (معتبر) اہل عراق کے محدث۔

جو کہ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بیت المال کے نگران تھے یہ مختلف علاقوں میں فقہ اور علم کی تلاش میں سرگرداں رہے حتیٰ کہ علم کا ایک سمندر بن گئے۔ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے انسان تھے ایک دن ایک رات میں قرآن کریم ختم کرتے، اپنے سر پر دنیاوی مفلسی کو اٹھائے بڑی غمگین زندگی گذاری۔

علم وخشیت میں مرتبہ

جب حضرت سفیان ثوریؒ کی وفات ہوئی تو وکیع ان کے جانشین ہوئے۔ امام احمد ان کی بڑی تعظیم وتوقیر فرماتے تھے۔

حضرت وکیع احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا احترام کرتے جب حدیث بیان کرتے تو قبلہ رخ ہو کر کرتے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر آپ وکیع کو دیکھ لیتے تو جان لیتے کہ آپ نے اس جیسا کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اور فرماتے کہ میری آنکھوں نے ان جیسا شخص کبھی کوئی نہیں دیکھا۔

مروان طاطری کہتے ہیں میں نے وکیع بن جراحؒ جیسا خشوع والا شخص کوئی نہیں دیکھا۔ اور میرے سامنے جب بھی کسی کی تعریف کی گئی تو وہ بیان کردہ تعریف سے کم درجے کا نکلا۔ مگر وکیع اپنی بیان کردہ تعریف سے بھی اونچے درجے کے انسان نکلے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے محض اللہ کی رضا کے لئے حدیث بیان کرتے صرف حضرت وکیع کو دیکھا۔ وہ دنیا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مردار کی طرح ہے اس سے صرف اتنا لو جو تمہیں کھڑا کر سکے۔

سالم بن جنادہ فرماتے ہیں کہ میں وکیعؒ کی خدمت میں سات سال رہا میں نے ہمیشہ انہیں قبلہ رخ دیکھا اور کبھی قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

علی بن حشرم کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کو کبھی ہاتھ میں کتاب لئے نہیں دیکھا وہ

حافظے سے حدیث پڑھاتے تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے حافظے کی دوائی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ، اگر میں تمہیں دوا بتاؤں تو استعمال کرو گے؟ میں نے عرض کیا ضرور کروں گا۔ فرمایا کہ گناہوں کو چھوڑنا۔ یادداشت اور حافظے کے لئے میں نے اس جیسی کسی دوسری چیز کا تجربہ نہیں کیا۔

حضرت امام شافعیؒ بھی اپنے شیخ کا یادداشت کے لیے بتائے ہوئے نسخہ ترک معاصی کا ذکر کرتے ہیں۔ فرمایا

شکوت الی وکیع سوء حفظی　فارشدنی الی ترک المعاصی

واخبرنی بان العلم نور　ونور اللہ لا یھدی لعاصی

''میں نے وکیع سے اپنی یادداشت کی کمزوری کا شکوہ کیا تو انہوں نے ترک معاصی کی طرف میری رہنمائی کی۔ اور مجھے بتایا کہ علم نور ہے اور اللہ کا نور گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

دنیاوی عہدوں سے بیزاری

ہارون رشید نے حضرت وکیع کو بلوایا اور کہا کہ آپ کے شہر والوں نے مجھ سے قاضی مانگا ہے۔ اور میں نے سوچا کہ آپ کو اپنی امانت اور نیک عمل میں شریک کرلوں لہٰذا آپ یہ عہدہ لے لیں تو حضرت وکیع وہاں سے یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ اے امیر المؤمنین میں بوڑھا آدمی ہوں میری ایک آنکھ سے نظر نہیں آتا دوسری کمزور ہو چکی ہے۔

ایک شخص نے حضرت وکیع کو برا بھلا کہا تو وکیع اندر گئے اپنے چہرے پر مٹی ڈال لی پھر باہر تشریف لائے اور آنسو بہاتے ہوئے اس آدمی سے کہا کہ میرے گناہ کے سبب سے مجھے اور بھی برا بھلا کہو۔ کیونکہ اگر یہ گناہ نہ ہوتا تو تجھے مجھ پر مسلط نہ کیا جاتا۔

آخری لمحات

جب موت کا وقت آیا تو بستر میں جا پہنچے ان کے پاس ان کا بیٹا آیا تو انہوں نے اپنا ہاتھ نکال کر اسے دکھایا اور گویا ہوئے۔ بیٹا یہ ہاتھ دیکھ رہے ہو؟ میں نے زندگی

پھر اس سے کسی کو بھی نہیں مارا۔

وفات

۱۹۷ ہجری کو حج سے واپسی کے موقع پر فید نامی جگہ میں ان کی وفات ہوگئی۔
(فید مکہ سے کوفہ کے راستے میں واقع ہے)

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۲۱۱ ہجری بمطابق ۸۱۵ عیسوی)

☆ بادشاہوں جیسے دل کے ساتھ زندہ رہے اور مسکین جسم کے ساتھ وفات پائی۔
☆ ان کی دعا آسمان کا ڈول تھی۔
☆ دینا سے اس حال میں گئے کہ ان کی ملکیت میں، دنیا میں آتے وقت کی طرح کچھ نہ تھا۔

☆☆☆

صاف ستھرا پاکیزہ دلوں میں خدا کا خوف بھر دیا سچے ایمان کے مالک۔ زھد کا نامور شخص، اپنے دور کی برکت، یہ ہیں حضرت معروف بن فیروز کرخی۔ ابو محفوظ بہت زیادہ روزے رکھنے والے، مستجاب الدعوات، ان کی دعاؤں سے بارش ہو جاتی تھی۔

بغداد کے علاقے کرخ میں پیدا ہوئے بہت علم حاصل کیا اور پھر عبادت نے روایت چھڑوا دی۔ نیکی، زہد اور پرہیز گاری میں مشہور ہوئے۔ عذاب اور مصیبت سے اپنے شہر والوں کے لئے امان تھے۔ غیبت کے شیرے میں ڈوبنے کو ناپسند کرتے تھے۔

سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ اس شہر والے اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک کو ابو محفوظ کرخی ان میں موجود ہیں۔

دنیا کرخیؒ کے نزدیک بہت چھوٹی اور بے وقعت تھی کہ وہ کسی ساکن کو متحرک نہ کر سکی۔ کرخیؒ حکمت کے سمندر کی تہہ میں جا کر اس کے موتی نکال لاتے۔ فرماتے کہ دنیا

ہانڈی ہے جو جوش ماری رہی ہے اور ایسا صحن ہے جو نشانہ باندھ رہا ہے اور فرمایا۔ بغیر عمل کیے جنت کی طلب کرنا گناہ ہے اور بغیر سبب کے شفاعت کا انتظار دھوکے کی ایک قسم ہے۔

ایک دن معروف کرخیؒ سے پوچھا گیا کہ دنیا دل سے کس طرح نکلتی ہے؟ فرمایا کہ خالص محبت اور حسن معاملہ کی وجہ سے۔

ایک مرتبہ بیٹھے تھے کہ حاکم کا ذکر چل نکلا تو فرمایا ''اے اللہ ہمیں اس کا چہرہ مت اور جس کی طرف تو دیکھا پسند نہیں کرتا۔''

ایک شخص آپ کے پاس آ کر بیٹھا اور لوگوں کی غیبت کرنے لگا تو معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ ''روئی کو یاد کر جب اسے تیری آنکھوں پر رکھ دیا جائے گا۔'' (مرنے کے بعد)

ان کا نفس ہر بھلائی کی طرف مائل رہتا ہر کسی کی پکار پر حسن ظن رکھتے۔ ایک دن روزے کی حالت میں ایک پانی پلانے والے کے پاس سے گذرے جو کہہ رہا تھا اللہ تعالیٰ پینے والے پر رحم کرے۔ چنانچہ کرخیؒ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید میں پانی پی لیا۔

ان کی آواز سے اہل آسمان مانوس تھے۔ جب بھی آواز بلند کرتے قبول ہو جاتی سخت گرم دن میں بارش کی دعا فرمائی اور ابھی یہ ہاتھ بھی نیچے نہیں کر پائے تھے کہ بارش ہو گئی۔

انہوں نے کوتاہ امیدی کے ذریعے اخلاص کا جگر مانگا تھا ایک دن معروفؒ نے نماز کی اقامت کہی اور ابن ابی توبہ سے کہا کہ آگئے بڑھ جایئے تو انہوں نے کہا کہ اگر میں نے تمہیں یہ نماز پڑھائی تو دوسری نماز نہ پڑھا سکوں گا۔ یہ سن کر حضرت معروف نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں یہ گمان رکھتے ہو کہ تم دوسری نماز پڑھ سکو گے؟ ہم طول امل (لمبی امید) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ کیونکہ طول امل اچھے عمل سے روک دیتی ہے۔

اپنا جسم لے کر دنیا کی فصیلوں سے دور بھاگ گئے جس طرح کہ دنیا میں داخل ہوئے تھے اور ان کی ملکیت میں کچھ نہ تھا (اسی طرح آخرت کی طرف روانہ ہو گئے) بیمار

ہو کر بستر پر جا پہنچے تو کسی نے کہا کہ وصیت کر دیجئے۔ فرمانے لگے کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری یہ قمیض بھی صدقہ کر دینا کیونکہ میں دنیا سے اسی طرح بغیر کپڑوں کے جانا چاہتا ہوں جس طرح داخل ہوا تھا۔

وفات

۲۰۰ھ میں وفات ہوئی۔

☆☆☆

سیدنا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۲۰۴ھ بمطابق ۸۲۰ عیسوی)

☆ اگر امام شافعیؒ حدیث کی سماعت زیادہ کرتے تو امت محمد یہ دوسرے فقہاء سے مستغنی ہو جاتی۔

☆ لوگوں کی عقلوں کو تولا جائے تو امام شافعی ان سب کے سردار ہو جائیں۔

☆ نبی کریم ﷺ نے ان کے منہ پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔

☆☆☆

ایسا شخص جو قریب تھا کہ اخلاق اور خلق میں کامل ہو جاتا، جس نے اپنی امیدوں کو زھد کے گلدستہ اور تقویٰ کی ہواؤں سے گھیر لیا تھا۔ یہ ہیں امام محمد بن ادریس بن عباس بن سائب ابن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قریشی۔ ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ اپنے دور کے عالم۔ زمانے کے فقیہ، حدیث کے مددگار، ائمہ اربعہ میں سے ایک امام، جن کی طرف مذہب شافعی کی نسبت ہوتی ہے۔

غزہ میں اسی سال پیدا ہوئے جس سال کوفے میں امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی۔ اپنی والدہ کی گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ پھر مدینہ امام مالکؒ کی خدمت میں تشریف لائے امام مالکؒ نے انہیں پسند کیا۔ مدینہ ہی میں مقیم رہے حتی کہ امام

مالک کی زندگی ہی میں فتویٰ دینے لگے اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

موطاء حفظ کرنے کے بعد عراق چلے گئے اور امام احمد بھی ان کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ بڑے فصیح، اور لغت وشعر کو جاننے والے تھے ان کی ذہانت اور علم ہر وقت شعلہ زن رہتے اگر ان سے ایک ہزار آدمی بھی مناظرہ کرتے تو امام شافعی ان پر غالب آجاتے۔

زھد کی تلقین

ایک شخص ان کے پاس نصیحت حاصل کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا زھد اختیار کرو۔ ابن راھویہ کہتے ہیں کہ میں امام احمد کے ہمراہ مکہ میں تھا تو امام احمد نے مجھے کہا کہ آؤ میں تمہیں ایسا آدمی دکھاؤں اس جیسا تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ تو انہوں نے مجھے امام شافعی دکھائے۔

مامون رشید کہتا تھا کہ میں نے امام شافعیؒ کا ہر چیز میں امتحان لیا تو ہر طرح سے کامل پایا۔

زھد وسخاوت

آپ نے اپنی باہیں خرچ کرنے کے لئے کھول رکھی تھیں۔ خیر کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا ایسی موسلا دھار بارش کی طرح تھے جو اپنی اچھائیاں اور ھدایا فقراء کو دیتی تھی۔

امام شافعیؒ ایک مرتبہ یمن سے آئے ان کے پاس بیس ہزار دینار تھے آپ نے مکہ سے باہر اپنا خیمہ لگوایا اور وہاں مقیم ہوتے ہی سارے دینار بانٹ دیئے۔ مزنیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ سخی کوئی شخص نہیں دیکھا۔ عید کی رات میں ان کے ہمراہ مسجد سے نکل کر ان کے گھر تک آیا کہ اچانک ایک غلام آیا اور اس نے ایک تھیلی امامؒ کے حوالے کی کہ یہ میرے آقا نے بھیجی ہے۔ آپ نے وہ تھیلی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی۔ اتنے میں ایک شخص حلقے سے اٹھ کر آپ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میری

بیوی کے ہاں ابھی ابھی ولادت ہوئی ہے اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے وہ تھیلی آستین سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور خود خالی ہاتھ گھر میں چلے گئے۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے ان کے لئے ایک ہزار دینار کا حکم دیا۔ امام شافعیؒ نے وہ لے لئے اور وہ وہاں سے چل پڑے۔ ہارون نے فوراً اپنے خادم کو کہا کہ امام شافعیؒ جا رہے ہیں ان کا پیچھا کرو۔ چنانچہ وہ چلا دیکھا کہ امام شافعی ایک ایک مٹھی بھر کر دینار محل میں پھینکتے جا رہے ہیں (یا کہا کہ لوگوں میں خدام وغیرہ میں بانٹتے جا رہے ہیں) حتی کہ آخر میں ایک مٹھی دینار رہ گئے وہ اپنے غلام کو دے دیئے اور فرمایا کہ اس سے کام چلاؤ۔ یہ دیکھ کر وہ خادم واپس گیا اور سارا حال کہہ سنایا تو ہارون رشید نے کہا کہ اسی لئے ان کے ارادے آزاد اور ظاہر اتنا مضبوط ہیں۔

کم کھانا

ایک مرتبہ امام شافعیؒ راستے میں چلے جا رہے تھے کہ ہاتھ سے کوڑا گر گیا چنانچہ ایک غلام تیزی سے آگے بڑھا اپنی آستین سے کوڑا صاف کیا اور امام شافعیؒ کے حوالے کر دیا تو امام شافعیؒ نے سات دینار عطا فرمائے۔

امام شافعیؒ نے اپنے پیٹ کو بھوک کے کوڑوں سے درست کیا۔ چنانچہ لقمہ بھی آپ کے پیٹ میں ڈر اور خوف کے ساتھ جاتا تھا۔ ایک دن اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے کھانے کا ایک قصہ بیان کر رہے تھے...... فرمایا کہ!

میں نے سولہ سال میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ ایک مرتبہ کھالیا تھا تو حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کر دی تھی۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا بدن کو بھاری کرتا ہے۔ دل کو سخت کرتا ہے ذہانت کو ختم کرتا ہے اور نیند لاتا ہے عبادت میں کمزوری پیدا کرتا ہے۔

عبادت

امام شافعیؒ کی فکر، عقل، اور بیدار دل پر عبارت کا بڑا گہرا اثر تھا چنانچہ امامؒ ہر رمضان میں ساٹھ قرآن کریم ختم فرماتے اور سب کے سب نماز میں ختم کرتے۔ مردی

ہے کہ انہوں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔ پہلا حصہ لکھا کرتے۔ دوسرا حصہ نماز پڑھتے اور رات کا تیسرا حصہ سوتے تھے۔

حسین کرابیسی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کے ہمراہ ایک رات گذاری تو وہ رات کو تہائی رات کے برابر نماز پڑھتے تھے۔ میں نے انہیں پچاس آیات سے زیادہ پڑھتے نہیں دیکھا۔ اگر زیادہ پڑھتے تو سو آیات ہوتیں۔ اور تلاوت کے دوران رحمت کی آیت سے گذرتے تو رحمت کی دعا کرتے اور عذاب کی آیت پڑھتے تو اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے گویا ان کے لئے امید اور خوف دونوں جمع ہو گئے تھے۔

تقدیر پر یقین

عبداللہ بن عبدالحکم ایک مرتبہ امام شافعیؒ کے پاس بیٹھا نصیحت کر رہا تھا۔ کہنے لگا کہ جب آپ کا مصر میں رہنے کا ارادہ ہو تو آپ کے پاس ایک سال کا راشن ہونا چاہیے اور حکمران کے ساتھ مجلس کرنا اس سے آپ کی عزت ہوگی۔" امام شافعیؒ نے اسے جواب دیا۔ اے ابو محمد جسے تقویٰ نے عزت نہ دی ہو اس کی کوئی عزت نہیں۔ میں غزہ میں پیدا ہوا۔ پرورش حجاز میں ہوئی۔ اور ہمارے پاس ایک دن کا راشن بھی نہیں ہوتا تھا مگر ہم کبھی بھوکے نہیں سوئے۔

وفات

امام شافعیؒ مصر میں پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور "دب النخل[1]" میں انتقال کر گئے۔ آپ کے مصاحب مزنیؒ نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی تدفین بنی زھر کے قبرستان میں ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

حضرت سفیان بن عیینہ کو جب ان کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا کہ اپنے زمانے کا سب سے افضل انسان مر گیا۔

☆☆☆

---

[1] درب النخل یا تو جگہ کا نام ہے یا لفظی معنی کے اعتبار سے کھجور کا باغ یا اس کا راستہ مراد ہے۔

﴿سیدنا حضرت ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۲۱۵ ہجری بمطابق ۸۳۰ عیسوی)

☆ جس نے مناجات کی لذت کو نیند کی لذت پر ترجیح دی۔

☆ اپنے پیٹ کو بھوکا رکھ کر اپنے دل کو نکھار دیا۔

☆ ان کا تقویٰ ان کے زہد کی پہلی سیڑھی تھا۔

☆ دن کی بھوک اور رات کی بیداری سے انہوں نے دنیا کے دھوکے کو دور کیا۔

☆☆☆

جس نے بھوک کے ذریعے دل کے زنگ کو ختم کیا، دنیا کو ناکام کر کے آخرت کمائی۔ یہ ہیں حضرت ابوسلیمان دارانی، عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیہ عنسی، جو "داریا" دمشق کے مشہور زاہد تھے۔ بغداد چلے گئے تھے وہاں کافی عرصہ مقیم رہے پھر دوبارہ شام لوٹ آئے۔

اپنے ہاتھ میں حکمت کا ترکش رکھتے اور اس میں سے دنیا کی کبریائی کو شکست دینے والے تیر نکالتے۔ ان کے الفاظ دلوں کی پیاس بجھانے والے الفاظ ہیں۔

اقوال زریں

ابوسلیمان فرمایا کرتے کہ "زھد ان چیزوں کے ترک کا نام ہے جو تمہیں اللہ سے غافل کر دیں۔" فرماتے کہ زھد کو امیدیں کم کرنے سے حاصل کرو۔ اور دنیا کے دھوکے کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔ تھوڑی سی بھوک، تھوڑی سی بیداری، تھوڑی سی ٹھنڈک تم سے دنیا کو کاٹ سکتی ہے۔ اور فرمایا کہ تقویٰ زھد کی ابتداء ہے۔

اسی طرح کھانے میں زھد کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ "بھوک آخرت کی کنجی ہے" اور سیر ہو کر کھانا دنیا کی کنجی ہے۔ اور دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کی کنجی اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔

ایک دن لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب دل بھوکا اور پیاسا ہو تو نکھرتا

اور نرم ہوتا ہے اور جب دل بھرا ہوا اور سیراب ہو تو اندھا اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ فرمایا کہ ہر چیز میں کھوٹ اور زنگ ہوتا ہے۔ اور دل کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کو ترک دینا کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑے دونوں میں فائدہ کماتا ہے اور جو شخص آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑے دونوں میں خسارہ پاتا ہے۔

عزلت اور تنہائی پسندی

دارائیؒ شہرت سے دور بھاگتے اور تنہائی اور لوگوں سے چھپنے کو پسند کرتے۔ فرمایا کہ اگر تم یہ کر سکو کہ کسی وجہ سے نہ پہچانے جاؤ اور تم تک کوئی نہ پہنچ سکے تو ایسا کر لو۔

رات کی عبادت

رات کے شہسواروں میں سے تھے جو صالحین کی راتوں کو ذکر الٰہی کے نور سے روشن رکھتے ہیں اور تسبیح کی گنگناہٹ سے وحشت کو دور کرتے ہیں۔

صبح کے وقت اپنے اصحاب کو رات کے قیام (نماز) کی محبت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ فرمایا کہ اگر رات کی نماز نہ ہوتی تو مجھے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی۔

کرامت

ابو سلیمان رات کی نمازوں کی برکت ایک عظیم کرامت و انعام کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ایک رات میں تہجد کی نماز پڑھے بغیر سویا رہا تو میں نے دیکھا کہ ایک حور مجھے جگا رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔ اے ابو سلیمان تم ہمیں چھوڑ کر سو رہے ہو؟ اور میں پردوں میں چھپی پانچ سو سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ کیا تمہاری آنکھیں سو رہی ہیں اور فرشتے جاگے ہوئے تہجد پڑھنے والوں کو دیکھ رہے ہیں۔ بد حالی ہے اس آنکھ کے لئے جو نیند کی لذت کو مناجات کی لذت پر ترجیح دے۔ اٹھو! اللہ تم پر رحم کرے یہ سونا کیسا ہے؟ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ میں اسی وقت چونک کر اٹھ گیا اور اس حور کی سرزنش کی وجہ

سے حیاء کے مارے پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اور اس گفتگو کی مٹھاس آج تک میری سماعت اور دل میں بسی ہے۔

خوف خدا کی کیفیت

ایک مرتبہ ابو سلیمان دارائیؒ نے احرام باندھا اور تلبیہ کہہ کر آفاق کو معطر کرنا چاہ رہے تھے کہ اچانک بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے لوگ ان کو ہوش میں لانے لگے چنانچہ جب افاقہ ہوا تو پوچھا گیا کہ اے ابو سلیمان کیا ہوا آپ کو؟ تو انہوں نے بدلے ہوئے چہرے کے ساتھ فرمایا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو شخص حرام مال سے حج کرنے جائے تو جب وہ **لبیک اللھم لبیک** کہتا ہے تو رب تعالیٰ کہتا ہے کہ تیری کوئی لبیک نہیں تیری کوئی خوش بختی نہیں۔ جب تک کہ تو تیرے ہاتھ میں موجود مال واپس نہ لوٹا دے مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں مجھے یہ نہ کہہ دیا جائے۔

ایک دن بیٹھے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ فرمایا کہ ''جب میں گناہ کرتا ہوں تو مجھے موت اچھی نہیں لگتی۔ چاہتا ہوں کہ زندہ رہوں شاید کہ توبہ کرلوں۔

ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے سلیمان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ کمانے اور حلال مال حاصل کرنے گیا ہے اور زمین کی خرید و فروخت کے لئے گیا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ وہ دل فلاح نہیں پا سکتا جو دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے۔

وفات

ان کی روح آسمان کی طرف سفر کر گئی اور ۲۱۵ ہجری میں ان کا جسم قبروں کے درمیان ایک قبر میں چھپا دیا گیا۔

☆☆☆

سیدنا حضرت منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۲۵ھ بمطابق ۸۴۰عیسوی)

☆ وہ شخص جس کے الفاظ نے آسمان کو رلایا۔
☆ ان کی والدہ نے انہیں دودھ کے ساتھ زھد پلا دیا تھا۔
☆ انہوں نے اپنی زندگی روزے اور نماز کے نام کر دی تھی۔
☆ جن کے منہ میں نبی کریم ﷺ نے اپنے لعاب دہن ڈالا۔

☆☆☆

آفاق میں وعظ کرتے پھرتے رہے اور لوگوں کو تقویٰ اور اطاعت کی ترغیب دیتے رہے نافرمانی اور اللہ تعالیٰ سے دوری سے جو دنیا میں رغبت سے ہوتی ہے ڈراتے رہے۔ یہ ہیں حضرت منصور بن عمار ابوالسری، السلمی خراسانی۔ایک بے مثل زاھد اور پرہیزگار، جن کے نصائح دلوں کو کھٹکھٹاتے ان کی گفتگو کے آس پاس لوگ جمع رہتے۔ بھرپور الفاظ اور سچی سیرت کے مالک تھے ان کا دل زہد اور خشیت سے بھرا ہوا تھا۔

زاھد کی دعا کی قبولیت

منصور بن عمار نے تیاری کی اور مصر چل پڑے انہیں آرزو کھینچے لے جا رہی تھی چنانچہ جب مصر میں داخل ہوئے تو وہاں قحط پڑا ہوا تھا اور اس نے کھیتی اور تھنوں کے دودھ تک سکھا دیا تھا۔ جب بڑی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوئی لوگ اونچی آواز سے رونے اور دعائیں کرنے لگے۔ ایسے میں مطمئن دل کے منصور اٹھے اور آگے بڑھ کر مسجد کے درمیان صحن میں پہنچ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ثناء و مدح بیان کرنے لگے پھر فرمایا!

لوگو! اللہ تعالیٰ سے صدقہ کے ذریعے تقرب حاصل کرو۔ اس طرح کسی اور چیز سے اتنا تقرب حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر انہوں نے اپنی چادر اتار دی اور فرمایا یہ میری محنت وجہد ہے اب تم صدقہ کرو۔

چنانچہ اب لوگوں نے صدقہ کرنا شروع کیا حتیٰ کہ عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں تک اتار کر دیدیں۔ تو آسمان سے بارش شروع ہوگئی اور جب مسجد سے نکلے تو وہ کیچڑ میں دھنسے جا رہے تھے۔ پھر ان کے پاس دو آدمی آئے اور کہا کہ حضرت لیث بلا رہے ہیں۔ تو یہ لیثؒ کے پاس گئے انہوں نے پوچھا مسجد میں تم نے ہی بات کی تھی؟ فرمایا جی ہاں تو لیث نے کہا کہ مجھے اپنا وہ بیان دوبارہ سناؤ۔ چنانچہ منصور نے پوری گفتگو دوبارہ سنا دی اور انہیں نصیحت بھی کی۔ لیث رونے لگے حتیٰ کہ ان کی آواز بلند ہوگئی تو منصور نے ان پر رحم کیا اور خاموش ہوگئے۔

پھر منصور اسکندریہ روانہ ہوگئے اور جب وہاں کے قلعے پر گھوم رہے تھے تو دیکھا کہ ایک شخص انہیں بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ آپ وہی ہیں نا۔ جس نے جمعہ کے دن بات کی تھی۔ جواب دیا جی ہاں تو اس نے کہا آپ تو فتنہ بن گئے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ جمعہ کے دن خضر علیہ السلام نے آکر دعا کی تھی اور ان کی دعا قبول ہوگئی۔ تو آپ نے نہایت غمزدہ چہرے کے ساتھ فرمایا۔ نہیں میں تو ایک گناہ گار بندہ ہوں۔

ایک مرتبہ منصور بن عمارؒ ہارون رشید کی مجلس میں گئے اسے نصیحت کی اور رلا دیا۔ پھر ہارون نے پوچھا آپ نے یہ تعلیم کہاں سے حاصل کی؟ فرمایا کہ خواب میں میرے منہ میں نبی کریم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا اور مجھے فرمایا تھا۔ اے منصور کہو۔

آواز میں اثر

منصورؒ حجاج کرام کے قافلے کے ساتھ گئے تو کوفہ میں رات گذاری دی۔ جب رات ہوئی اور اندھیرا پھیل گیا تو نماز کے لئے تیار ہوگئے۔ کہ اچانک ایک شخص کو روتی آواز میں چیخ کر پکارتے سنا۔

اے اللہ تیری عزت کی قسم میں نے گناہ کر کے تیری مخالفت کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں نے نافرمانی تیرے عذاب سے لاعلمی میں کی تھی۔ لیکن میرے گناہ پر میری

بدبختی نے مدد کی اور تیرے پردہ ڈھانکنے نے مجھے دھوکے میں ڈال دیا تھا اب مجھے کون بچائے گا۔؟

تو منصور نے اونچی آواز سے یہ آیت تلاوت کی۔ ''اے ایمان والو خود کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''۔ (التحریم آیت ۶)

جیسے ہی منصور نے آیت ختم کی کسی چیز کے زمین پر گرنے کی آواز سنی۔ پھر صبح کو اس جگہ سے گذرے تو وہاں کوئی جنازہ تھا۔ ایک بڑھیا اپنی ضعیف آواز میں بتا رہی تھی کہ رات یہاں سے کوئی شخص گذرا تھا جس نے وہ آیت تلاوت کی تو اس کا پتہ پھٹ گیا اور یہ مر کر گر گیا۔

وفات

منصور بن عمارؒ کی وفات ۲۲۵ ہجری کے لگ بھگ ہوئی۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت بشر بن الحافی رحمۃ اللہ علیہ﴾

(وفات ۲۲۷ھ بمطابق ۸۴۱ عیسوی)

☆ ان کے زہد نے دلوں کے تاروں کو ہلا دیا تھا۔
☆ انہوں نے لوگوںؒ سے استغناء کی عزت اور رات کے قیام کے شرف کو جمع کر لیا تھا۔
☆ دنیا سے روزہ رکھا اور افطار موت پر کی۔
☆ دنیا ان کے نزدیک مچھر کے پر سے کم حیثیت رکھتی تھی۔

☆☆☆

انہوں نے تقویٰ کی کشتی میں بیٹھ کر آنسوؤں کا سمندر پار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوچ کیا۔ دنیا کو رضا مندی کے کلہاڑے سے گرا دیا۔ یہ ہیں حضرت بشر بن حارث بن علی مروزی ابو نصر حافی، تقویٰ کے سردار اور زہد کے امام، ''مرو'' سے تعلق تھا پھر بغداد

میں مقیم ہوئے۔ سوت کات کر بیچتے تھے ان کا ظاہر استقامت پر تھا اور باطن پاک تھا۔ ثقہ، زاھد پرہیز گار، صالح انسان تھے اور صرف صحیح حدیث روایت کرتے تھے۔

اپنی زندگی کو زھد کی بھٹی میں پگھلا دیا، دنیا کو بھولنے میں اس کی خوش بختی کی وجہ سے بڑی لذت ملتی تھی۔ بشر حافی، اپنی ہدایت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

میں راستے پر جارہا تھا کہ میں نے زمین پر ایک رقعہ پڑا دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نہر میں اترا اور اسے دھویا۔ اس وقت میری ملکیت میں صرف پانچ دانق تھے چنانچہ میں نے چار دانق کی مشک اور ایک دانق کا عرق گلاب خریدا اور اللہ تعالیٰ کے نام کو ڈھونڈ کر اس پر خوشبو لگانے لگا۔ پھر اپنے گھر آکر سو گیا۔ چنانچہ کوئی میرے خواب میں آیا اور اس نے کہا کہ اے بشر جس طرح تو نے ہمارے نام کو خوشبو سے معطر کیا ہے ہم بھی تیرے نام کو معطر کریں گے اور جس طرح تو نے اسے پاک کیا ہم بھی کریں گے۔

بشر حافی کی زندگی ان کے دور کے لوگوں کے لئے حیران کن تھی اس لئے انہوں نے ان پر مدح وثناء کے ڈول انڈیل دیئے اور ان کی مجلسیں بشر حافی کی سیرت کے اسباق پر مشتمل ہوتی تھیں۔

خطیب بغدادی کا قول ہے کہ بشر حافی پرہیز گاری میں اپنے دور کے سب لوگوں سے فائق تھے۔ امام احمد کو بتایا گیا کہ بشر حافی کی وفات ہوگئی ہے تو فرمایا کہ وہ شخص مر گیا جس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔

ابراہیم حربی نے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا کہ بغداد نے بشر سے زیادہ تام العقل انسان پیدا نہیں کیا۔

اقوال زریں

حکمت بشر حافی کی زبان پر بہتی تھی۔ اور وہ اس پر اپنے لبوں کو حرکت دیا

کرتے تھے۔ چنانچہ زہد کی حقیقت کھولتے ہوئے فرمایا کہ زھد ایسا بادشاہ ہے جو صرف اس دل میں رہتا ہے جو دنیا سے کٹا ہوا ہو۔

دنیا کے بارے میں فرمایا جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے موت کو ناپسند کرتا ہے اور جو دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے موت کو پسند کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے دنیا مانگتا ہے وہ دنیا میں طویل قیام چاہتا ہے۔

لوگوں سے مستغنی ہونے کی فضیلت کے بارے میں فرمایا۔ مومن کی عزت یہ ہے کہ لوگوں سے مستغنی ہو اور اس کا شرف رات کو نماز پڑھنا ہے۔ بھوک کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ بھوک دل کو نکھارتی ہے۔ خواہش کو مارتی ہے اور علم کی باریکی عطا کرتی ہے۔

شہرت اور خود پسندی سے کراہت

بشر حافیؒ شہرت اور خود پسندی اور خود کو نمایاں کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لئے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ جس نے شہرت کو پسند کیا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا (اس نے تقویٰ اختیار نہیں کیا) اور وہ شخص جو ناموری چاہتا ہو آخرت کی حلاوت نہیں پائے گا۔

فرمایا کرتے کہ جب تمہیں بات کرنا اچھا لگے تو چپ رہو اور جب خاموش رہنا اچھا لگے تو بات کرو۔

طاعت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں غور و فکر کریں تو اس کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

بشر حافیؒ کو خواہشات سے لڑنے اور انہیں شکست دینے میں بڑی مہارت تھی اور اونچے طریقے آتے تھے۔ لہٰذا عبادت کی حلاوت چکھنے کے بارے میں فرماتے کہ تم عبادت کی حلاوت اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنے اور خواہشات کے درمیان لوہے کی دیوار قائم نہ کر دو۔

اس بارے میں اپنے احوال بتاتے ہوئے فرمایا کہ پچاس سال سے مجھے بھنا

ہوا گوشت اور پتلی روٹی پسند ہے مگر اس کے لئے ایک درہم بھی حاصل نہ کر سکا۔'' اور فرمایا'' میں پھل کو اس میں بے رغبتی کی بنا پر نہیں چھوڑتا لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ اپنی خواہش اس پر لگاؤں۔

ایک مرتبہ ان کے دوست نے انہیں بینگن دیا تو اسے جلدی سے واپس کر دیا اور اپنے نفس کو سرزنش کرنے چل پڑے اور فرماتے اے نفس کیا تو بینگن کھانا چاہتا ہے خدا کی قسم تو اسے ہر گز نہیں چکھے گا حتی کہ دنیا کو چھوڑ کر چلا جائے۔

ایک دن انہیں کسی نے کہا کہ آپ احادیث رسول ﷺ کیوں بیان نہیں کرتے؟ فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں حدیث بیان کروں مگر جس چیز کو میرا دل چاہتا ہے اسے میں چھوڑ دیتا ہوں۔

زھد وتقویٰ میں ان کا مقام

بشر حافی تقوی کی درسگاہ اور زھد کے استاد تھے ایک دن ان کی بہن نے دیکھا کہ ان کا چہرہ پیلا پڑ چکا ہے طاقت کمزور ہو چکی ہے تو ان کے پاس بیٹھ کر ان کا حال پوچھنے لگیں تو فرمایا کہ میرے پیٹ میں تکلیف ہے۔ تو والدہ کہنے لگیں کہ مجھے اجازت دو تو میں تمہارے لئے تھوڑا سا حلوہ بنا دوں میرے پاس ایک مٹھی بھر آٹا ہے تو تم اسے کھاؤ گے تو پیٹ کو آرام آجائے گا۔ یہ سن کر بشر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کہنے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ یہ آٹا تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تو میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں گا؟ یہ سن کر والدہ رونے لگیں اور خود بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔

ایک دن ان کی بہن امام احمدؒ کی خدمت میں آئیں اور ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ ہم لوگ رات میں سوت کاتتے ہیں اور ہماری گذر بسر اسی پر ہے تو ہمارے قریب سے بغداد کے حکمران بنی طاہر کی مشعلیں گذرتی ہیں اور ہم لوگ اس کی روشنی میں ایک یا دو گانٹھیں کات لیتے ہیں ان کی آمدنی ہمارے لئے حلال ہے یا حرام تو امام احمد نے ان کے اس ورع (شبہات سے بچنے والے تقویٰ) سے متاثر ہو کر پوچھا۔ اے اللہ کی خادمہ آپ

ہیں کون؟ انہوں نے کہا۔ بشر حافی کی بہن۔ امام احمد رونے لگے اور فرمایا آپ جایئے آپ ہی کے گھر سے ورع تقویٰ نکلتا ہے۔

ایک شخص بشر حافی کے پاس آیا اور کہا مجھے نصیحت کیجئے تو فرمایا اپنی روٹی کو دیکھ کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔

وفات

حضرت بشر حافی نے محرم الحرام ۲۲۷ ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پچھتر برس تھی۔

بشر حافی کا بارگاہ خداوندی میں اکرام

ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ جب امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا میری مغفرت فرما دی۔ مجھے تاج پہنایا اور سونے کے جوتے پہنائے اور فرمایا کہ اے احمد یہ تمہارے اس قول کا انعام ہے تم کہتے تھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ تو پھر میں (ابن خزیمہ) نے پوچھا۔ بشر حافی کا کیا بنا؟ تو امام احمد نے فرمایا۔ واہ واہ بشر کے کیا کہنے۔ میں نے اسے جلیل (اللہ تعالیٰ) کے سامنے چھوڑا۔ ان کے سامنے کھانے کا دستر خوان تھا اور رب جلیل خود ان کی طرف متوجہ تھا۔ فرماتا تھا کہ اے نہ کھانے والے کھا اور پی، اے نہ پینے والے اور نعمتوں میں رہ، مزے کر، اے جس نے مزے نہ کیے۔

☆☆☆

سیدنا حضرت حاتم الاصم رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۲۳۷ ہجری بمطابق ۸۵۱ عیسوی)

☆ اس امت کے لقمان حکیم۔

☆ دنیا ان کی زبان کے ایک طرف بھی نہ گر سکی۔

☆ ازاران جیسے کسی دوسرے کو نہ بندھ سکی۔

☆☆☆

غفلت سے ہوش میں آئے۔ گناہوں کو یاد کیا۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ کے وعدے سے مطمئن تھا۔ یہ ہیں حاتم بن عنوان ابوعبدالرحمٰن المعروف ''الاصم'' جو کہ بڑے زاہد تھے۔ ورع اور تنگدستی سے مشہور ہوئے۔ بلخ سے تعلق تھا۔ بغداد تشریف لائے۔ امام احمد کے ساتھ ملے اور بعض معرکوں وفتوحات میں شریک ہوئے۔

اصم نام پڑنے کی وجہ

ان کا نام ''اصم'' (بہرا) پڑنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت ان سے مسئلہ پوچھنے آئی جس وقت وہ بات کر رہی تھی اس کی آواز بلند ریح خارج ہوگئی تو وہ شرمندہ ہوگئی مگر حضرت حاتم نے بہرے پن کا مظاہرہ کیا اور فرمایا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ذرا زور سے کہیئے مجھے آپ کی آواز نہیں آ رہی۔ (بس اس کے بعد جب تک وہ عورت زندہ رہی حضرت حاتم بہرے ہی بنے رہے)۔

حکمت بھری باتیں

حکمت آپ کی زبان پر جاری تھی۔ آپ کے روشن اور میٹھے ارشادات ہیں ان میں سے ایک ارشاد یہ ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ بغیر تقویٰ کے کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔

زہد کی بنیاد

دوپہر کے وقت ایک شخص حضرت حاتم اصم کی مجلس میں آیا اور ان سے مسئلے

پوچھنے لگا تو اس نے سوال کیا کہ زہد کی اصل۔ اس کا وسط اور اس کا آخر کیا ہے؟ فرمایا زہد کی اصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس کا وسط صبر ہے اور اس کا آخر اخلاص ہے۔

اور فرمایا جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو آخرت میں رغبت کرے، مسکینوں سے محبت کرے اور آخرت کے لیے اعمال صالحہ آگے بھیجے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا مرتبہ ہوگا۔

توکل کی چار خصلتیں

ایک شخص نے سوال کیا کہ ''آپ نے توکل کرنے میں کن باتوں پر بنیاد رکھی؟ فرمایا کہ وہ چار خصلتیں ہیں۔

(۱) میں نے یہ جان لیا کہ میرا رزق میرے سوا کوئی اور نہیں کھا سکے گا۔ چنانچہ میرا نفس اس بارے میں مطمئن ہوگیا۔

(۲) میں نے یہ جان لیا کہ میرے اعمال میرے سوا کوئی نہیں کرے گا۔ لہٰذا میں ان میں مشغول ہوگیا۔

(۳) میں نے جان لیا کہ موت اچانک آجاتی ہے۔ لہٰذا میں اس کی تیاری کررہا ہوں۔

(۴) میں نے جان لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نظر سے کسی وقت بچا ہوا نہیں لہٰذا میں اس سے حیا کرتا ہوں۔

لوگوں سے بچنے کا طریقہ

امام احمد بن حنبل حضرت حاتم اصم کے ساتھ بیٹھے انہیں مرحبا کہا اور پھر فرمایا۔ بتائیے کہ لوگوں سے چھٹکارا کیسے حاصل ہو؟ فرمایا کہ تم انہیں اپنا مال دو اور ان سے ان کا مال مت لو۔ ان کے حقوق ادا کرو اور کسی سے اپنے حق کی ادائیگی کے لیے مت کہو۔ ان کی غلط باتیں برداشت کرو اور ان سے کوئی ناگوار بات مت کرو۔ میں ضمانت لیتا ہوں کہ تم بچ جاؤ گے۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

ایک مرتبہ ان کے پاس عاصم فقیہ آئے اور پوچھا کہ اے حاتم مجھے سکھایئے کہ میں نماز کیسے پڑھوں؟ فرمایا اے عاصم جب میں نماز پڑھتا ہوں تو اپنے رب کے حکم پر کھڑا ہوتا ہوں۔ آرام سکون سے چلتا ہوں۔ سنت کے مطابق نماز میں داخل ہوتا ہوں اور اس کے باوجود بھی ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز قبول نہ کی جائے۔

رزق کے حصول پر ایمان

ان کا دل ایمان اور توکل سے معمور تھا۔ زہد کے پچھاڑے ہوئے تھے۔ لوگوں کے ساتھ مجلس کرتے اور انہیں رزق پر ایمان کی تعلیم دیتے اور فرماتے کہ

میری چار بیویاں ہیں۔ نو بچے ہیں۔ شیطان کی کبھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مجھے ان کے رزق و معاش کے بارے میں کبھی وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے۔

نصائح

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے؟ حضرت حاتم نے فرمایا کہ اگر تو اپنے آقا کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے تو ایسی جگہ کر جہاں وہ تجھے دیکھ نہ سکے۔

لوگوں کو موت سے ڈراتے ہوئے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور عبادت کی زینت خوف ہے اور خوف کی علامت امیدوں کا کم ہونا ہے۔

ایک دن لوگوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا روزانہ صبح شیطان یہ کہتا ہے کہ تو کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا؟ کہاں رہے گا؟ تو میں کہتا ہوں کہ موت کھاؤں گا' کفن پہنوں گا قبر میں رہوں گا۔

وفات

حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ ۲۳۷ ہجری کے آخر میں اپنے رب کے پاس چلے گئے۔

☆☆☆

﴿سیدنا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ﴾

(متوفی ۲۴۱ ہجری بمطابق ۸۵۵ عیسوی)

☆ انہیں فتنہ کی آگ میں ڈالا گیا مگر اس سے سونا بن کر باہر نکل آئے۔

☆ مشکلات کو صبر کی تلوار ایمان کے تیروں سے شکست دی۔

☆ قریب تھا کہ ماں کے پیٹ میں ہی امام بن جاتے۔

☆☆☆

مشکلات کے شیر' دنیا کے امام' جنہوں نے ایک درہم سے بھی بے رغبتی کی (زہد کیا) اور لوگوں کے ہاتھوں میں موجود مال سے خود کو بچائے رکھا۔ یہ ہیں حضرت امام احمد بن حنبل ابوعبداللہ شیبانی۔ اصل میں ''مرو'' سے تعلق تھا۔

یتیمی میں پرورش پائی۔ علم پر جھکے ہوئے پلے بڑھے۔ اور زمین میں ہر عالم کے پاس جانے کیلئے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام اور تابعین کے مذہب کے لوگوں میں سب سے بڑے عالم بنے۔ علم سے اس وقت سے عشق تھا جب کہ ناخن بھی نرم تھے۔ صالحین کے درمیان کندھے لیکر داخل ہوئے حتیٰ کہ ان کے امام بن گئے۔

مامون رشید نے انہیں ''عقیدہ خلق قرآن'' کا قائل کرنا چاہا مگر وہ مناظرہ کرنے سے پہلے مر گیا۔ پھر معتصم باللہ خلیفہ بنا تو اس نے امام احمد کو اٹھائیس مہینے قید رکھا کیونکہ انہوں نے خلق قرآن کا قائل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر جب متوکل خلیفہ بنا تو اس نے امام کا اکرام کیا۔ قدر کی اور شرف و تعظیم کی۔

امام نسائی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اور فقہ دونوں میں معرفت اور زہد اور ورع جمع کر لیے تھے۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے بڑا فقیہ اور بڑا پرہیزگار نہیں دیکھا کہا جاتا تھا کہ اگر امام احمد نہ ہوتے تو ورع (پرہیزگاری) مر جاتا۔

راہ خدا میں خرچ کرنے میں سمندر تھے۔ فقر کے نوکیلے دانت ان تک نہ پہنچتے تھے اور نہ ہی ضرورت کا وجود ان تک پہنچتا تھا۔

ایک دن ہارون مستملی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو امام احمد نے اسے پانچ درہم دیئے اور فرمایا کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ابوسعید بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کے مؤدب (استاد) تھے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے والد کے پاس جب آتا تو وہ مجھے تین یا کبھی زیادہ درہم دیتے اور میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے۔ کبھی جب مجھے کچھ دیتے تو فرماتے کہ ہم نے تمہیں اپنے پاس موجود مال میں سے آدھا دے دیا ہے۔ ایک دن میں آیا اور ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا تو وہاں سے نکلے اور ایک طباق میں کپڑے کے نیچے ڈھک کر چار روٹیاں لائے اور فرمایا کہ ہمارے پاس جتنا کچھ تھا یہ روٹیاں اس کا نصف ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ یہ مجھے دوسروں کے چار ہزار سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام احمد تقویٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ انہیں خواہشات کی پکار اور دھوکہ بازیوں کی چمک سے بھی خوف نہیں آتا تھا۔

ایک مرتبہ ان کے پاس ایک شخص نے آکر بتایا کہ آپ کا بیٹا عبدالرحمٰن بیمار ہے اور اسے مکھن کی طلب ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مصاحب کو درہم دیکر مکھن لانے کو بھیجا جب وہ لایا تو چقندر کے پتے پر رکھ کر لایا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ ورق کہاں سے لائے۔ اس نے کہا سبزی والے کی دکان سے۔ پوچھا اجازت سے لائے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا جاؤ واپس دے کر آؤ۔

ایک مرتبہ ایک تاجر کے پاس کٹورا رہن رکھ دیا پھر جب چھڑانے گئے تو تاجر نے کٹورا نکالا تو کٹورا کچھ مشتبہ ہو گیا۔ پہچان نہ سکے لہٰذا اسی کے پاس (تقویٰ کے باعث) چھوڑ دیا اور تاجر کو کہا کہ آپ کے لیے یہ لینا جائز ہے۔

زہد کا اعلیٰ مرتبہ

لوگوں کے اموال میں بے رغبتی (زہد) اور نظر نہ کرنے کی بناء پر عزت کے اعلیٰ مراتب پر جا پہنچے تھے۔ چنانچہ عبدالرزاق اپنے دوستوں میں بیٹھے امام احمد کا تذکرہ کر رہے تھے کہ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رخساروں پر بہنے لگے فرمایا۔ مجھے یہ بات

معلوم ہوئی کہ امام احمد کے پاس خرچ ختم ہو گیا ہے تو میں دس دینار لے کر گیا اور انہیں پیش کیے تو امام احمد مسکرائے اور فرمایا۔ اے ابوبکر اگر میں لوگوں میں سے کسی سے کچھ لوں تو تم ہی سے لوں گا یہ کہہ کر آپ نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔

امام احمد کی دعا

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب مٹی پر سر سجدے میں رکھتے تو دعا فرماتے۔ اے اللہ! جس طرح تو نے میرے چہرے کو تیرے غیر کا سجدہ کرنے سے بچایا ہے اسے اسی طرح تیرے غیر سے سوال کرنے سے بھی بچا۔

فرماتے کہ اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو تم میں سے کوئی میرے پاس بیٹھ نہیں پاتا۔

آپ کا کھانا

آپ کا کھانا چند لقمے ہوتے جو آپ کو آخرت تک پہنچاتے تھے بلکہ امام احمد اس وقت خوشی سے جھوم جاتے جب یہ چند لقمے بھی میسر نہ ہوتے۔

آپ کے صاحبزادے صالح بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو روٹی کے سوکھے ٹکڑے کھاتے دیکھا کہ وہ اسے لیتے اس پر سے غبار جھاڑتے۔ اسے پیالے میں رکھتے اور اس پر پانی ڈال کر اسے نمک سے کھاتے۔ میں نے انہیں کبھی کوئی انار، سفر جل، یا کوئی اور پھل خریدتے نہیں دیکھا ہاں البتہ خربوزہ خرید کر اسے روٹی سے کھایا کرتے تھے۔

کبھی کبھار تین تین دن تک کھانا نہ کھاتے اور چوتھے دن اپنے سامنے چوتھائی سے آدھا ستو رکھ لیتے۔ کبھی سارا پی لیتے اور کبھی کچھ چھوڑ دیتے۔

جب انہیں جیل میں ڈالا گیا تھا تو وہ کھانے میں بے رغبتی کرتے اور جب کھاتے تو انہیں اس بات کا خوف ہوتا تھا کہ کہیں انہیں دنیا فتنہ میں نہ ڈال دے۔ امام احمد فرماتے کہ میں نے کل اس بات پر غور کیا تو میں نے کہا کہ یہ دو مشقتیں ہیں۔ میں نے دین کی مشقت اٹھائی ہے اور اب یہ دنیا کی مشقت ہے۔

پھر کھانے سے دور رہنے کی وجہ سے کمزور ہو گئے۔ حتیٰ کہ کبھی کپڑا گیلا کر کے اپنے چہرے پر رکھتے تو ان کی جان میں جان آتی۔ انہیں کسی نے کہا کہ اے ابو عبداللہ اگر

آپ حکم دیں تو کوئی ہانڈی پکالی جائے تاکہ آپ کی جان میں جان آئے اور آپ میں نماز پڑھنے کی ہمت پیدا ہو سکے؟ تو فرمایا پکی ہوئی ہانڈی تو مطمئنین کا کھانا ہے۔

عبادت گزاری

امام احمد اپنی ذات میں خود عبادت کی ایک محراب تھے۔ روزانہ تین سو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ مصائب سے کمزور ہو گئے تو ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھا کرتے اور ایک سو اسی کے قریب پہنچا دیتے تھے۔

بہت زیادہ روزے رکھتے اور روزے نہیں بھی رکھتے تھے مگر پیر جمعرات اور ایام بیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے پھر جب لشکر سے واپس آئے تو روزے مستقل رکھے۔ یہاں تک آپ کی وفات ہو گئی۔

ابو داؤد سختیانی کہتے ہیں کہ امام احمد کی مجلس آخرت کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ ان میں دنیاوی امور میں سے کسی بات کا تذکرہ نہ ہوتا تھا اور میں نے انہیں دنیا کا ذکر کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

امراء کے درباروں سے دور رہنا

امراء اور حکمرانوں کے پاس جانے کو ناپسند کرتے تھے اور ان کے عطایا اور انعامات کو اپنی پیٹھ دکھا دی تھی۔ معتصم کا ایک محافظ بیان کرتا ہے کہ میں نے بادشاہ کے پاس آنے والوں اور بادشاہوں سے ملنے جلنے والوں میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ مضبوط دل کسی کا نہیں دیکھا۔ ہم لوگ (بادشاہ اور اس کے خدم و حشم) ان کی نظر میں مکھیوں کے جیسے تھے۔

امام احمد امام اسحاق بن راہویہ سے خط و کتابت کرتے تھے۔ ان کے علمی سوالوں کے جواب دیا کرتے۔ چنانچہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ لکھا کہ مجھے اپنے ہاں ایک دن امیر عبداللہ بن طاہر نے بلوایا۔ میں گیا تو میرے ہاتھ میں آپ کا خط تھا وہ اس نے لیکر پڑھا تو کہنے لگا کہ میں امام احمد سے محبت رکھتا ہوں اور حمزہ ابو شنجی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پسند کرتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ دونوں بادشاہ کے معاملات میں گھلتے ملتے نہیں۔''

چنانچہ اس کے بعد امام احمد نے ابن راہویہ سے خط وکتابت بند کر دی۔

ایک مرتبہ ابن طاہر کا حاجب آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ امیر نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی زیارت کریں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ مجھے پسند نہیں اور امیر المومنین میری ناپسندیدہ باتوں پر مجھے معاف کر چکے ہیں۔

موت کی یاد

جب موت کا ذکر ہوتا تو عبرت آپ کا گلا گھونٹ دیتی اور فرماتے کہ خوف مجھے کھانے پینے سے روک دیتا ہے اور جب میں موت کو یاد کرتا ہوں تو مجھ پر دنیا کے سارے معاملات آسان ہو جاتے ہیں۔

آخری لمحات اور وفات

جب امام احمد بستر مرگ میں جا پہنچے تو روتے اور آہ وزاری کرتے۔ کسی نے بتایا کہ حضرت طاؤس بیماری میں رونے کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد وفات تک امام احمد کے رونے کی آواز نہیں سنی گئی۔

لوگوں کو جب ان کے بیمار ہونے کا پتہ چلا تو جوق در جوق آپ کی عیادت کو آنے لگے آپ کو سلام کرتے تو آپ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے۔

پھر جب جمعہ کا دن آیا تو اس قدر لوگ جمع ہوئے کہ گلیاں اور سڑکیں بھر گئیں پھر جب دن چڑھا تو امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی۔ یہ ۲۴۱ ہجری تھا۔ لوگ چیخیں مار مار کر رونے لگے اور ان کی آوازیں اس قدر بلند ہوئیں گویا کہ پوری دنیا گونج رہی تھی۔

امام احمد کی نماز جنازہ میں لگ بھگ آٹھ لاکھ افراد نے شرکت کی اور تقریباً ساٹھ ہزار عورتیں شریک تھیں۔

حضرت یحییٰ نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کو جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمانے لگے کہ بغداد کے ہر گھر والوں کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں امام احمد کے لیے روئیں۔

☆☆☆

سیدنا حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۲۵۳ ہجری بمطابق ۸۶۸ عیسوی)

☆ جس کے منہ میں حکمت گردش کرتی رہتی تھی۔
☆ جن کی خلوت جلوت کے جیسی تھی۔
☆ ایک مرتبہ الحمدللہ کہنے پر تیس سال اس پر استغفار کی۔

اپنے لیے کوئی قدم ایسا نہیں اٹھایا جس میں راحت ہو۔ضمیر کی چیخ و پکار پر ان کے تمام پہلو بیدار ہوگئے۔ یہ ہیں حضرت سری بن مغلس السقطی' ابوالحسن جو ایک پرہیز گار دل کے مالک۔ بڑے زاہد' بغداد والوں کے امام اور شیخ تھے۔

بغداد میں پیدا ہوئے۔ پہلے وہ شخص تھے۔ جنہوں نے توحید کی زبان میں بات کی۔تنہائی پسند تھے۔تنہائی میں رہتے تھے۔انہیں کوئی دیکھ نہیں پاتا تھا الا یہ کہ کوئی ان کے گھر کا رخ کرے۔لوگوں اور ان کے اسباب سے کٹ کر رہ گئے تھے۔

حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سری سقطی سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اٹھہتر سال ایسے گزرے کہ انہیں لیٹا ہوا کسی نے نہ دیکھا سوائے مرض وفات میں۔

حضرت حسن بزار کہتے ہیں کہ یہاں امام احمد اور بشر حافی تھے۔ اور ہم امید کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ہماری حفاظت کرے گا۔ پھر ان دونوں کا انتقال ہوگیا۔ سری باقی رہے تو اب مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ "سری" کے ذریعے ہماری حفاظت کریں گے۔

حکمت بھرے اقوال

حکمت ان کے منہ میں حرکت کرتی رہتی۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بدن کی راحت کے ساتھ بہت سستا پایا ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو بدن کی تھکاوٹ سمیت بہت مہنگا پایا ہے۔

آپ فرماتے کہ جو شخص اپنے آپ کا ادب کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ دوسرے کا ادب کرنے سے زیادہ عاجز ہوگا۔

اور فرمایا کہ اگر جمعہ اور جماعت کی نمازیں نہ ہوتیں تو میں اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیتا اور باہر نہیں نکلتا۔

خوف دلاتے ہوئے فرماتے کہ "اس بات سے ڈرو کہ تم بکھری ہوئی تعریف ہو اور چھپے ہوئے عیب ہو۔

غلط الحمد للہ کہنے پر تیس سال استغفار

خوف نے ان کے دل پر حملہ کر کے پہاڑوں سے زیادہ بھاری غم انہیں دے دیئے تھے۔ حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ الحمد للہ کہا تھا اور اس پر تیس سال تک استغفار کرتا رہا۔ کسی نے پوچھا یہ کیسے ہوا؟ فرمایا کہ میری ایک دکان میں بہت سا مال تھا اس بازار میں آگ لگ گئی مجھے بتایا گیا تو میں اپنی دکان کا حال معلوم کرنے نکلا تو مجھے ایک شخص ملا۔ اس نے کہا مبارک ہو۔ تمہاری دکان جلنے سے بچ گئی ہے میں نے یہ سنتے ہی الحمد للہ کہا۔ مگر جب بعد میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ الحمد للہ کہنا غلطی تھی (لہٰذا میں نے اس پر تیس سال استغفار کی)۔

خوف خدا کا حال

ان کے ڈر اور خوف کا یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں روزانہ اپنی ناک دیکھتا ہوں کہ کہیں عذاب سے میرا چہرہ کالا تو نہیں کر دیا گیا۔ اور میں ایسی جگہ مرنا پسند نہیں کرتا جہاں میں پہچانا جاتا ہوں۔ کسی نے پوچھا ابوالحسن وہ کیوں؟ تو فرمایا مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے زمین قبول نہ کرے تو میری رسوائی ہو۔

زہد کی حالت

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ان کے زہد کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سری کو یہ فرماتے سنا کہ تیس سال سے میری خواہش ہے کہ میں تازہ کھجور

کو شہد میں ڈبو کر کھاؤں مگر میں ایسا کر نہ سکا۔

ایک شخص ان کے پاس آیا وہ زہد اور ترک دنیا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ حضرت سری سقطی نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس نمک پسا ہوا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں تو فرمایا تم زہد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ایک دن سخت گرم دوپہر میں حضرت جنید' حضرت سری سقطی کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ پانی پینے کا مشکیزہ دھوپ میں رکھا ہوا ہے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت پانی کا مشکیزہ دھوپ میں رکھا ہوا ہے؟ فرمایا یہ پہلے سائے میں تھا مگر جب دھوپ آ گئی تو میرے دل نے کہا کہ اسے سائے میں لے جاؤں مگر مجھے اس بات سے حیا آ گئی کہ میں کوئی ایسا قدم اٹھاؤں جس میں میرے نفس کے لیے راحت ہو۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ کوئی چیز بھیجی تو حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہے؟ لڑکے نے کہا کہ انہوں نے مجھے قیمت نہیں بتائی تو حضرت سری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے والد کو جا کر کہنا کہ پچاس سال سے ہم لوگوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اپنے دین کے بدلے کچھ مت کھاؤ۔ اور تم آج یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم اپنے دین کے بدلے کچھ کھا لیں گے۔

وفات

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ رمضان ۲۵۳ ہجری میں اذان فجر کے بعد اپنے رب تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔ عصر کے بعد تدفین ہوئی۔ ان کو شونیزی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

﴿سیدنا حضرت عبدالصمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ﴾

(وفات ۳۹۷ ہجری بمطابق ۱۰۰۶ عیسوی)

☆ ایسا شخص شیطان کا جس میں کوئی حصہ نہ تھا۔
☆ ایسا شخص جس نے موت کو مسکراتے ہوئے گلے لگایا۔
☆ اپنے پاس جو کچھ ہوتا لوگوں کو دے دیتے مگر لوگوں سے کچھ نہ مانگتے۔

یہ ہیں عبدالصمد بن عمر بن محمد بن اسحاق ابو القاسم الواعظ۔ جو کہ زہد اور نیکی والوں میں سے تھے۔ اچھائی کا حکم دیتے' برائی سے روکتے تھے۔ بڑے متواضع انسان تھے۔ جب لوگوں سے بات کرتے تو کبھی مجلس کے بیچ میں نہ جاتے۔

مال غیر سے بے رغبتی

پاکباز نفس کے مالک تھے کسی سے کچھ نہ مانگتے اور نہ ہی کسی سے کچھ لیتے۔
ایک دن اپنے ساتھیوں میں بیٹھے انہیں دنیا کا حال سنا رہے تھے کہ اسی دوران ایک شخص سو دینار لے کر آیا تا کہ انہیں دے دے۔ مگر عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظریں زمین پر جھکائے جواب دیا کہ میں ان سے مستغنی ہوں۔ (مجھے ضرورت نہیں ہے) تو اس شخص نے کہا کہ یہ اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیں۔ تو فرمایا کہ یہ زمین پر رکھ دے۔ چنانچہ اس شخص نے ان لوگوں کے درمیان وہ دینار رکھ دیئے پھر حضرت عبدالصمد نے فرمایا کہ تم میں سے جس کو ضرورت ہو وہ اپنی ضرورت کے مطابق لے لے چنانچہ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق دینار اٹھاتے گئے۔ اسی دوران جب کہ لوگ دینار آپس میں تقسیم کر رہے تھے۔ عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا آیا اور اس نے کھجوریں خریدنے کے لیے ان سے پیسے مانگے مگر عبدالصمد کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹے کو کہا کہ جاؤ سبزی والے سے چوتھائی رطل کھجوریں لے لو۔"

اسی طرح عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے ادھار کھجوریں لے لیں مگر ان دیناروں میں سے کچھ بھی نہ لیا۔

عید کا دن اور فقر کے مزے

مہینے اور دن اسی طرح گزرتے رہے اور تیزی سے عید آ گئی۔ عبدالصمد اپنے خوشبودار دن گزار رہے تھے اور ان کا گھر راشن' دانہ پانی سے خالی تھا۔ ایک شخص کچھ درہم لیکر آیا اور کہا یہ لے لیجئے۔ عبدالصمد نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ اے بھائی۔ اللہ کے لیے مجھے آج کے دن اپنے فقر سے لطف اندوز ہونے دے۔ جس طرح مالدار لوگ اپنی

مالداری سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

عبدالصمد اپنے اصحاب کو محنت اور عمل اور طلب آخرت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تمہیں دنیا تو مل نہ سکی اب کہیں آخرت بھی تم سے چھوٹ نہ جائے۔

آخری خواہش

ایمان ان کے دل میں جاگزیں تھا۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتوں پر بھروسے سے معمور تھا۔ چنانچہ عبدالصمد بستر مرگ پر اپنے رب سے ملاقات کے حکم کے انتظار میں لیٹے تھے کہ ام الحسن بنت القاضی تشریف لائیں یہ حضرت عبدالصمد کے کاموں کی دیکھ بھال اور گھر کی خدمت کرتی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر مطالبہ کر رہی ہوں کہ تم مجھ سے اپنی کوئی حاجت بیان کرو۔ چنانچہ عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے بعد میری بیٹی حنیہ کے لیے ایسی رہنا جیسی تم میری زندگی میں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا ضرور انشاء اللہ میں ایسا ہی کروں گی۔

وفات

اس کے بعد عبدالصمد نے بات نہ کی اور بار بار استغفار کرتے رہے اور فرماتے جاتے کہ اللہ میری بیٹی کے لیے مجھ سے بہتر ہے۔

پھر جب تکلیف بڑھی تو کہنے لگے اے میرے آقا میں نے اسی دن کے لیے تیری عبادت کی تھی اور اسی وقت کے لیے اعمال کا ذخیرہ کیا تھا۔ میرے تجھ سے حسن ظن کو حقیقت بنا دے۔

پھر ان کی روح پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ بصرہ میں ''درب شماس'' میں تھے اور ۳۹۷ ہجری تھا۔

(بحمد اللہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۵ عیسوی کو ترجمہ اختتام پذیر ہوا)

☆☆☆